

بصیرت

مکمل



علامہ سید محمد شواحد صوفی

ناشر شعبہ تبلیغ مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف ، گنج بخش روڈ
لاہور

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْقَوْمِ يَتَّقُونَ



علامہ سید محمود احمد رضوی نذیر رضوان کے تحریر کردہ
مذہبی - اخلاقی - اصلاحی - فقہی - تفسیری
مضامین کا قابل مطالعہ مجسمہ

ناشر شعبہ تبلیغ دارالعلوم عربیہ اسلامیہ
گنج بخش روڈ لاہور

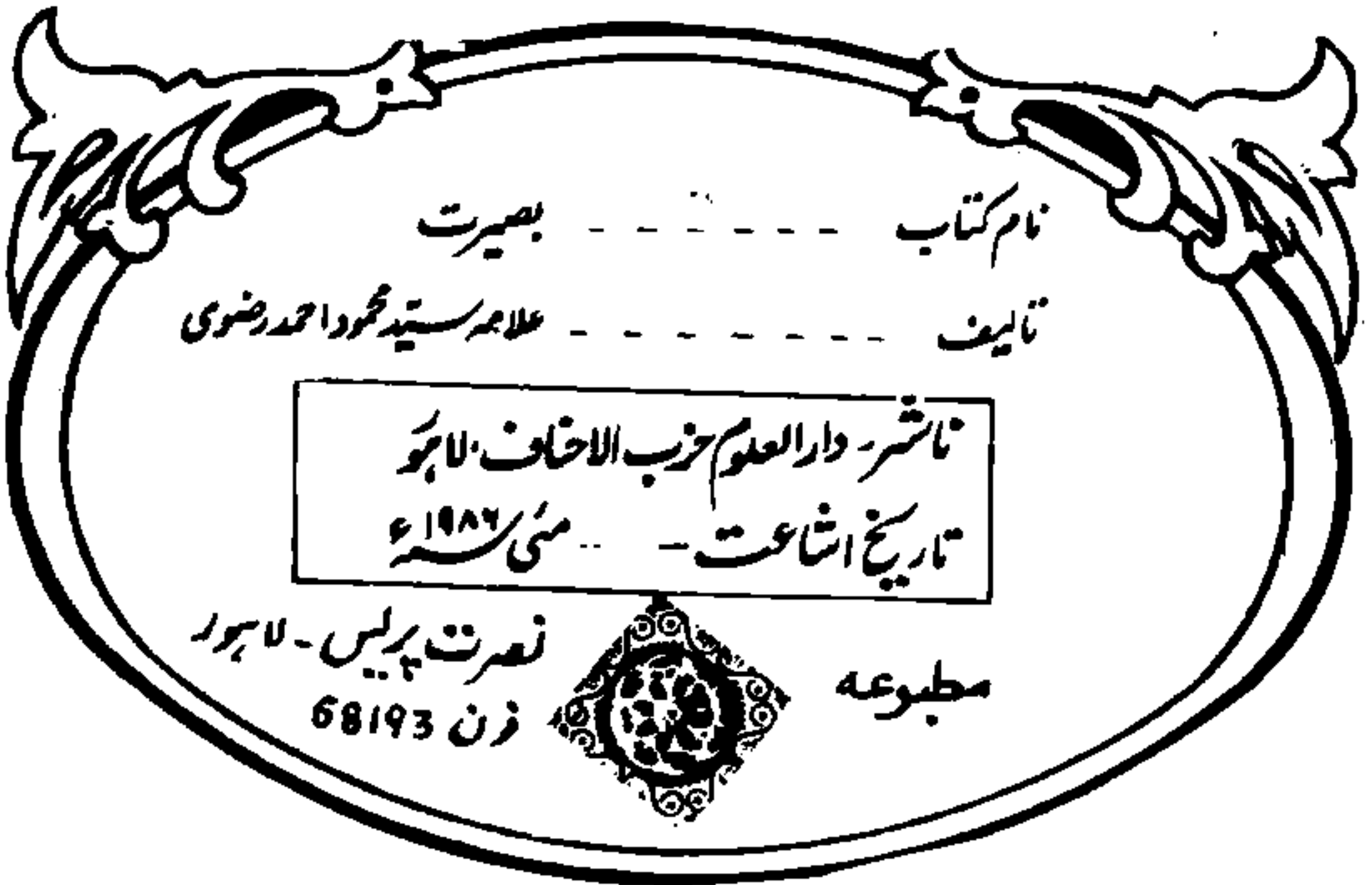
Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

جناب محترم الحاج چوہدری بابو سراج الدین صاحب مرحوم و مغفور آف انڈسٹری لاہور

چوہدری صاحب مرحوم و مغفور اہلسنت و جماعت کے ایک نہایت ہی مختیر
خدا ترس و بیدار متقی و پرہیزگار شخصیت تھے۔ آپ کی دینی و ملی خدمات کا دائرہ بہت
وسیع ہے۔ امام اہلسنت حضرت علامہ ابوالبرکات تید احمد صاحب قادری اشرفی کے
خصوصی احباب سے تھے۔ راقم الحروف پر بھی بڑی شفقت و محبت فرماتے تھے بصیرت
کا مطالعہ کرنے والے احباب سے ملتے رہے ہوں کہ وہ جناب محترم چوہدری صاحب مرحوم و
مغفور کے لیے دُعائے مغفرت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم علیہ السلام کے طفیل ان
کی دینی و ملی خدمات کو قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے
خاندان کے تمام افراد کو دارین کی نعمتوں سے نوازے۔ آمین

سید محمد و احمد رضوی



نظرِ اولین

بصیرت ، حضرت علامہ سید محمد احمد رضوی کے تحریر کردہ دینی ، مذہبی ، اخلاقی ، اصلاحی ، روحانی اور تاریخی مضامین کا رُوح پرور ، فکر انگیز ، ایمان افروز مجموعہ ہے مختلف اہم دینی موضوعات پر کتاب و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں لکھے گئے مضامین کا یہ مجموعہ مسلمانوں کی دینی ، مذہبی ، اخلاقی ، روحانی ضرورت کو پورا کرنے میں ان کا حمد و معاون ہوگا۔

بصیرت کے مطالعہ سے آپ کی وہ ذہنی تشنگی دُور ہو جائے گی۔ جس کے آپ خواہشمند ہیں اور بہت سے اہم اور ضروری دینی و مذہبی معلومات کا آپ کے ذخیرہ علم میں اضافہ ہوگا۔

دین و مذہب کا دور رکھنے والے احباب سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ دینی مذہبی معلومات کے اس قابلِ قدر علمی ذخیرہ کی اپنے حلقہ اثر میں زیادہ سے زیادہ اشاعت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ —————
مُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے طفیل لکھنے اور پڑھنے والوں کو اسلامی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے آمین۔

نوٹ :- بصیرت کے نام سے یہ مجموعہ مضامین اس سے قبل بھی شائع ہو چکا ہے مگر علامہ رضوی نے اس اشاعت میں سابقہ مضامین پر نظر ثانی بھی کی ہے اور مزید مفید اور اہم مضامین کا اضافہ بھی کیا ہے۔

نیاز کمیش سید مصطفیٰ اشرف رضوی

فہر کتاب "بصیرت"

۳۶ قطعی الدلالت کے معنی

۳۷ ضروریات دین میں تاویل

نہیں مانی جاتی

۳۸ قہری تکفیر میں احتیاط نہایت

ضروری ہے۔

۳۸ اگر کلام میں ۹۹ وجوہ کفر کے ہوں

۳۹ نفاق حقیقی و عملی کی تعریف

۴۱ جہاد

عبادت کے معنی اور عبادت

۴۲ تعظیم میں فرق

۴۳ شرک کی تعریف

۴۶ ظلم کے معنی

۴۶ جہاد اسلامی

۴۹ نماز عبادت کا گوہر شاداب

۴۹ نماز کی قرصیت و اہمیت

نماز قرآن کی روشنی

نظر اولین ۳

فہر س ۴

قرآن مجید منشور ہدایت ۸

اخت پر ایمان ۱۴

اسلامی معاشرہ ۱۷

۲۲ عدل و انصاف کی اہمیت

۲۵ حقوق العباد کی اہمیت

۲۷ مومنین مخلصین کے اوصاف

۳۱ منافق اور مومن کا کردار

ایمان و کفر کے متعلق چند

ضروری باتیں ۳۴

۳۴ ضروریات دین کی تعریف

۳۵ کفر کی تعریف اور اسکی قسمیں

۳۶ کفر و ارتداد کا معیار؟

۳۶ قطعی الثبوت کے معنی

- ۹۴ عقائدِ اسلامی
۹۶ رحم و رافت
۹۹ همان نوازی کے آداب
۱۰۱ حیار و فحش
۱۰۲ دوسے منافی ایمان نہیں
۱۰۴ کارسازِ مایہ فسکرِ کارِ ما
۱۰۸ دیانت کا ایک انوکھا واقعہ
۱۰۹ تربیتِ اولاد

۱۱۲ کیا مہر ایک بے معنی اور
فضول رسم ہے

- ۱۱۲ مہر خاوند پر واجب ہے
۱۱۳ مہر شرعی کی مقدار
۱۱۴ مہر کی قسمیں
۱۱۵ کونسی چیز مہر بن سکتی ہے
" نکاحِ شکار کا حکم
" مہر معاف ہونے کی صورت
۱۱۶ مہر مقرر کیے بغیر نکاح کرنا
۱۱۶ بتیس روپے مہر شرعی نہیں ہے
۱۱۶ مہرِ مثل کی تعریف
۱۱۷ مہر زیادہ باندھنا

- ۵۶ اسلامی معاشرہ میں نظام
زکوٰۃ و عشر کی اہمیت

۶۱ ذکر اور دُعا

- ۶۵ صدقات و خیرات کے آداب
۶۹ ایک ایمان افروز تاریخی واقعہ
۷۴ خارجی اور خارجی ذہنیت
۸۱ حقوق العباد کی اہمیت

۸۲ فضائل و برکاتِ قرآن

- ۸۵ قرآن مجید کی عظمت و فضیلت
۸۷ قرآن مجید کے فضائل
۸۸ برکاتِ قرآن
۸۹ خاص خاص آیتوں اور سورتوں
کے فضائل
۸۹ سورہ فاتحہ معوذتہ بنی
۹۰ سورہ زلزال کافرون، اخلاص
" سورہ کہف، یسین، تبارک کا اثر
۹۱ آلِ عمران، بقرہ

۹۴ جواہرِ پارسے

۱۵۶ فضائلِ رمضان

• حضور کا خطبہ رمضان

۱۵۸ فضل و رحمت کا مہینہ

۱۶۲ افطار میں جلدی کرنا

مستحب ہے

۱۶۳ صوم وصال

۱۶۵ حضور علیہ السلام کی بشریت

۱۶۸ اعتکاف سنت کھایہ ہے

۱۶۸ صدقہ فطر واجب ہے ؟

۱۶۹ لیلۃُ القدر

۱۷۱ لیلۃُ القدر کے مسائل

۱۷۳ لیلۃُ القدر

۱۷۴ کتاب التراویح

۱۷۵ نماز تہجد اور تراویح

۱۷۵ تراویح بیس رکعت ہیں

۱۹۰ مسائلِ عید الفطر

۱۹۰ عید کی سنتیں اور مستحبات

• نماز عید کا وقت

۱۱۷ بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی

۱۱۸ ذکر و فکر

۱۱۸ حاضر جوابی

۱۲۰ ظالم کا حشر

۱۲۳ آیت تطہیر کی تفسیر

۱۲۶ دل کا فتویٰ

۱۲۸ مکافاتِ عمل

۱۲۹ غیر ضروری کو ضروری سمجھنا

۱۳۲ عرسِ بزرگانِ دین

۱۳۴ میت کے گھر کا کھانا منع ہے

۱۳۷ حجر گٹ کو مارنا ثواب ہے

۱۳۰ حیاتِ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

۱۴۳ حیاتِ مسیح پر مکمل بحث

۱۴۴ اس مسئلہ کی شرعی پوزیشن

۱۵۳ حضرت عیسیٰ حضور علیہ السلام

کے صحابی ہیں

۱۵۴ رمضان خداوند قدوس کی

رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ

۱۹۱	نماز عید کا طریقہ	۱۹۱	اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
۱۹۲	صدقہ فطر اور شوال کے روزے	۱۹۲	فضائل و مناقب
	ذکرا حیار		مرتبہ و مقام
۱۹۳	خاتونِ جنت	۱۹۳	حضور کی ازواجِ مطہرات
۱۹۴	نبی بے مثال کا شاہکار	۱۹۴	اُم المؤمنین ہیں
۱۹۵	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	۱۹۵	سراج اُمت امام اعظم
	صدیق اکبر کے فضائل	۲۲۱	فضائل و مرتبہ
	مناقب مرثیہ و مقام	۲۲۵	حضرت داتا گنج بخش
۲۱۱	فضائل صدیقی کے دلائل	۲۲۵	آپ کی عظمت و بزرگی
۲۲۴			ولی کی تعریف
۲۲۵	سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	۲۵۸	حضرت داتا صاحب کی تعلیمات
	فضائل و مناقب		
۲۲۹	سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ		
	فضائل و مناقب		
۲۳۲	امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ		
۲۳۳	فضائل و مناقب		
۲۳۵			



Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

قرآن مجید منشورِ ہدایت و رحمت ہے

قرآن مجید سرچشمہ ہدایت و موعظت ہے۔ یہی وہ نسخہ کیمیا ہے۔ جس نے تاریخِ انسانی کا رخ موڑ کر قلب و روح کو سکون و اطمینان کی زندگی بخش دی۔ یہی وہ منشورِ رحمت و حکمت ہے۔ جسے عملی طور پر قبول کرنے کے بعد دنیا کی سب سے جاہل قوم نہ صرف علم و حکمت کے عظیم و جلیل خزانوں کی مالک بن گئی۔ بلکہ اخلاق و اعمال میں اور دنیا کی سیاست میں بھی تمام اقوامِ عالم کے مقابلے میں ایک امتیازی مقام پر فائز ہو گئی۔ قرآن مجید کی ہر سورت اور ہر آیت پر غور و فکر کرنے سے دلِ حکمت و دانش کی بلوہ گاہ بن جاتا ہے اور اس کی ہدایت پر عمل کرنے سے دین و دنیا سنور جاتی ہے۔ آج بھی اگر قومِ مسلم صمیم قلب کے ساتھ قرآنی احکام و ہدایات کو عملی طور پر اپنالے تو اقوامِ عالم کی قیادت و امامت کے منصبِ جلیل پر فائز ہو سکتی ہے۔

منشورِ ہدایت | مفسرِ شہیر علامہ قرطبی علیہ الرحمہ سورہ نسا کی آیت ۵۸ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ آیت بھی علم و حکمت، رحمت و

موعظت اور دین و دنیا سے متعلق اہم ترین احکامات کا خزانہ ہے اس آیت میں دین و شریعت کے احکام قوموں کی صلاح و فلاح اور حکمرانی کے آداب و قواعد عدل و انصاف اور اخلاق و معاشرت کے اصولوں کو سمیٹ کر بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:-

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَوَدُّوا الْأَمْنَةَ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا (نساء ۵۸)

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں۔ انہیں سپرد کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے۔ بے شک اللہ سُنتا دیکھتا ہے۔

عثمان بن طلحہ جو کعبہ شریف کے کلید بردار تھے اپنے دورِ کفر کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہجرت سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ہمراہ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے تشریف لائے تو میں نے انتہائی ترشی کے ساتھ آپ کو کعبہ کے اندر جانے سے روک دیا۔ مگر حضور نے بڑی بر باری کے ساتھ فرمایا۔ عثمان تم ایک روز بیت اللہ کی کھنچی میرے ہاتھ میں دیکھو گے اور پھر مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں یہ چابی اس کے سپرد کروں۔ میں نے کہا وہ دن تو قریش کی ہلاکت و ذلت کا دن ہوگا۔ حضور نے فرمایا نہیں وہ دن تو قریش کی عزت و عظمت کا دن ہوگا۔ یہ فرماتے ہوئے آپ بیت اللہ کے اندر داخل ہو گئے۔ عثمان بن طلحہ کہتے ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا اور میں لے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر لیا مگر قوم کی ملامت کے ڈر سے اس شمع ہدایت پر ایمان لانے کا ارادہ پورا نہ کر سکا۔

پھر جب مکہ فتح ہوا تو میں نے کعبہ کی چابی بحضور نبوی پیش کر دی۔ حضور کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ وہاں نماز ادا فرما کر واپس تشریف لائے اور پھر کعبہ کی کھنچی مجھے واپس کرتے ہوئے فرمایا۔ اب یہ کھنچی قیامت تک تمہارے خاندان میں رہے گی۔ جو شخص تم سے یہ کھنچی لے گا وہ ظالم ہوگا۔ اس کے بعد حضور نے مجھے بلا کر فرمایا۔ عثمان جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی؟ میں نے عرض کیا بے شک آپ کا ارشاد پورا ہوا۔ اس وقت

میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا (منظہری) سورۃ نسا کی اس آیت کی شان نزول بھی یہی ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ نبی علیہ السلام کے لیے شرعاً و اخلاقاً یہ ضروری نہ تھا کہ کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ کو دے دیں (جب کہ اس موقع پر حضور کے علم مکرم حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی یہ درخواست گزاری تھی کہ چونکہ کعبہ کی دوسری ندائے (مقایہ و سراپہ) ہمارے سپرد ہیں اس لیے کلید برداری کا منصب بھی ہمیں عطا کیا جائے۔ مگر چونکہ عثمان ابتدائے ہی سے کعبہ کے کلید بردار چلے آ رہے تھے اور حقیقتاً نہ سہی صورت یہ چابی عثمان کا حق اور ان کی امانت تھی۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے صورت امانت کا لحاظ رکھتے ہوئے امین امت ہونے کا ایک معیار قائم فرما دیا۔ اور اپنے عمل و کردار سے امت کو یہ سبق دیا کہ ادائیگی امانت اور عدل و انصاف کی راہ میں خون کے رشتوں کا بھی لحاظ و پاس نہیں کیا جانا چاہیے۔

اگرچہ قرآن مجید کی بعض آیات کی شان نزول خاص ہو کر تا ہے مگر آیت کا حکم عام ہوتا ہے جس کی پابندی پوری امت کے لیے لازم و واجب ہوتی ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے احکام بھی ملت اسلامیہ کے لیے منثور ہدایت ہیں۔

لفظ امانات جمع ہے امانت کی۔ عام طور پر امانت کا مفہوم صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو چیز جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ اسے جوں کی توں واپس کر دے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور جمع کا صیغہ استعمال فرما کر اس کی وسعت کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

۱۔ جو شخص کسی بھی قسم اور نوع کی امانت کا امین ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ امانت اس کے مستحق کو پہنچا دے۔ ادایہ امانت کی اہمیت کا یہ عالم ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

لَا يَأْتِي مَن لِّمَن لَّا أَمَانَةٌ لَهُ وَلَا دِينٌ لِّمَن لَّا عَهْدُ لَهُ (اسلم)

جس میں امانت نہیں اس کا ایمانِ کامل نہیں اور جس میں عہد و معاہدہ کی پابندی نہیں اس کا دین کامل نہیں۔

حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت میں خیانت کو نفاقِ (عملی) کی علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا ہے۔ بخاری

۲۔ عبادات بھی امانت ہیں۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ کو صحیح وقت پر اخلاصِ نیت کے ساتھ اور ان کی تمام شرائط و فیروہ کے ساتھ ادا کرنا بھی امانت میں داخل ہے۔ عبادات کی ادائیگی میں سُستی اور فرائض میں کوتاہی امانت میں خیانت ہی ہے۔

۳۔ حکومت و اقتدار کے مناصب بھی امانت ہیں۔ اربابِ اقتدار کا یہ فرض ہے کہ وہ غریب و امیر، قوی و ضعیف کے حقوق و معاملات میں عدل و انصاف کے نواز و تمام مخالف رجحانات کے باوجود برابر رکھیں۔ عہدوں پر تقرر کے لیے کُنہ پروری، اقربا پروری کے بجائے اہلیت و قابلیت کو معیار بنائیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص کو مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کر دی گئی ہو اور وہ کوئی عہد کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی بنیاد پر اہلیت معلوم کیے بغیر دیدے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس کا فرض و نفل مقبول نہیں حتیٰ کہ جہنم میں داخل ہو۔ جمع القوائد ص ۳۲۲، نیز ایک روایت میں فرمایا کہ جس نے کوئی عہد اہل کے ہوتے ہوئے نااہل کے سپرد کر دیا اس نے اللہ کی، رسول کی اور تمام مسلمانوں کی خیانت کی۔

آج نظامِ حکومت میں جہاں کہیں ابتری نظر آتی ہے۔ وہ قرآنی ہدایات کو نظر انداز کر دینے کا ہی نتیجہ ہے۔ سفارشوں، تعلقات، رشتہ داریوں، رشوت اور سیاست کی بنیاد پر عہدے تقسیم کیے جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایسے نااہل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر امانتوں میں خیانت کرتے ہیں اور اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس طرح معاشرہ میں بے راہ روی پیدا ہوتی ہے۔ ظلم و عدوان

کا اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اس لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عہدے اور منصب نا اہلوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔ یعنی اب یہ فساد لا علاج ہے (بخاری) اور یہ بھی فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے بچو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ (بخاری)

۴۔ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ نے قرآن العرفان میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اصحابِ امانات اور حکام کو امانتیں دیانت داری کے ساتھ حقدار کو ادا کرنے اور فیصلوں میں انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرائض و واجبات بھی اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ ان کی ادا بھی اس حکم میں داخل ہے۔ علمائے دین نے فرمایا کہ حاکم کو چاہیے کہ پانچ باتوں میں فریقین کے ساتھ برابر کا سلوک کرے۔ اول، اپنے پاس آنے میں جیسے ایک کو موقع دے دوسرے کو بھی دے۔ دوم، نشست دونوں کو ایک سی دے۔ سوم، دونوں کی طرف برابر توجہ دے۔ چہارم، ہر ایک کی بات سننے میں ایک طریقہ رکھے۔ پنجم، فیصلہ دینے میں حق کی رعایت رکھے۔ انصاف کا دامن تھامے رہے۔ جس کا دوسرے پر حق ہوا اسے پورا پورا دلالتے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ قیامت کے دن عدل و انصاف کرنے والوں کو قرب الہی میں نوری عہر عطا ہوں گے۔

۵۔ حضور سید عالم نور مجتہم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

کَلَّكُمْ رَاجٍ وَ هُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْأَمْرُ رَاجٍ وَ هُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاجٍ عَلَى أَهْلِهِ وَ هُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَ الْمَرْأَةُ رَاجِيَةٌ عَلَى بَيْتِ ذَوِّجَهَا وَ هِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهَا

تم میں سے ہر شخص اپنے مرتبہ کے لحاظ سے پاسبان ہے اور جوابدہ ہے

امام اور خلیفہ بھی راہی ہے۔ اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائیگا۔ خاوند اپنے گھروالوں کا رئیس ہے اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے۔ ہر ایک سے اس کی حیثیت کے مطابق سوال کیا جائے گا۔

اس حدیث سے مفسرین کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مطابق پوری مسلم قوم کے لیے خواہ وہ علماء ہوں یا ملک کے حکام، گھر کا فرد اعلیٰ ہو یا کسی ادارہ کا سربراہ مرد ہو یا عورت سب کے لیے، زندگی کے تمام معاملات میں خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے اس آیت مبارکہ کی ہدایت پر عمل کرنا لازم و واجب ہے۔

۶۔ آیت کے پہلے جملے میں ادارہ امانات کا حکم دیا گیا اور دوسرے میں عدل و انصاف کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امانت داری کے بغیر عدل و انصاف کا قیام ناممکن ہے۔ امانات کے لفظ میں عدل و انصاف بھی آجاتا ہے مگر عدل و انصاف کی اہمیت و افادیت کے اظہار و بیان کے لیے آیت کے دوسرے جملہ میں واضح طور پر حکم دیا گیا کہ فیصلہ کرنے میں عدل و انصاف سے کام لو۔

الغرض اس مختصر آیت میں انسان کی فلاح و بہبود کے تمام احکام و مسائل اور ہدایات کو بیان فرما دیا گیا ہے اور دستور مملکت کے چند بنیادی اصول بھی جو یہ ہیں۔

اَوَّلُ اَمْرِ اِنَّ اللّٰهَ يَاسُورٌ فَرَاكَرُ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ حکم حقیقی تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اصل حکم تو اللہ کا ہے اور اس کی عطا سے اس کے مقدس رسول کا۔

دوم۔ حکومت کے عہدے اللہ کی امانت ہیں جو صرف اہل اور لائق لوگوں کو دیئے جائیں۔

سوم۔ ارباب اقتدار کی حکمرانی تو اللہ کے احکام کی امین کی حیثیت سے ہے۔ اقتدار اعلیٰ تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس لیے نظام حکومت چلانے میں

انہیں اللہ و رسول کے احکام کی پابندی بہر حال و بہر صورت واجب ہے۔
چہارم یہ کہ فیصلہ مدل و انصاف کے ساتھ کیا جائے۔ رنگ و نسل، وطن، رشتہ
حتیٰ کہ مذہب و مسلک کا لحاظ و امتیاز ہرگز ہرگز نہ رکھا جائے۔
دستور مملکت کے ان اصولوں کی نشاندہی کے بعد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں
بہت ہی اچھی نصیحت کی ہے اور وہ سمیع و بصیر بھی ہے۔ سب کا ظاہر و باطن اس پر عیاں
ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول ہی ہر ملک اور ہر دور کے لیے قابلِ عمل ہیں
اور غیر تبدیل ہیں اور انسان کے بنائے ہوئے ضابطے قاعدوں کو ثبات نہیں ہے۔ حالات
کے تغیر کے بعد ان میں تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اس لیے ابدی منشور ہدایت صرف اللہ
تعالیٰ اور اس کے معصوم رسول کے ارشاد فرمودہ احکام ہی ہیں۔

آخرت پر ایمان و یقین

دنیا کے مقابل آخرت کا ذکر آتا ہے کیونکہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار القرار،
دنیا میں انسان جو اچھے یا بُرے کام کرتا ہے آخرت میں اعمال کے حسن و قبح کے مطابق
سزا یا جزا دی جاتی ہے۔ اگر کسی مسلمان نے اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و احکامات کے مطابق گزارا ہے۔ تو آخرت میں اس کا
ثواب عطا ہوگا۔ اور اگر بدقسمتی سے اس نے احکامِ شریعہ کی خلاف ورزی کی
ہے اور اللہ و رسول کے احکام و ہدایت سے روگردانی کی ہے تو آخرت میں اس کے بُرے
اعمال کی سزا دی جائے گی۔ اسی لیے قرآن مجید نے عقیدہ آخرت پر ایمان لانے کا حکم
دیا ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے :-

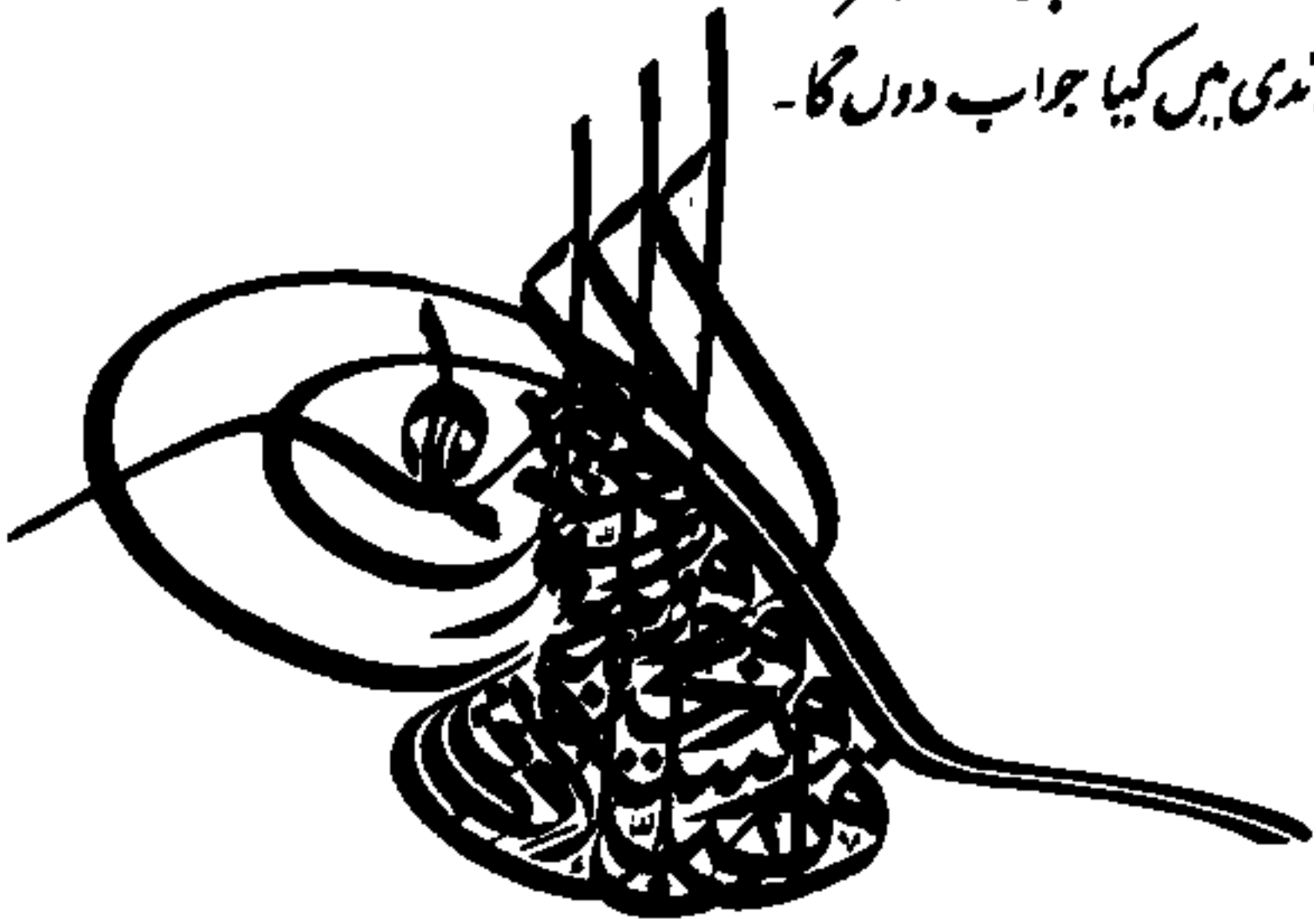
و بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ
اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں

ایمان کسی چیز کی دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔ اس کا مقابل تکذیب ہے اور ایقان ایسے یقین کو کہتے ہیں جیسے کوئی چیز آنکھوں کے سامنے ہو اور اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہ ہو اور اس کا مقابل شک و تردد ہے کسی چیز کی دل سے تصدیق کے بعد اور ایمان کے تمام اجزاء پر ایمان لانے کے بعد بھی آدمی ایمان کے تقاضوں کے خلاف کام کر سکتا ہے۔ بلکہ کرتا ہے۔ اللہ پر رسول پر اور دیگر ایمانی امور پر ہر مسلمان کا ایمان ہے مگر اس کے باوجود گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ مگر اجزائے ایمان میں سے آخرت پر ایمان کی سچی دولت حاصل کر لینے والے کے لیے گناہوں میں مبتلا ہونا ممکن نہیں کیونکہ آخرت پر ایقان رکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے بحضور رب العلمین پیشی، حساب و کتاب جزا و سزا کا نقشہ اور منظر ہر لمحہ اور ہر آن رہتا ہے۔ اسی لیے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی شریعتوں میں آخرت کا عقیدہ، توحید و رسالت کے عقیدہ کی طرح مشترک اور متفق علیہ چلا آ رہا ہے اور ایمان بالآخرۃ پر ایقان ہی معاشرہ میں اعتدال و توازن اور دنیا میں عدل و انصاف اور انسانی حقوق کے تحفظ کا ضامن ہے۔

آج انسدادِ جرائم اور اصلاحِ اخلاق کے لیے حکومت کے تعزیری قوانین کیوں ناکافی ہیں۔ پھر عادی مجرم تو ان سزاؤں کے عادی ہو ہی جاتے ہیں۔ اگر کسی میں کوئی اخلاقی قدر باقی ہے اور وہ جرم سے گریز کی راہ اختیار بھی کر لیتا ہے تو اسی حد تک کہ قانون کے ہاتھوں کا اس تک رسائی کا خطرہ نہ ہو۔ مگر بایں ہمہ خلوتوں میں کونسی ایسی طاقت یا قانون ہے جو اسے خواہشِ نفس کی پیروی سے روک سکے؟ تو وہ طاقت صرف اور صرف عقیدہ آخرت پر ایقان اور اللہ کے خوف کا حضور ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس کی وجہ سے انسان نہ صرف یہ کہ جلوت میں ہر قسم کی بے اعتدالیوں سے مجتنب رہتا ہے بلکہ خلوت میں بھی وہ ظلم و عدوان کے قریب بھی نہیں جاتا۔ ان تعرض انسان کی ظاہری و باطنی حالت جلوت و خلوت میں یکسانی اگر پیدا ہو سکتی ہے تو صرف عقیدہ آخرت پر ایقان ہی سے

ہو سکتی ہے اور یہ بات صرف فکر و نظر کی حیثیت نہیں رکھتی اور بلکہ ایک عملی حقیقت ہے۔
یہ عقیدہ آخرۃ پر ایمان ہی تھا۔ جس کی وجہ سے اسلام کے ابتدائی دور میں ایسا
پاکباز اور عدل و انصاف پر مشتمل معاشرہ پیدا ہوا تھا کہ اس دور کے مسلمانوں کی سیرت
و کردار کو دیکھ کر لوگ صمیم قلب کے ساتھ اسلام قبول کر لیتے تھے۔ آج بھی اگر قوم مسلم عقیدہ
آخرۃ پر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائے تو پھر
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

دیانت کا معیار | حکایاتِ صالحین میں لکھا ہے۔ ایک بزرگ کھس جو حسین
اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ناگاہ ان کا ایک دینار کہیں
گم ہو گیا۔ دوستوں نے دینار کے متعلق پوچھا تو کھس نے کہا ابھی ابھی میرے پاس تھا۔ مگر کہیں
گم ہو گیا۔ ان کے دوستوں نے تلاش شروع کی، دینار مل گیا اور کھس نے کہا یہ دینار تمہارا
ہی ہے اس کو لے لو۔ کھس بن حسین نے جواب دیا اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ دینار وہی ہے
جو میرا تھا۔ ساتھیوں نے کہا۔ قسم بخدا ہمارے پاس دینار نہ تھا۔ یہ تمہارا ہی گمشدہ دینار ہے
تم ہی اس کے حقدار ہو۔ کھس نے جواب دیا۔ ٹھیک ہے۔ مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی اور کا
دینار گم ہو گیا ہو اور یہ وہی ہو۔ بہر حال یہ شک والی بات ہے۔ اگر میں نے اس کو لے لیا تو
بارگاہِ خداوندی میں کیا جواب دوں گا۔



اسلامی معاشرہ

اسلام دین محبت و اخوت ہے اور اسلامی معاشرہ کے ہر فرد کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ ایک درس گھر کے ڈکھ درد کا خیال رکھیں، غریبوں، مسکینوں، آفت زدوں، بیماروں اور معذوروں کی امداد و اعانت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ دہر میں مسلمانوں کے اخلاص، باہمی ہمدردی اور ان کے جذبہ ترحم کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا
إِنَّمَا فَطِئِمْكُمْ لِيُوقِيَ اللَّهُ لَا تُشْرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا
وہ محتاج یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تم کو صرف خدا کے لیے کھلاتے ہیں۔ تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔

یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی حاجت مند یا معذور کی امداد و اعانت کرے تو اس پر احسان نہ جتائے، بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے کسی محتاج کی حاجت پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائی کیونکہ احسان دھرنے سے اس نیکی کا ثواب برباد ہو جاتا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل و کردار سے غریبوں کی چارہ گری، معذوروں کی دستگیری اور یتیموں کی خبر گیری کی تلقین فرمائی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمُسْكِينِ كَالْمَجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَآخِصْبُهُ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفُتِّرُ وَكَالْمُصَابِّ لَا يَفْطِرُ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کسی بیچاری بے ثور ہر وال عورت یا کسی مسکین حاجتمند کے لیے دوڑ دھوپ کر کے دالابندہ اللہ کے نزدیک۔ اجر و ثواب میں، راہ خدا میں جہاد کرنے والے بندے کی مثل اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ اس قائم اللیل (یعنی شب بیدار) بندے کی طرح ہے جو (عبادت اور شب خیزی میں) ہستی نہ کرتا ہو اور اس صائم الدہر بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ہر شخص جانتا ہے کہ کلمہ حق کی ہر بندی کے لیے راہ خدا میں جہاد کرنا اور راتیں عبادت الہی میں گزارنا اور دن کو روزہ رکھنا قابلِ رشک نیکی اور تقویٰ کا بلند و بالا درجہ ہے۔ لیکن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے:-

”اللہ کے نزدیک یہی درجہ اور مقام ان لوگوں کا بھی ہے جو کسی حاجتمند مسکین یا کسی ایسی لاوارث عورت کی خدمت و اعانت کے لیے جس کے سر پر شوہر کا سہ نہ ہو، دوڑ دھوپ کرتے ہیں اور خلوص قلب کے ساتھ یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔“
عَنْ ابْنِ جُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ هَكَانَ فِي
حَاجَةٍ آخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً
فَرَّجَ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبَاتٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا
سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لیے اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دے اور جو کوئی

اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت ردائی کریگا اور جو کون مسلمان کی تکلیف اور مصیبت کو دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پڑھواری کرے۔ (بخاری و مسلم)

۳۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَفَسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَمَنْ لَيْسَ عَلَى مُقْسِرٍ لَيْسَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ مُؤْتٍ عَوْنُ أَخِيهِ (رواه ابوداؤد والترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کسی مسلمان کی کوئی دنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عوض قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اس کو نجات دے گا اور کسی تنگ دست مقرر من کو سہولت دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سہولت دے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جو کوئی بندہ جب تک اپنے بھائی کی ابداد و اعانت کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہے گا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۴۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا مُسْلِمُ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرْيٍ كَسَاهُ اللَّهُ مِنْ خَضِرِ الْجَنَّةِ وَأَيُّهَا مُسْلِمُ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللَّهُ مِنْ شِمَارِ الْجَنَّةِ وَأَيُّهَا مُسْلِمُ سَقَا مُسْلِمًا عَلَى ظَمَأٍ سَقَاهُ اللَّهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ (رواه ابوداؤد والترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے سبز جوڑے عطا فرمائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نہایت نفیس جنت کی شرابِ طہور پلائے گا۔ جس پر غیبی مہر لگی ہوگی۔
(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۵۔ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَاعْوِذُوا الْمَرِيضَ وَفَكُّوا الْعَانِي

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر اور اسیروں، قیدیوں کو رہائی دلائے کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

۶۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَنْتَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَكَ اَوْلِيَايِمٌ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا
وَامْثَارٌ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى وَفَرَجٌ بَيْنَهُمَا شَيْئًا (رواه البخاری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور اپنے یا پرانے یتیم کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے اور آپ نے اپنی آنکھیں شہادت اور بیچ والی آنکھ سے اشارہ کر کے بتایا اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔ (صحیح البخاری)

ان تمام حدیثوں سے واضح ہے کہ عزیزوں، یتیموں، بیواؤں، معذوروں

اور حاجتمندوں کی ضروریات کو پورے کرنا کا اہتمام اور خلوص و ولہیت کے ساتھ اس نیک کام کو انجام دینا شریعت اسلامیہ کو محبوب و مطلوب ہے۔ اللہ ہم سب کو کتاب و سنت کی ان ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔



خلافِ شرع کام میں کسی کی اطاعت جائز نہیں

عَنْ الشَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (رواه في شرح السنه)
حضرت نورس بن سمعانؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ (شرح السنہ)

بُغْضُ وَخَدْسِ بچو یہ نیکیوں کی بربادی کا سبب بنتا ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا
تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (رواه ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدسے بچو، پس تحقیق خد نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ (ابوداؤد)



Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

عدل و انصاف کی اہمیت

صفاتِ باری میں عدل بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم و جلیل صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ہر فیصلہ حق ہوتا ہے۔ وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے۔ عدل کی دو قسمیں ہیں۔ عدلِ عملی اور عدلِ قولی۔ سورۃ مومن کی آیت **وَاللّٰهُ يَفْضِلُ بِالْحَقِّ**، اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے یہ اللہ کے عدلِ عملی کی طرف اشارہ ہے اور سورۃ احزاب کی آیت **وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ**۔ اللہ حق بات کہتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے عدلِ قولی کا بیان ہے۔ دنیا کا سارا نظام اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف پر قائم ہے۔ وہ ساری دنیا پر اپنی بادشاہت عدل و انصاف کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہے اور یہ ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

عالمِ امکان میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل کے منظرِ کامل حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ ستودہ صفت ہے۔ حضور نے ہمیشہ ہر معاملہ میں عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھا۔ حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا وہ معیار قائم کیا جو چشمِ فلک نے اس سے قبل نہ دیکھا نہ سنا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں امن و امان کے قیام اور فتنہ و فساد کے انسداد کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک قانون جسے عدل بھی کہتے ہیں۔ دوم اخلاق جسے احسان بھی کہا جاتا ہے۔ قانون کے ذریعے برائیوں کو روکا تو جاسکتا ہے۔ مگر قلوبِ ناس میں اس برائی کی طرف سے کراہت کا کوئی روحانی کیف نہیں پیدا کیا جاسکتا اور صرف اخلاق پر عمل کرنے کو لانے عدل و انصاف کے تقاضے کا حقہ، پورے نہیں ہو سکتے۔ قانون کی بنیاد

درحقیقت عدل پر ہے جس کے معنی برابر کے ہیں۔ یعنی میزانِ عدل کے دونوں پڑے مساوی ہوں۔ حقوق و معاملات میں امانت و دیانت کی پاسداری ہو۔ سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے۔ وہی بات کہی اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اُترے، جو شخص کسی پر زیادتی کرے اس کے ساتھ زیادتی کرے اس کے ساتھ اتنی ہی زیادتی کرنا عدل ہے اور زیادتی سے درگزر کرنا اور معاف کر دینا اخلاق ہے۔ دنیا میں جس قدر نظام قائم و رائج ہوئے یا اب قائم ہیں وہ سب کے سب عدل و انصاف اور برائیوں کے انسداد میں ناکام رہے ہیں اور کام نہیں گئے۔ اس کی بنیادی وجہ ہے کہ کسی نظام میں صرف اخلاق کو اور کسی میں صرف قانون کو اہمیت دی گئی ہے۔ یورپ میں قانون کی عملداری ہے۔ جو مسلمان وہاں کی قانونی زندگی کا مشاہدہ کر کے پاکستان آتے ہیں تو یہاں کی لا قانونی دیکھ کر گالیاں بکتے ہیں اور یورپ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہاں قانون کی عملداری کے باوجود برائیوں اور بدیوں کو دل سے معیوب نہیں سمجھا اور قانون کی پابندی سے انہیں دل کا سکون اور رُوح کا قرار نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ معاشرہ کی اصلاح صرف قانون سے کرنا چاہتے ہیں جو نہیں ہو سکتی۔

لیکن حضور سید عالم نور مجتہم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ نظامِ حیات اس غامی اور اس افراط و تفریط سے پاک ہے۔ آپ نے سب سے پہلے دنیا کو یہ بتا دیا کہ نہ تو تنہا قانون کے ذریعے عدل و انصاف اور امن و امان کا معاشرہ قائم کیا جاسکتا ہے اور نہ تنہا اخلاق سے معاشرہ کو بدیوں اور برائیوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ آپ نے ایسی کامل و مکمل شریعت سے روشناس کرایا جو عدل و احسان اور قانون و اخلاق دونوں کا جامع ہے۔ آپ نے قانون کو حکومت کے ہاتھ میں اس حکم کے ساتھ دیا کہ اس کے اجراء میں بڑے چھوٹے۔ امیر و غریب، اپنے پرائے میں کوئی فرق نہ کیا جائے تاکہ مملکت کا نظام قائم رہے اور اخلاق کو افراد کے سپرد کر دیا تاکہ افراد کی روحانی پاکی اور اخلاقی بلندی برابر ترقی کرتی رہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ شریعت محمدیہ

علیٰ صاحبہا نے ان برائیوں اور بدیوں کو جن کا اثر براہ راست دوسروں تک پہنچتا ہے قانون کے تحت رکھ کر اس کے نفاذ کی ذمہ داری حکومت و جماعت کو اس لیے دیدی تاکہ ملک میں امن و امان قائم رہے اور افراد کے بڑے چھٹے کو برائیوں سے باز رہنے اور باہمی حقوق کی حفاظت کرنے پر مجبور کیا جاسکے اور جو باتیں انسان کی ذاتی تکمیل نفس سے متعلق تھیں۔ ان کو اخلاق کے دائرہ میں رکھ کر رضا کارانہ طور پر افراد کے سپرد فرمایا تاکہ معاشرہ میں امن و امان اور عدل و انصاف کا قیام اور عوام و خواص کے حقوق و معاملات کی نگہداشت اس شان سے ہو کہ افراد کے قلوب میں برائی سے نفرت اور نیکی کی طرف رغبت پیدا ہو جو انسانیت کا جوہر ہے۔ سورۃ نحل میں ارشاد باری ہے۔
إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

وحی محمدی علیٰ صاحبہا التحیہ کی اس ہدایت میں عدل و انصاف کو ایک مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ دنیا کے مذاہب میں عدل کا مفہوم محدود ہے۔ مگر شریعت محمدیہ میں زندگی کے ہر شعبہ میں عدل و انصاف سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی اسلام کے آفاقی اور عالمگیر دین ہونے کی دلیل ہے۔ اس آیت مبارکہ میں عدل کے بعد احسان کی ہدایت اس لیے ہے کہ عدل قانون کا اقتضا ہے اور احسان (عضو و درگزر) اخلاق کا مطالبہ ہے۔ قانون کا مطالبہ پورا کرنے سے نظم عالم قائم ہوتا ہے۔ احسان کے اختیار کرنے سے اشخاص کی روحانی تکمیل ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات خصوصی طور پر قابل ذکر بھی ہے اور غور و فکر کی مستحق بھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی بالتقصیر ہو جائے تو وہ غفور الرحیم ہے اگر چاہے تو اپنے حق کو خود معاف فرما دے۔ لیکن اگر ایک بندہ کسی بندے کی حق تلفی کرتا ہے یا ظلم و زیادتی کرتا ہے تو اس کی معافی اور اس سے نجات بکدوشی کے معاملہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ یا تو اس دنیا میں اس بندہ کا حق ادا کیا جائے یا اس سے معافی مانگ لی جائے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی بات

اس دنیا میں نہ ہو سکی تو آخرت میں لازماً اس کا غمیا زہ بُھگتنا ہوگا۔

حقوق العباد کی اہمیت | اور اس معاملہ میں کوتاہی کی سنگینیت کا اندازہ
حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس
ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جس کسی نے اپنے کسی بھائی کے ساتھ ظلم
زیادتی کی ہو، اس کی آبروریزی کی ہو یا کسی اور معاملہ میں اس کی حق تلفی کی ہو۔ تو
اس کو چاہیے کہ آج ہی اور اسی زندگی میں اس سے معاملہ صاف کرے۔ آخرت کے
اس دن آنے سے پہلے جب اس کے پاس ادا کرنے کے لیے دینار و درہم کچھ بھی نہ
ہوگا اور اگر اس کے پاس اعمالِ صالح ہوں گے تو اس ظلم کے بقدر مظلوم کو دلائے
جائیں گے اور اگر وہ نیکیوں سے بھی خالی ہوگا تو مظلوم کے کچھ اور گناہ اس پر لا دیئے
جائیں گے (بخاری)

بیہقی کی حدیث میں آپ کا ارشاد ہے۔ گناہوں کی ایک فہرست وہ ہے جس
کو اللہ تعالیٰ انصاف کے بغیر نہ چھوڑے گا۔ وہ بندوں کے باہمی مظالم اور حق تلفیاں اور
زیادتیاں ہیں۔ ان کا بدلہ ضرور دلایا جائے گا۔ الغرض حضور سرور کائنات فخر موجودات
محمد مصطفیٰ علیہ السلام کی شریعت طیبہ میں عدل و انصاف کا دامن تھامے رہنے کا حکم
دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ہر حال میں اور ہر موقع پر عدل و انصاف
سے کام لیں۔ البتہ حاکم وقت اور امام کے لیے عادل ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ اس
لیے کہ اس کی گردن پر ملک کی ساری آبادی کے حقوق کا عدل و انصاف کے ساتھ نفاذ
کرنے کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ اس لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے۔ قیامت کے دن جب کہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔ سات شخصوں
کو خدا اپنے خاص سایہ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا جن میں ایک امام عادل بھی ہونے لگا۔ (بخاری)
نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم اور نا انصافی سے منع فرمایا ہے۔ ایک
حدیث میں تم اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک صاحب نے
عرض کی۔ یا رسول اللہ مظلوم کی مدد تو کی جاسکتی ہے مگر ظالم کی مدد کی کیا صورت

ہمکی، فرمایا:-

ظالم کو (حتی المقدور) ظلم کرنے سے
روک دینا ظالم کی مدد کرنا ہی ہے۔

قَالَ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ
فَإِنَّكَ تَصُرُّكَ إِيَّاهُ

(مشکوٰۃ کتاب الادب)

ظلم و زیادتی کی جس قدر بھی صورتیں ہیں وہ سب کی سب عدل کے منافی ہیں۔
قرآن مجید میں اس اُمت کا ایک ممتاز فرض یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتی
ہے۔ اُمورِ خیر میں تعاون کرتی ہے اور برائی سے روکتی ہے اور اس سے تعاون
نہیں کرتی۔ ہر نیکی خواہ اس کی کوئی بھی شکل و صورت ہے وہ عدل ہے اور ہر برائی
خواہ اس کی کوئی بھی کیفیت ہو ظلم ہے۔ اسی بنا پر حضور نبی کریم رَؤف الرحیم
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

تم میں جو کوئی کسی کو برائی کرتے دیکھے تو
(اگر طاقت و قوت ہے) تو اسے بزور بازو
روک دے۔ اگر اس کی قوت نہیں
رکھتا ہے تو زبان سے ضرور منع کرے۔
اس کی قوت نہ ہو تو برائی کو دل سے
بُرا جانے۔

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا
فَلْيُعْزِزْهُ بِمَدِّهِ حَتَّى
لَا يَسْتَطِيعَ بِلِسَانِهِ
(مسلم)

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جو ہدایت دی ہے اگر
ہم عملی طور پر قبول کر لیں تو معاشرہ میں توازن پیدا ہو سکتا ہے اور ظلم و زیادتی کو ختم
کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ ضرورت تو عمل اور صرف عمل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ
ہم سب کو توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔

مومنین مخلصین کے اوصاف

قرآن مجید کی متعدد آیات میں مومنین مخلصین کے اوصاف اور ان کی سیرت و کردار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ توبہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

التَّائِبُونَ الْعَبَدُونَ الْحَامِدُونَ	توبہ کرنے والے (اللہ کی) عبادت
السَّائِمُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ	کرنے والے، حمد و ثنا کرنے والے
الَامِيقُونَ بِالْمَعْرُوفِ	روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے
وَالنَّامُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ	نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے
وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ	والے اور نگہبانی کرنے والے اللہ کی
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ	(مقررہ حدوں کی) اے میرے رسول

(آیت ۱۱۱، سورہ توبہ)

خوشخبری سنا دیجئے ان کامل مومنوں کو۔

مومنین مخلصین کی پہلی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ توبہ کرنے والے ہیں۔

یعنی اگر باقتضا و بشریت ان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ نادم ہوتے ہیں اور بارگاہ خداوندی میں غفور و درگزر کی التجائیں کرتے ہیں۔ کیونکہ گناہ کے ارتکاب پر فخر کرنا اور اس کو ہلکا سمجھنا شریعت اسلامیہ کو جھٹلانے کے مترادف ہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے نیازی اور اس کی رحمت سے مایوسی ایمان کے منافی ہے توبہ و استغفار کے وقت بندہ چونکہ اپنی کوتاہی اور گنہگاری کے احساس و ندامت کی وجہ سے اپنے خالق و مالک کے حضور اپنے کو مجرم اور گنہگار سمجھ کر معافی کا طالب ہوتا ہے اس لیے بندگی کے احساس کی جو کیفیت توبہ کے وقت ہوتی ہے وہ کسی اور دعا کے وقت نہیں ہوتی۔ اس لیے توبہ و استغفار اعلیٰ درجہ کی عبادت قرار پاتی ہے اور توبہ کرنے والے بندوں کے لیے صرف معافی اور بخشش ہی کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کی بشارت سنائی گئی

ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر آدمی خطا کار ہے اور ان میں وہ بہت اچھے ہیں۔ جو خطا و قصور کئے بعد مخلصانہ توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں۔ (ترمذی) نیز ابن ماجہ کی حدیث میں فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا بندہ اس کی طرح ہے۔ جس نے گناہ کیا، ہی نہ ہو یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ توبہ صرف عاصیوں اور گناہ گاروں ہی کا کام نہیں ہے بلکہ بندہ کی عبدیت کا تقاضا یہ ہی ہے کہ وہ بحضور رب العالمین بہر حال توبہ و استغفار کرتا رہے۔ انبیاء کرام اور خصوصاً حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جو طیبے طاہر اور معصوم رسول ہیں۔ آپ سے قبل اظہارِ نبوت اور بعد از اظہارِ نبوت گناہ کا صدور ہی ناممکن ہے۔ مگر بایں ہمہ حضور فرماتے ہیں کہ اے لوگوں توبہ کیا کرو میں خود بھی دن میں سو مرتبہ اللہ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ (ترمذی) ، الْعِبَادُونَ ؛ یعنی اللہ تعالیٰ کے غلص بندے اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرتے ہیں اور عبادت الہی کو اپنے اور پر لازم و واجب جانتے ہیں کیونکہ پیدائش انسانی کا غرض و غایت عبادت الہی ہی ہے۔

عبادت میں نماز کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ نماز عبادت کا گوہر شاداب ہے۔ تمام عبادتوں کا مجموعہ اور تمام سعادتوں کا سرچشمہ ہے انسانی فلاح و فوز کا ذریعہ بھی نماز ہی ہے۔

سورہ مومن میں فرمایا۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ
حَافِظُونَ

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ
حَافِظُونَ

ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت
ہی لیے پیدا کیا ہے۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ
إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (ذاریت ۳)

قرآن مجید میں تقریباً سو سے زیادہ مرتبہ نماز کا حکم اس کی نگہداشت اور بجا آوری کی تاکید آئی ہے اور نماز کی ادائیگی میں سستی کاہلی اور اس کے بلا عذر شرعی ترک کو کفر و نفاق کی علامت بتایا ہے۔ ایمان کے بعد بارگاہِ الہی سے جو حکم سب سے پہلے ملا۔ وہ نماز ہی ہے اور قیامت کے دن سب سے پہلے جس عمل صالح کی پریش ہوگی۔ وہ بھی نماز ہی ہے۔

، الْحَمْدُ لِلَّهِ : مومنین مخلصین ایک صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ خوشی ہو یا غمی ہر حال اور ہر ماحول میں اپنے مالک حقیقی کا شکر بجالاتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا کردہ نعمتوں کے ذکر کرنے اور ان پر شکر بجالانے کا حکم دیا ہے اور یہ تصریح فرمائی ہے شکرِ نعمت مزید نعمتوں کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بنتا ہے وَلَنْ شُكْرُكُمْ لَازِدٌ لَّكُمْ اِذَا شُكِرْتُمْ بِنِعْمَةِ رَبِّكُمْ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُشْكُرُونَ لَازِدُكُمْ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ لَازِدُكُمْ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ لَازِدُكُمْ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ لَازِدُكُمْ

سُن کہ اللہ کی یاد ہی میں دلوں کو سکون ہے۔

اَلَّذِي كَفَّرَ اللَّهُ تَطْمِئِنُّ
الْقُلُوبُ (رمد - ۱۳)

بے شک مراد کو پہنچا جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی (اعلیٰ - ۱)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى وَ
ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى

اس آیت میں فلاح کا لفظ عام اور مطلق ہے۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ اس بنا پر مطلب آیت یہ ہے کہ ذکرِ الہی اور عبادت خداوندی دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کی راہیں کھول دیتی ہے عبادت و ریاضت اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل سے دل کو حقیقی سکون میسر آتا ہے اور ذکرِ الہی اور عبادت سے پہلو تپتی پریشانیاں لاتی ہے اور اگر یادِ الہی سے غافل انسانوں

کو دنیا کی آسائش حاصل بھی ہو جائیں تو ان کے دل سکون سے محروم رہتے ہیں ظاہر ہے کہ سکونِ قلب سے محرومی تمام مصائب و آلام کی جڑ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے

مَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا
جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کیلئے معیشت کی تشنگی ہے۔

الامْرُؤُفَ بِالْمَعْرُوفِ مومنین غلصین کی ساتویں اہم خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اچھی بات کا حکم دیتے ہیں اور بری بات سے روکتے ہیں سورہ آل عمران میں مسلمانوں کو خیر امت قرار دیتے ہوئے ان کا ممتاز وصف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ معروفِ نیکی کی تبلیغ کرتے ہیں اور منکرِ برائی سے روکتے ہیں بلاشبہ ہر مسلمان کا یہ دینی، ملی، اخلاقی و مذہبی فریضہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے ساتھ اپنے زیر اثر عزیزوں، رشتہ داروں اور ماتحتوں کی اصلاح و نگرانی کے فرض میں کوتاہی نہ کرے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی توضیح میں فرمایا: تم میں ہر شخص اپنے ماتحتوں کا نگران ہے اور قیامت کے دن اس کے متعلق پوچھا جائیگا۔ اس فرض کی اہمیت یوں بھی واضح ہے کہ عبادت و ریاضت میں مشغول اور حکمِ الہی کی تعمیل میں مصروف شخص صرف اپنی ذات کے لیے فلاح و نجات کا سامان ہتیا کرتا ہے اور احکامِ الہیہ سے لوگوں کو روشناس کرنے والا مبلغِ معارف میں پھیلی ہوئی تاریکیوں کو چھانٹتا ہے اس کے چراغِ علم سے بہتوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے کہ دین کی جو بات اسے صحیح طریقہ سے یاد ہو اسے دوسروں تک پہنچائے۔ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

نیکی کی طرف بلانے والے اس کی تحریک و تبلیغ کرنے والے اور نیکی کے لیے ذریعہ و وسیلہ بننے والے کو بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی ثواب عطا فرماتا ہے جیسا کہ نیکی کرنے والے کو

منافقین — اور مؤمن مخلص کا کردار

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا كَلِمًا أَضَاعَتْ مَا حَوْلَهُ
ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَا يَبْصُرُونَ
ان کی کماوت اس طرح ہے جس نے آگ روشن کی تو جب اس سے آس پاس سب
جگمگا اٹھا۔ اللہ ان کا نور لے گیا اور انہیں اندھیریوں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں سوچتا۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷ و ۱۸ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا الخ۔ میں منافقوں
کے کردار کی مثال دی گئی ہے یعنی انکی مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ روشن کی تو جب اس
سے آس پاس سب روشن ہو گیا تو اللہ ان کا نور لے گیا اور انہیں اندھیریوں میں چھوڑ
دیا کہ کچھ نہیں سوچتا۔ یہ بہرے گونگے، اندھے ہیں تو پھر واپس اسلام کی طرف آنے
والے نہیں۔ یعنی جنہوں نے اظہار ایمان کیا اور دل میں کفر رکھ کر اقرار کی روشنی
کو ضائع کر دیا اور وہ جو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گئے اور وہ جنہیں فطرتِ سلیمہ سے
نوازا گیا اور دلائل کی روشنی نے ان پر حق واضح کر دیا۔ مگر انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا اور
گمراہی اختیار کی تو جب حق سننے ماننے اور راہِ حق دیکھنے سے محروم ہوئے تو کان، آنکھ،
زبان سب بیکار قرار پاتے ہیں۔ منافقین کا دوسرا گروہ تھا جو اسلام کو قبول کرتے
ایمان لاتے مگر مصائب و مشکلات سے گھبرا کر اسلام سے دست بردار ہو جاتے۔ منافقوں
کے اس گروہ کی حالت ایک مثال دے کر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹ میں بیان فرمائی گئی
ہے۔ ارشاد باری ہے۔

یا جیسے آسمان سے اترتا پانی کہ اس میں
اندھیریاں ہیں اور گرج اور چمک ہے۔

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ
ظُلُمٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اَصَابَهُمْ فِي اِذَا نَزَلَ مِنْ
الصَّوَاعِقِ حَذَرُ الْمَوْتِ وَاللَّهُ
مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ۔
اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس رہے
ہیں۔ کڑک کے سبب موت کے خوف سے
اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

(سورہ بقرہ آیت ۱۹)

اس آیت میں بارش، اندھیرے، بادل کی کڑک، بجلی کی روشنی اور ایسے
ماحول میں سفر کرنے والے شخص کا ذکر ہے۔ یہ سب مشبہ بہا ہیں اور جب تک ان کے
مشبہات کا تعین نہ ہو جائے۔ اس مثال کا حسن و جمال نکھر کر سامنے نہیں آ سکتا۔
بارش کے اسلام ہے۔ اندھیروں اور بادل کی کڑک سے مصائب و مشکلات مراد ہیں۔
جنہوں نے چاروں طرف سے اسلام کو گھیر لیا تھا اور بجلی کی چمک سے وہ فتوحات مراد
ہیں جو ان ناسازگار حالات میں اسلام کو حاصل ہوتی رہیں۔ تو جیسے بارش مڑہ زمینوں
کو نئی زندگی دیتی ہے۔ اسی طرح اسلام مڑہ دلوں کو نورِ ایمان سے منور کر کے حیات کو
عطا فرما دیتا ہے۔ جیسے بارش برستے وقت گھنگھڑ گھٹائیں آتی ہیں۔ تاریکی پھیل
جاتی ہے اور بادل کی خوفناک گرج سے دل دھنسنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اسلام کی بارش
برستے وقت کھلی عداوتوں اور پوشیدہ سازشوں کا جال بچھ گیا۔ فضا مکتدہ ہو گئی۔ مصیبتوں
کے بادل گر جننے لگے۔ جو بچے دل سے ایمان لاپکے تھے۔ انہیں نہ اندھیروں سے
وحشت ہوتی۔ نہ بادل کی کڑک گرج سے وہ حراساں ہوتے۔ مصائب و آلام کے هجوم
میں بھی وہ مضبوط چٹان کی طرح اسلام و ایمان پر قائم رہے۔ لیکن جو لوگ مذہب
تھے۔ ان کی حالت ڈانواں ڈول تھی۔ وہ اسلام کی حیات بخش بارش کے چھینٹوں سے
سیراب بھی ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مصائب کی تاریک گھٹائیں دیکھ کر اور مشکلات کی
گھن گرج سن کر ان کے دل ڈوب ڈوب جاتے اور اسلام کا دامن چھوڑ دیتے۔ پھر اگر
اسلام کو کوئی کامیابی ہوتی تو وہ اسلام کی طرف رٹ آنے کی تیاری کرتے۔ اگر مصائب کا
کوئی تند تیز جھونکا آتا تو وہ بد دل ہو کر رہ جاتے۔ منافقین کی حالت کو مذکورہ بالا
مثالوں سے بیان کر کے قومِ مسلم کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ صحیح معنوں میں مسلم و مومن وہی ہیں

جہول کی گہرائیوں سے اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ ان کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ مصائب کے طوفان اور مشکلات کے سیلاب انہیں جادۂ حق سے متزلزل نہیں کرتے۔ وہ صدق پر خلوص کے ساتھ قائم و دائم رہتے ہیں اور بڑی سے بڑی ترغیب، لالچ اور مشکل بھی انہیں راہ حق سے نہیں ہٹا سکتی۔

جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کی ترغیب دی جائے

عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِأَوْلَادِكُمْ
بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوا هُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ
أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرَّقُوا بَيْنَهُمْ فِي مَضَاجِعَ (رواہ ابو داؤد)
حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔ جب وہ سات برس کے ہو جائیں اور
انہیں (نماز نہ پڑھنے) پر سخت سرزنش کرو جب وہ دس برس کے ہو جائیں
اور ان کے بستروں کو علیحدہ علیحدہ کر دو۔ (ابو داؤد)

○
حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لیے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے
بالوں پر اس کا ہاتھ پھیرا تو ہر ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ثابت ہوں گی
اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا یتیم بچے کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو
میں اور وہ آدمی جنت میں ان دوا نگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے اور آپ
نے اپنی دوا نگلیوں کو ملا کر بتایا اور دکھایا کہ ان دوا نگلیوں کی طرح پاس پاس ہونگے

(مسند احمد، جامع ترمذی)



Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

ایمان و کفر سے متعلق چند ضروری باتیں

ائمہ اسلام نے ایمان کی تعریف یوں فرمائی۔

هُوَ التَّصَدِيقُ بِمَا جَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ تَعَالَى أَيْ تَصَدِيقُ الْمَشِيقِ بِالْقَلْبِ فِي حَيْثُ مَا عَلِمَ بِالضَّرُورَةِ فَحَيْثُ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِجْمَاعًا.

ایمان ان امور کی تصدیق کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے آئے۔ یعنی وحالی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرنا ہر اس چیز میں جو آپ اللہ کی طرف سے لائے جس کا ثبوت آپ سے قطعی طور پر ہو۔

ثبوت قطعی ضروری وبالضرورة
ضروریات دین کی تعریف

۱۔ ثبوت قطعی: یعنی وہ امور جو حضور علیہ السلام سے ہم تک بطریق تواتر پہنچے اس کا ثبوت قطعی ہے جیسے تعداد رکعات، زکوٰۃ کی مقدار، قرآن حکیم وغیرہ۔ تواتر کے معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام سے لے کر ہم تک ہر قرن اور ہر زمانہ میں دنیا کے مختلف خطوں میں اس بات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں رہے ہوں کہ ان سب کا غلط یا کذب متفق ہو جانا عقلاً محال ہے۔

۲۔ ضروری وبالضرورة: عرف فقہاء متکلمین میں ضروری وبالضرورة کا مطلب یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ ساتھ اس بات کی شہرت تمام خاص و عام مسلمانوں میں اس درجہ کی ہو جائے کہ عوام تک اس سے واقف ہوں جیسے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کا فرض ہونا۔ نبوت کا حضور علیہ السلام پر ختم ہونا وغیرہ۔

۳۔ ضروریات: جو امور حضور علیہ السلام سے بذریعہ تواتر اس درجہ شہرت و بڑا ہمت کے ساتھ ثابت ہوں کہ ہر خاص و عام اس سے باخبر ہوں کہ فقہاء و حکمین کی اصطلاح میں ضروریات دین سے موسوم کیا جاتا ہے۔

هُوَ مَا يَعْرِفُ الْخَوَاصُّ وَالْعَوَامُّ
أَنَّهُ مِنَ الدِّينِ لَوْ جُوبِإِلْعِثْقًا
التَّوْحِيدِ وَالرِّسَالَةِ وَالصَّلَاةِ
الْخَمْسِ وَأَخَوَاتِهَا يُكْفَرُ مِنْكَوَا
(رد المحتار ج ۳ / جلد ۱)

ضروریات دین وہ امور ہیں جن کو
دان کی شہرت کی وجہ سے خواص و
عوام سب ہی دین کی ضروری باتیں
سمجھتے ہیں۔ جیسے توحید رسالت پانچ
نمازیں اور اسی کے مثل اور باتیں جن کا
منکر کافر ہوتا ہے۔

ضروریات دین کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول تو وہ ہے جس کا دینی ضروری ہونا خواص کو معلوم ہوتا
ہے اور ان عوام کو بھی معلوم ہوتا ہے جو علماء سے ربط و ضبط رکھتے ہیں۔ تو قسم اول کا انکار خواہ عوام
کریں یا خواص بہر حال یہ کفر قطعی ہے اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس کا ضروری دینی ہونا بعض عوام پر
منحصر ہوتا ہے تو اگر عوام میں سے کوئی انکار کر دے تو اسے کافر قرار نہیں دیں گے۔ لیکن جبکہ علماء اس کو
بتادیں کہ یہ سب بھی ضروری و قطعی ہے اور اس پر بھی وہ اذماہ عناد انکار پٹا رہے تو اب اس
کی تکفیر کی جائے گی۔

ضروریات دین پر ایمان کے لئے ان کی پوری تفصیل کا معلوم ہونا ضروری نہیں۔ نفس ایمان
کے لئے اجمالی تصدیق بھی کافی ہے۔

کفر کی تعریف اور اس کی اقسام | کفر شریعت میں ایمان کی ضد ہے یعنی ایسے احکام
شرعیہ جو ہم کو قطعی اور یقینی طور پر حضور سید عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچے ہیں انہیں نہ ماننا کفر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ کفر ہے
تکذیب رسول کا نام ہے پھر تکذیب کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) صراحتاً حضور علیہ السلام کو اللہ کا رسول ہی تسلیم نہ کرنا جیسے حدود سکھو ویسا ہی تسلیم نہیں کرتے
(۲) رسول تسلیم کرنے کے باوجود آپ کے کسی قول کو صراحتاً غلط یا جھوٹ قرار دینا۔ یعنی آپ
کی بعض ہدایات کو ماننا اور بعض کی تکذیب کرنا۔

(۳) یہ کہ کسی قطعی الثبوت قول و فعل کو یہ کہہ کر رد کر دینا کہ یہ حضور علیہ السلام کا قول یا فعل نہیں ہے۔
(۴) یہ کہ قول و فعل رسول کو تسلیم کرتے ہوئے قرآن و حدیث میں ایسی تاویلات باطلہ کرنا جو ان

کے اجماعی مفہوم کو بدل دیں اور امت کے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی نیا مفہوم ان سے پیدا ہو۔ ایسی تاویل بھی تکذیبِ رسول (علیہ السلام) ہی کے حکم میں ہے۔

کفر اور اتداء کا معیار کیا ہے؟ واضح ہو کہ کفر اور اتداء اس صورت میں عائد ہوتا ہے جبکہ حکم قطعی سے انکار کر دے۔ مثلاً یہ کہے کہ نماز فرض نہیں ہے۔ جنت کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ یا کوئی شخص پانچ وقت کی نماز کا تو شدت سے پابند ہے مگر فرض واجب نہیں مانتا تو یہ بھی کفر ہے اور دوسرا شخص جو غفلت کی وجہ سے نماز تو نہیں پڑھتا مگر نماز کی فرضیت کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ مسلمان ہے اگر فاجر و فاسق اور سخت گنہگار ہے دوم یہ کہ ثبوت کے اعتبار سے احکامِ اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہیں۔ تمام اقسام کا حکم ایک نہیں ہے۔ تو کفر و اتداء صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت بھی ہوں۔

قطعی الثبوت کے معنی کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو جن کے روایت کرنے والے حضور علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر زمانہ ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ہے۔ اسی کو اصطلاح حدیث میں تواتر اور ایسی حدیث کو احادیث متواترہ کہتے ہیں۔

قطعی الدلالت کے معنی جو حکم قرآن مجید کی آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا ہو یا وہ بات حدیث متواترہ سے ثابت ہوئی ہے

وہ اپنے مفہوم مراد کو صاف صاف ظاہر کرتی ہو کہ اس میں کسی قسم کا الجھاؤ اور ابہام نہ ہو۔ پھر اس قسم کے احکام قطعیہ اگر عوم و خاص میں مشہور و معروف ہوں جیسے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کا فرض ہونا۔ جوار۔ شراب اور زنا کا گناہ ہونا۔ حضور علیہ السلام کا خاتم الانبیاء ہونا وغیرہ تو ایسے احکام قطعیہ کو ضروریاتِ دین سے موسوم کرتے ہیں اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں وہ صرف قطعیات کہلاتے ہیں۔

ضروریاتِ دین اور قطعیات کے حکم میں کیا فرق ہے | ضروریاتِ دین اور

قطعیات کے حکم میں فرق یہ ہے کہ ضرورتِ دین کا انکار باجماع امت مطلقاً کفر ہے۔ تاواقفیت و جہالت کو اس میں عندہ نہ قرار دیا جائے گا اور نہ کسی قسم کی تاویل سنی جائے گی۔

اور قطعیاتِ محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہیں پہنچے۔ تو حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی بوجہ ناواقفیت اور جہالت کے انکار کر بیٹھے تو ابھی اس کے کفر و ازنداد کا حکم نہ کیا جائے گا۔ بلکہ پہلے اس کو تبلیغ کی جائے گی کہ یہ حکم اسلام کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت احکام سے ہے۔ اس کا انکار کفر ہے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے تب حکم کفر دیا جائے گا۔ ثنای ج ۲ ص ۳۰۹

ضروریاتِ دین میں تاویل نہیں مانی جاتی | واضح ہو کہ تاویل وہاں معتبر ہے جہاں کوئی اشتباہ ہو اور قواعد عربیت قواعد

شریعت میں اس کی واقعی گنجائش ہو یعنی وہ تاویل کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو۔ اور جو حکم شرعی ایسی دلیل سے ثابت ہو جو کہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہو اس میں تاویل معتبر نہیں ہے۔ بلکہ ایسے امور میں تاویل کفر ہے۔ مثلاً کوئی عین نصف النہار کے وقت جبکہ ابرو غبار بھی نہ ہو اور دھوپ نکل رہی ہو یہ کہے اس وقت دن نہیں بلکہ رات ہے کیونکہ ممکن ہے آسمان پر کوئی بجلی کو اندر ہی ہو اور یہ روشنی اسی کی ہو جسے لوگ دھوپ سمجھ رہے ہیں تو کیا کوئی عاقل اس تاویل کو تاویل کہے گا؟ بلکہ یہ ہی کہا جائے گا کہ یہ

محسوس اور مشاہدہ کا انکار کر رہا ہے۔ لہذا ضروریاتِ دین میں ایسی تاویلیں معتبر نہیں ہوں گی۔ کیونکہ اگر اس طرح کی تاویلیں معتبران لی جائیں تو پھر تو سب کو مسلمان ہی کہنا پڑے گا کیونکہ منکرین توحید و رسالت و ہر یہ تک بھی کسی دلیل و تاویل کے سہارے ہی اسلام کی ضروری باتوں کا انکار کرتے ہیں۔

فتویٰ تکفیر میں احتیاط نہایت ضروری ہے | خوب یاد رکھیے کہ تکفیر میں کبھی غلبت نہیں کرنی چاہیے۔ اور اس سلسلہ

میں کامل غور و فکر سے کام لینا چاہیے۔ اور جب تک کسی کا کفر واقعی طور پر ثابت نہ ہو جائے تکفیر نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ معاملہ بڑا سخت ہے اور فتویٰ تکفیر سے پوری اہمیت اسلامی متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح جب کسی امر کا کفر ہونا واقعی ثابت ہو جائے تو ایسی صورت میں تکفیر نہ کرنا یا تاویلاً فاسدہ سے کام لینا یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ کسی کافر کو مسلمان کہہ دینا یا کسی کلمہ کفر کو اسلام قرار دے دینا محض ایک لفظی سخاوت نہیں ہے۔ بلکہ اہمیت اسلامیہ پر عظیم ظلم ہے کیونکہ اس کے نتائج و عواقب اہمیت کے لئے بڑے عظیم خطرات کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں اور کفر و اسلام ایک بے معنی سی حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اگر کسی کے کلام میں ۹۹ وجوہ کفر کے ہوں | چنانچہ حضرات فقہاء کرام نے اس معاملے میں اس درجہ احتیاط کا حکم دیا ہے کہ

اگر کسی شخص سے کوئی مشتبہ کلام سرزد ہو جائے جس میں سوا احتمال میں سے ۹۹ احتمالات مضمون کفر ہونے کے ہوں اور ایک احتمال عبارت میں اس کا بھی ہو کہ اس کے کوئی صحیح و جائز معنی بن سکیں تو مفتی پر لازم ہے کہ منافور سے احتمالات کو چھوڑ کر اسی ایک احتمال کی طرف مائل ہو اور تکفیر نہ کرے لیکن یاد رہے کہ یہ احتیاط اسی صورت میں ہے جبکہ واقعی اس عبارت کے ایک صحیح و جائز معنی بن سکیں۔ اور قائل بھی خود اپنے کسی قول و فعل سے اس کی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد وہی معنی ہیں جن سے کفر عائد ہوتا ہے۔ ورنہ اگر صحیح و جائز معنی نہ بن سکیں تو وہ کلمہ کفر قرار پائے گا اور اگر قائل خود ہی یہ تصریح کر دے۔ میری مراد یہی معنی کفری ہیں تو پھر اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (دشامی)

نفاق حقیقی کی تعریف | نفاق اصل حقیقی جس کو نفاق اعتقادی بھی کہتے ہیں۔ وہ قویٰ ہے کہ زبان سے تو اسلام کا اظہار ہو اور دل میں کفر کو چھپایا جائے۔

یعنی آدمی دل سے تو اسلام کو قبول نہ کرے۔ بلکہ دل سے اس کا منکر اور مخالفت ہو لیکن کسی وجہ سے اپنے کو مومن ظاہر کرتا ہو۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عبداللہ بن ابی وغیرہ مشہور منافقین کا حال تھا۔ کہ یہ لوگ بظاہر کلمہ پڑھتے تھے اور ناز و روزہ کی پابندی بھی کرتے تھے مگر دل سے اسلام کے منکر اور دین کے دشمن تھے۔ یہ نفاق ایمان و عقیدے کا نفاق ہے جو کفر کی بدترین قسم ہے اور اسی کے بارہ میں قرآن حکیم نے اعلان کیا ہے۔

۱۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ هُمُ الْفَاسِقُونَ منافق ہی فاسق ہیں (یعنی دین سے

خارج ہیں)

۲۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ - تحقیق منافق جہنم کے بدترین گوشہ میں ڈالے جائیں گے۔

دوسری قسم نفاق عملی ہے جس کا تعلق ایمان و عقیدہ سے نہیں بلکہ کردار سے ہوتا ہے یعنی منافق عملی وہ ہے جس کے ایمان و عقیدہ میں تو خرابی نہیں ہوتی مگر سیرت و کردار میں نفاق ہوتا ہے اور وہ منافقوں کی سی عادتیں اور خصلتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کفر و شرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ منافقانہ سیرت اور منافقانہ اعمال و اخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔ نفاق عملی مصیبت اور گناہ کبیرہ ہے۔

بعض منافقانہ اعمال و افعال | کچھ بُری عادتیں اور خصلتیں ایسی ہیں جن کو منافقین کے ساتھ خاص نسبت اور مناسبت ہے۔ اسلام چونکہ سچائی امانت، دیانت، ایمان، عہد اور حق پسندی ایسے اعمالِ حسنہ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ اس لئے کتاب و سنت میں منافقانہ اعمال و کردار کا بیان ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ جہاد یعنی اقامتِ دین کی جدوجہد کو فتنہ کہہ کر گریز کرنا۔ (۲) اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں کراہت کرنا۔ صراطِ مستقیم پر چلنے سے روکنا اور باطل کی راہوں پر چلنے کا مشورہ دینا۔ (۳) نماز کی ادائیگی میں تساہل برتنا (۴) دین کے دشمنوں سے مل کر سازشیں کرنا (۵) عہد و پیمان کو توڑ دینا (۶) جھوٹے وعدے کرنا (۷) جھوٹی قسمیں کھانا (۸) دین کے دشمنوں سے دوستی اور رابطہ قائم رکھنا وغیرہ۔ (۹) سب کو نفاق آلود عادات و خصائل قرار دیا گیا۔ اسی طرح احادیث میں نفاق عملی سے بچنے کے لئے متعدد امور کی نشاندہی کی گئی ہے۔ — بخاری شریف کی حدیث میں حضور نے خصائص نفاق میں سے چار کا ذکر فرمایا۔ خیانت۔ جھوٹ۔ عہد شکنی۔ بدزبانی اور ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو۔ اس کو سمجھنا چاہیے کہ اس میں ایک منافقانہ خصلت ہے اور جس میں چاروں ہوں وہ اپنی سیرت میں خالص منافق عملی ہے۔

(۱) جھوٹ میں ہر بات داخل ہے جو حق جاننے کے بعد اس کے خلاف کہی جائے اور سنی ہوئی بات بغیر تحقیق کے اس طرح روایت کر دی جائے جیسے وہ تحقیق شدہ ہے۔

(۲) دوسری علامت نفاق "خیانت" ہے اس سلسلہ میں ملحوظ رہنا چاہیے کہ امانت میں ہر وہ چیز داخل ہے جو کسی مالک کی جانب سے کسی اور کے قبضہ و اختیار میں بغرض حفاظت دی جائے اور وہ باوجود اس پر اختیار رکھنے کے مالک کے منشا کے خلاف یا اس کی اجازت کے بغیر استعمال کا کوئی حق نہ رکھتا ہو پس جس طرح انسان ایک دوسرے کے پاس امانتیں رکھتے ہیں۔ اس طرح کچھ امانتیں اللہ نے بھی بندوں کے پاس رکھی ہیں اور یہ مال و دولت، عقل و فہم یہ جسمانی قوت و اختیار وغیرہ سب اللہ ہی کی توکلیت ہیں جنہیں اس نے بندوں کے پاس رکھا ہے اور وہ تمام صورتیں تعیین کر دی ہیں۔ جن میں ان امانتوں کا استعمال جائز یا ناجائز ہو سکتا ہے۔

بالخصوص مومنین سے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے اس رو سے اللہ ہی ان کی دولت و عقل و فہم کا مالک ہے۔ پس جس طرح دنیاوی معاملات میں امانت رکھنے والا امانت رکھی ہوئی شے کو مالک کے منشا کے خلاف استعمال کر کے خائن بن سکتا ہے۔ اسی طرح ایک مومن اپنے مال، عقل و فہم، صلاحیت و اختیار کو مالک کے منشا کے خلاف استعمال کرنے کے خائنین کی فہرست میں داخل ہو سکتا ہے۔ بغرض کہ خیانت کا مفہوم بہت وسیع ہے مال میں خیانت ہو یا کسی بکے راز کو افشا کر دیا جائے یا کسی عہدہ اور منصب پر فائز ہو کر ظلم کیا جائے یہ سب خیانت کی صورتیں ہیں۔

تیسری علامت عہد شکنی ہے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ اول یہ کہ مکروہ تحریمہ ہے۔ دوم یہ کہ مکروہ تنزیہی ہے کما قال النوری۔ لیکن حدیث ترمذی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے مسلمان بھائی سے اس نیت کے ساتھ وعدہ کیا کہ اس کو پورا کرے گا پھر پورا نہ کرے گا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس حدیث کی مدہنی میں مسئلہ یہ ہوا۔ وعدہ کرتے وقت عہد شکنی کا عزم ہو تو یہ ممنوع ہے لیکن صدق دل کے ساتھ وعدہ کیا جائے اور اس عزم کے ساتھ عہد کیا جائے کہ پورا کر دوں گا۔ پھر غفلت یا بھول یا کسی مانع کی وجہ سے پورا نہ کر سکا تو امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا۔

جو تھی بدزبانی ہے۔ پھر بدزبانی بھی مومن کے ساتھ ہو۔ تو اس کی قباحت اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔ جہاں مسلمان بھائی کو دیکھ کر مسکرا دیتا عبادت ہو وہاں اسکے ساتھ بدزبانی سے پیش آکر اس کا دل دکھانا اس کی برائی کا کیا ٹھکانہ ہے۔

راہ خدا میں جہاد ایک اور حدیث میں فرمایا:-

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ
يُحَدِّثْ بِمَنْفَعَةٍ مَاتَ عَلَى
شُعْهِ مِنَ النِّفَاقِ

جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس
نے جہاد کیا اور نہ کبھی جہاد کی تجویزیں
سوچیں اور تنہا کی تودہ نفاق کی ایک

(ورواہ مسلم) صفت پر مرا۔

مطلب یہ ہے کہ جس نے ایمان کے دعویٰ کے باوجود نہ تو جہاد کیا اور نہ کبھی اس کے
دل میں جہاد کا شوق اور اس کی تمنا پیدا ہوئی تو یہ منافق کی زندگی ہے اور جو اس حال میں مر گیا تو
نفاق کی ایک صفت کے ساتھ دنیا سے گیا۔

نماز میں سستی ایک اور حدیث میں فرمایا:-

إِنَّمَا تَوَهُّدُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ
مِزْقَبَ الشَّمْسِ حَتَّى
إِذَا اسْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ
نُورِي الشَّيْطَانِ قَامَ
فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ
اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا

یہ تو منافق کی سی نماز ہے کہ بے پرواہی
سے بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہا۔ یہاں
تک کہ وہ زرد ہو گیا اور اس کے غروب
کا وقت قریب ہو گیا تو نماز کے لئے
کھڑا ہو گیا اور چڑیا کی طرح چار پوچھیں
مار کر نماز ختم کر دی۔ اور اللہ کا ذکر بھی اس
میں بہت کم کیا۔

(رواہ مسلم)

اس حدیث میں بتایا گیا کہ مومن کی شان تو یہ ہے کہ شوق کی بے چینی سے نماز کے
وقت کا منتظر رہے اور جب وقت آئے تو خوشی اور مستعدی سے نماز کے لئے کھڑا ہو۔ اور
یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت مجھے مالک الملک کے حضور حاضری نصیب ہے پورے اطمینان اور
عشوق کے ساتھ نماز ادا کرے۔ قیام و قعود، رکوع و سجود میں خوب خوب اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور

اس سے اپنے دل کو شاد کرے یہ تو ہے مومن کے نماز پڑھنے کی شان۔ لیکن منافق کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز کو بوجھ سمجھتا ہے۔ وقت آجانے پر بھی ٹالنے کی کوشش کرتا ہے مثلاً صبح کی نماز کے لئے اس وقت اٹھتا ہے جب کہ سورج بالکل ڈوبنے کے قریب ہو جاتا ہے۔ اور پھر عہدی عہدی چڑیا کی طرح چار چوٹیں مار کر نماز پڑی کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بس برائے نام ہی کرتا ہے۔ پس یہ نماز منافق کی نماز ہے۔ جو کوئی مسلمان اس سستی، کاہلی سے نماز ادا کرتا ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے مومنوں والی نہیں بلکہ منافقوں والی نماز پڑھی ہے۔

عبادت کے معنی | عبادت کے معنی انتہاءِ تذلل اور غایتِ خضوع کے ہیں۔ یعنی انسان اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلت و پستی کے اس آخری درجے میں سمجھے

کہ جس کے بعد عاجزی اور ذلت کا کوئی درجہ ہی نہ ہو۔ اس قسم کی عاجزی کرنے والا عابد ہے اور ایسی عاجزی عبادت ہے۔ عبادت کا تعلق نہ تو مافوق الاسباب امور سے ہے اور قابضہ خدا سے ہے بلکہ اس کا تعلق محض اعتقاد سے ہے اور ظاہر ہے ایسی عاجزی اور ایسی ذلت و پستی کا اظہار اسی ہستی کے لئے کیا جاسکتا ہے جس کے متعلق صفات مستقلہ کا اعتقاد رکھا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں (خود بخود اس میں موجود ہیں کسی نے اس کو کوئی صفت نہیں دی) اور یہ صفات ذاتیہ استحقاق عبادت کا مناط ہے۔ خواہ وہ علم ہو یا قدرت تصرف ہو یا خالقیت، ان کا ذاتی اور مستقل ہونا ضروری ہے۔ ورنہ افراد ممکنات کا مستحق عبادت ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ عطالی غیر مستقل حادثہ صفت افراد مخلوقات میں پائی جاتی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ عبادت کے لئے صفات مستقلہ لازم ہیں۔ اور صفات مستقلہ کے لئے استحقاق عبادت لازم ہے۔ کسی کو مستحق عبادت کہنا اس کے لئے استقلال ذاتی کو ثابت کرنا ہے اور کسی کو مستقل بالذات ماننا مستحق عبادت قرار دینا ہے۔

تعظیم میں فرق | یہیں سے عبادت و تعظیم میں فرق معلوم ہو گیا۔ عبادت

اس کے واجب الوجود اور مستحق عبادت ہونے کا اعتقاد بھی ہوتا ہے۔ اور تعظیم میں یہ اعتقاد نہیں ہوتا۔ یعنی ہر عبادت تعظیم ہے مگر ہر تعظیم عبادت نہیں۔ لہذا غیر اللہ کی عبادت شرک ہے۔ تعظیم شرک نہیں بلکہ جائز بلکہ بعض کی تعظیم فرض عین ہے۔ مثلاً قرآن پاک کی، انبیاء کرام علیہم السلام و ملائکہ

کی تعظیم و توقیر اور بعض کی تعظیم واجب ہے مثلاً والدین کی۔ بعض لوگ تعظیم و عبادت میں فرق نہیں کرتے یا ان کے معنی و مفہوم سے جاہل ہیں جہاں وہ غیر اللہ کی تعظیم ہوتی دیکھتے ہیں۔ جھٹ شرک کا فتویٰ بڑھ دیتے ہیں حالانکہ یہ بات بدیہی ہے کہ تعظیم کی وہی صورت شرک قرار دی جائے گی جس میں معظم کی الوہیت کا اعتقاد ہو۔ اس کے علاوہ تعظیم کی جتنی بھی صورتیں اور شکلیں ہیں ان میں سے بعض ناجائز و حرام تو ہو سکتی ہیں مگر شرک و کفر ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً قبر کو سجدہ کرنا اور مقبرہ کی الوہیت اور واجب الوجود ہونے کا عقیدہ رکھ کر اور اس کے لئے صفات مستقلہ مان کر سجدہ کرنا شرک ہے۔ لیکن اگر یہ اعتقاد نہ ہو اور محض مقبرہ کی تعظیم کے لئے سجدہ کرے تو یہ ناجائز و حرام ہے مگر شرک نہیں۔ غرض کہ وہ تعظیم جو معظم کی الوہیت و واجب الوجود ہونے کے ساتھ نہ کی جائے اس میں یہ تو ہو سکتا ہے کہ اس تعظیم کی کچھ صورتیں ناجائز و حرام ہوں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ مذکورہ بالا اعتقاد کے ساتھ جو تعظیم کی جائے وہ شرک قرار پا جائے۔ سجدہ ہی کو لے لیجئے۔ مطلقاً غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر شرک مان لیا جائے تو پھر تو (معاذ اللہ) تمام ملائکہ اور برادرانِ یوسف علیہ السلام بھی شرک قرار پائیں گے۔ کیونکہ قرآن پاک نے یہ تصریح کی ہے کہ ملائکہ نے حضرت آدم کو اور برادرانِ یوسف نے حضرت یوسف کو سجدہ کیا تھا بلکہ یہ کہنا پڑے گا کہ خود اللہ عز و جل نے شرک کا حکم دیا۔ (معاذ اللہ)

ظاہر ہے کہ ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اور برادرانِ یوسف کا جنابِ یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا، ان کو واجب الوجود جان کر سجدہ کرنا نہ تھا بلکہ اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق سمجھ کر محض تعظیم کے لئے سجدہ تھا۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو تعظیم معظم کی الوہیت اور واجب الوجود ہونے کے عقیدہ کے ساتھ نہ کی جائے وہ شرک ہرگز نہیں ہو سکتی۔

ہم اہل سنت و جماعت انبیاء کرام و بزرگانِ عظام کی تعظیم ضرور کرتے ہیں۔ ان سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں مگر انہیں الہ نہیں مانتے اور نہ مستقل ذاتی ان کے لئے ثابت کرتے ہیں۔

اور نہ انہیں متحق عبادت جانتے ہیں اور نہ واجب الوجود لہذا ہم پر محض تعظیم کے جرم میں شرک کا فتویٰ دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کیونکہ ہم تعظیم کی ان صورتوں کو بھی نہیں اپناتے جو ناجائز و حرام ہیں اور جن کے ناجائز ہونے پر دلائل شرعیہ مل جاتے ہیں جیسے سجدہ یہی ہم اس کو حرام و ناجائز سمجھتے ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کو بھی

حرام قرار دیا ہے۔ فافہم

شُرک کی تعریف | سمجھنا یا خدا کی صفات جیسی کہ اس کی ہیں کسی اور میں جاننا۔ یعنی اللہ کی تمام صفاتیں ازل۔ ابدی۔ قدیم اور ذاتی ہیں۔ مثلاً اس کا علم ذاتی ہے اس کا ہر کمال ابدی ہے کسی نے اس کو دیا نہیں۔ وہ خود بخود علیم، خبیر، عالم الغیب، قادر اور مختار ہے۔ تو بالکل اسی طرح غیر اللہ میں کسی صفت کو مانا جائے تو یہ یقیناً شرک ہے اور اگر اس طرح نہ مانا جائے تو یہ برگز گز شرک نہیں ہے۔ شرح عقائد نسفی میں ہے۔

الاشراک هو اثبات الشریک	شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں
فی الالوہیۃ یعنی واجب الوجود	شریک ثابت کیا جائے بمعنی واجب الوجود
کما للمجوس او بمعنی متعلق	جیسا مجوس کرتے ہیں یا بمعنی متعلق
العبادۃ کما للعبدة الامنام۔	عبادت جیسا بت پرست کرتے ہیں۔

شرح عقائد

حضرت شیخ محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ”بالجملہ شرک سے قسم است۔ وجود دور خالقیت و در عبادت۔“

علامہ مطلب یہ ہے کہ شرک تین طرح پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ کی طرح کسی کو واجب الوجود جانے۔ دوم یہ کہ اور کو اللہ کے سوا خالق جانے۔ سوم یہ کہ غیر خدا کی عبادت کرے (یا اس کو مستحق عبادت سمجھے) (جلد اول صفحہ ۱۶)

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے (۱) واجب الوجود اپنی ذات اور کمالات میں دوسرے سے بالکل بے نیاز اور غنی بالذات صرف اللہ عزوجل ہے اور فقط وہی عبادت کا مستحق ہے اور کوئی نہیں (۲) اب جو شخص اللہ کے سوا کسی اور کو واجب الوجود مانے یعنی یہ کہے کہ یہ شخص اپنی ذات اور کمالات میں کسی کا محتاج نہیں ہے یا اللہ کے سوا کسی اور کو عبادت کو مستحق ٹھہراتے وہ یقیناً شرک ہے جیسے ہندوستان کے آریہ رُوح اور مادہ کو قدیم مانتے ہیں اور واجب الوجود سمجھتے ہیں۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ رُوح اور مادہ کی ذات بنانے والے سے بے نیاز ہے یہ شرک ہیں (۳) اسی طرح اگر

کسی کے کمالات کو ذاتی مانے۔ اور اس کمال میں اس کو دوسرے سے غنی اور بے نیاز سمجھے تو شرک ہے خواہ وہ کمال علم ہو یا قدرت یا حیات یا سمع یا بصر، جیسے ستارہ پرستوں کا خیال ہے کہ عالم کے تغیرات کو اکب کی تاثیرات سے ہیں اور کو اکب ان تاثیرات میں غنی بالذات ہیں۔ کسی کے محتاج نہیں۔ یہ عقیدہ بھی شرک ہے اور ایسے اعتقاد رکھنے والے شرک۔ اسی طرح اگر کوئی کسی دوسرے کی عبادت کرے جس کو ہندی میں پوجا اور فارسی میں پرستش کہتے ہیں۔ یہ بھی شرک ہے جیسے بت پرست بتوں کو مستحق عبادت سمجھتے ہیں۔ اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ شرک ہیں لیکن جو لوگ اللہ کے عطا کردہ کمالات اس کے بندوں میں مانتے ہیں۔ اور کمالات کو عطا راہی جانتے ہیں وہ ہرگز شرک نہیں۔ مثلاً کوئی شخص آدمی کو سمیع و بصیر کہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صفت سمع و بصر عطا فرمائی ہے تو وہ مومن اور مومد ہے شرک نہیں۔ شرک جب ہوتا جبکہ یہ ماننا کہ آدمی میں سمع و بصر کی صفت ذاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے اللہ عزوجل کی صفات میں سمیع و بصیر ذکر کیا ہے مگر اس کے باوجود انسان کو بھی سمیع و بصیر قرار دیا ہے۔ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا۔ اور یہ شرک اس لئے نہیں کہ انسان میں جو سمع و بصر ثابت کی گئی ہے وہ عطائی ہے اور خدایں ذاتی ہے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں کتاب و سنت سے دی جاسکتی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہی نکلتا ہے کہ کسی بھی کمال کو جو ممکن للبشر ہے۔ غیر اللہ میں عطائی مانا جائے تو شرک نہیں اور ذاتی مانا جائے تو شرک ہے۔ اگر ذاتی و عطائی کا فرق نہ کیا جائے تو پھر تو انسان ہر بات میں شرک ہو جائے مثلاً یہ کہے: میں سُنتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ میں موجود ہوں۔ غذائے قوت دی۔ پانی نے پیاس بجھائی۔ آگ نے جلادیا۔ سردی نے نقصان پہنچایا۔ دوائے فائدہ دیا۔ یہ سب باتیں شرک ہو جائیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ جب ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں تو وہ اس عقیدے کے ساتھ کہتا ہے کہ دیکھنے کی قوت مجھ میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے خود بخود نہیں ہے۔ جب ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ دوائے شفا دی تو اس عقیدہ کے ساتھ کہتا ہے کہ دوائے شفا دینے کی طاقت اور تاثیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اگر خدا نہ چاہے تو نہ میں دیکھ سکوں اور نہ دوا اپنا اثر دکھاسکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی کمال کو غیر اللہ میں اگر ذاتی مانا جائے تو وہ شرک ہے اور اگر وہ عطائی طور پر مانا جائے تو وہ ہرگز شرک نہیں ہے جو شخص عطائی کمال کو غیر اللہ میں مانے تو شرک کہتا ہے وہ جاہل ہے

اور اگر جان بوجھ کر کہتا ہے تو خود کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے عطائی کمال ماننے والے کو شرک کہہ کر یہ ظاہر کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات اور صفات عطائی ہیں اور وہ مستغنی اور بے نیاز نہیں ہے۔ (۱) ظلم کا لفظ نہایت معنی خیز ہے۔ یہ لفظ قرآن حکیم میں بھی متعدد معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جتنی کہ کفر و عصیان کے معنی میں بھی آیا ہے لیکن ہر گناہ ایسا نہیں جس کے ارتکاب سے آدمی کافر ہو جائے تا وہ قبیح کفر و شرک ایسے گناہ کو اختیار نہ کرے۔ تو اسی طرح ظلم کا لفظ بھی متعدد معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عام گناہوں کو بھی ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور کفر و شرک پر بھی ظلم کا لفظ بولا جاتا ہے۔ (۲) لَمْ يَلْبِسُوا دِينَهُمْ (۲) کے معنی (اختلاط) ملانے کے ہیں۔ تو جب یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی کہ وہی لوگ امن میں ہیں جو اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملتے تو صحابہ کرام نے اس کو عموم پر محمول کیا اور کہنے لگے ہم میں کون ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ اس سے گناہ نہیں ہوا۔ اس پر دوسری آیت نازل ہوئی جس میں بتایا گیا۔ آیہ مبارکہ میں ظلم سے مراد عام گناہ نہیں ہے بلکہ ظلم سے مراد شرک ہے تو اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ امن میں وہی لوگ ہیں جو ایمان لاکر شرک و کفر کا ارتکاب نہیں کرتے۔

جہادِ اسلامی

اپنی تمام جسمانی و مالی اور فکری قوتوں کو اسلام کی سر بلندی، حق کی اشاعت و حمایت اور مظلوموں کی داد رسی کے لیے صرف کر دینے کا نام جہاد ہے۔ اور یہ اسلام کا ایک اہم فریضہ اور بہت بڑی عبادت ہے۔

حضور سرورِ عالم نورِ مجتہم صلی اللہ علیہ وسلم جن تعلیم اور شریعت کو لے کر دنیا میں تشریف لائے۔ وہ محض نظریہ اور فلسفہ نہیں بلکہ عمل اور سراپا عمل ہے۔ اس میں نجات کا استحقاق، رہبانیت اور گوشہ نشینی پر موقوف نہیں بلکہ توحید و رسالت، کتبِ الٰہی، ملائکہ، قیامت اور جزا و سزا غرضیکہ تمام ضروریاتِ دین پر ایمان و اعتقاد کے بعد

حق کی بندی اور اس کی حمایت و حفاظت کے لیے ہر قسم کی جدوجہد اور قربانی و ایثار پر مبنی ہے۔

مسلمانوں کا دینی و قلمی فرض ہے کہ اللہ عزوجل کی طرف سے انہیں جو فکری، علمی، مال اور جسمانی قوتیں مرحمت ہوئی ہیں۔ انہیں حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنے، ان کی تدبیروں کو رایتیگاں کرنے، ان کے حملوں کو روکنے کے لیے وقف کر دیں۔ غریبوں، مظلوموں اور زیر دستوں کی امداد و نصرت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں اور اقامتِ عدل اور ردِ ظلم کے لیے تیار و مستعد رہیں۔

سورۃ نسا کی آیت نمبر ۷۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اور تمہیں کیا ہوا کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں اور	وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے	وَالْمُسْتَضْعِفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
جو کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آکر یہ دعا	وَالْعُلَدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا
رہے ہیں کہ اے رب ہم اے ہمیں اس سب سے	أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ
نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے	أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ
کوئی حمایتی دیگا اور ہمیں اپنے پاس کوئی مددگار دے۔	وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝

واقعہ یہ تھا کہ مکہ معظمہ میں کچھ مرد اور عورتیں اور بچے ایسے تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ مگر کفار مکہ نے ان کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ نہ وہ ہجرت کر سکتے تھے اور نہ انہیں امن و سلامتی میسر تھی۔ کفار و مشرکین انہیں طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے۔ حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں پر بے رحمانہ مظالم توڑ رہے تھے۔ وہ خدا ترانوں کے مظالم برداشت کرتے اور بارگاہِ خداوندی میں دعائیں مانگتے کہ اے غریبوں کے فریاد رس اور بے کسوں کے حامی ہم ناتوانوں پر رحم فرما اور ہمیں ان ظالموں کے چنگل سے نجات عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی دعا کو قبول فرمایا۔ پھر وہ دن آیا۔ جب نبی رحمت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح

فرمایا اور ان مظلوموں نے آزادی کا سانس لیا۔ ظلم و عدوان کی فضا عدل و انصاف سے بدل گئی اور مغروروں، شکبوروں اور ظالموں کی گردنیں خم ہو گئیں۔

مفسرین نے فرمایا۔ اس آیت میں مالکم استفہام تحریر کے لیے ہے یعنی اس آیت میں مسلمانوں کو اپنے مظلوم بھائیوں اور بہنوں کی نصرت و امداد کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ حکم آج بھی باقی ہے۔ یعنی اگر آج بھی کسی خطہ زمین پر مسلمان خدا تباروں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن جائیں۔ ان کی عزت و ناموس اور آزادی کو خطرہ لاحق ہو جائے اور ظالم و سرکش قوتیں انہیں اپنا غلام بنانے کے لیے سازشوں کے جال بچادیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا یہ دینی و مذہبی اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ ہر طرح سے ان مجبور و مظلوم مسلمانوں کی امداد و اعانت کے لیے عملی قدم اٹھائیں۔ قرآن مجید کی یہ آیت آج بھی مسلمانانِ عالم کو اپنے فرض کی یاد دہانی کر رہی ہے۔ آج بھی دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان ظلم و عدوان کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ سرکش اور ظالم قوتیں انہیں اپنا غلام بنانے پر تلی ہوئی ہیں۔

اس موقع پر مذکورہ بالا آیت قرآنی مسلمانانِ عالم کو اپنے فریضہ کی ادائیگی کی طرف متوجہ کر رہی ہے۔ ہمارا یہ دینی و ملی فرض ہے کہ مجبور و مظلوم مسلمانوں کی امداد و اعانت کریں۔ یاد رکھئے حق و صداقت کی حمایت کے لیے جان جیسی چیز کو قربان کر دینا بھی جہاد ہے اور مظلوموں اور مجبوروں کی ہر قسم کی ضرورت کو پورا کرنا بھی جہاد ہے۔ میدان جنگ میں ذاتی اور جسمانی شرکت ہر شخص کے لیے ممکن نہیں ہے۔ مگر مالی شرکت ہر ایک کے لیے آسان ہے اور قرآن مجید کی بکثرت وہ آیات جن میں جہاد کی تاکید کی گئی ہے۔ ان میں سے ہر ایک موقع پر جان کے جہاد پر مال کے جہاد کو تقدم بخشا گیا ہے۔



نماز=عبادت کا گوہر شاداب

نماز کی فرضیت و اہمیت کتاب و سنت کی روشنی میں

اسلام کی ضروری باتوں پر ایمان لانے کے بعد تمام فرائض میں سب سے اہم و اعظم نماز ہے۔ قرآن و حدیث میں جا بجا نماز کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے اور تارکین نماز پر سخت و شدید وعیدیں آئی ہیں۔

نماز کی اہمیت و فرضیت کا یہ پہلو بہت ہی عظیم و جلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب احکام زمین پر بھیجے۔ مگر جب نماز فرض کرنی منظور ہوئی تو اپنے حبیب کو اپنے حضور بلا کر اسے فرض کیا اور شب معراج یہ تحفہ عطا فرمایا۔

نماز قرآن مجید کی روشنی میں | ۱۔ وَاقِیْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْکَعُوا

مَعَ التَّارِکِیْنَ نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو یعنی مسلمانوں کے ساتھ کہ رکوع ہماری ہی شریعت میں ہے یا باجماعت ادا کرو۔

۲۔ هٰذِیْ لِمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغِیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یُنْفِقُوْنَ

یہ کتاب پر ہیزگاروں کو ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم رکھتے اور ہم نے جو دیا اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

۳۔ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ۔

تمام نمازوں خصوصاً بیچ وال نماز (عصر) کی محافظت رکھو اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے رہو۔

۴۔ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ نَازِثَاتٌ فِيهِمْ مِّنْ أَسْفَلَ سُدُورِهِمْ فَهُمْ يَنظُرُونَ۔

۵۔ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ۔

۶۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيَا۔

اُن کے بعد کچھ ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نمازیں ضائع کر دیں اور نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا۔ عنقریب انہیں سخت عذاب طویل و شدید سے ملنا ہوگا۔

۱۔ صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی

نماز حدیث رسول کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور ماہِ رمضان کا روزہ رکھنا۔

امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ وہ عمل ارشاد ہو کہ مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت

کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور نماز قائم رکھ اور زکاۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھ اور بیت اللہ کا حج کر اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسلام کا ستون نماز ہے۔

۳۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک ان تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں جو ان کے درمیان ہوں۔ جب کہ کبار سے بچا جائے۔

۴۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔ بتاؤ تو کسی کے دروازہ پر ہنر ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ بار غسل کرے۔ کیا اس کے بدن پر میل رہ جائے گی۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب خطاؤں کو محو فرما دیتا ہے۔

۵۔ صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب سے ایک گناہ صادر ہوا۔ حاضر ہو کر عرض کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اقْبِرِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَرُفَاتٍ مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرِي لِلذَّاكِرِينَ ط

نماز قائم کر دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصہ میں بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔

انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا یہ خاص میرے لیے ہے۔ فرمایا میری سب امت کے لیے۔

۶۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ اعمال میں اللہ

کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کیا ہے۔ فرمایا وقت کے اندر نماز۔ میں نے عرض کی۔ پھر کیا فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ میں نے عرض کی۔ پھر کیا۔ فرمایا۔ راہِ خدا میں جہاد۔

۷۔ بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک صاحب نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اسلام میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب کیا چیز ہے۔ فرمایا۔ وقت میں نماز پڑھنا اور جس نے نماز چھوڑ دی۔ اس کا کوئی دین نہیں۔ نماز دین کا ستون ہے۔

۸۔ ابو داؤد نے بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کی کہ حضور نے فرمایا جب تمہارے بچے سات برس کے ہوں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس برس کے ہو جائیں تو مار کر پڑھاؤ۔

۹۔ امام احمد روایت کرتے ہیں کہ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جاڑوں میں تشریف لے گئے۔ پت جھاڑ کا زمانہ تھا۔ دو ٹہنیاں بکڑ لیں۔ پتے گرنے لگے۔ فرمایا۔ اے ابو ذر۔ میں نے عرض کی۔ بیک یا رسول اللہ فرمایا۔ مسلمان بندہ اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس سے گناہ ایسے گرتے ہیں۔ جیسے اس درخت سے پتے۔

۱۰۔ صحیح مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ حضور نے فرمایا۔ جو شخص اپنے گھر میں طہارت (وضو و غسل) کرے۔ فرض ادا کرنے کے لیے مسجد کو جاتا ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ محو ہوتا دوسرے پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔

۱۱۔ امام احمد زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور نے فرمایا بندہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے لیے جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کے پروردگار کے درمیان حجاب ہٹا دیئے جاتے

ہیں اور حور عین اس کا استقبال کرتی ہیں۔ جب تک نہ ٹاک سکنے نہ کھٹکارے۔
۱۳۔ طبرانی اوسط میں اور ضیائے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا۔ سب سے پہلے قیامت کے دن بندہ سے نماز کا حساب لیا جائیگا۔ اگر یہ درست ہوئی تو باقی اعمال بھی ٹھیک رہیں گے اور یہ بگڑی تو سبھی بگڑے اور ایک روایت میں کہ وہ خائب و خاسر ہوا۔

۱۴۔ امام احمد و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ کی روایت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں ہے۔ اگر نماز پوری کی ہے تو پوری مکھی جائے گی اور پوری نہیں کی (یعنی اس میں نقصان ہے) تو ملکہ سے فرمائے گا دیکھو میرے بندہ کے نوافل ہوں تو ان سے فرض پورے کر دو۔ پھر زکاۃ کا اسی طرح حساب ہوگا۔ پھر بعد میں باقی اعمال کا۔

۱۵۔ ابو داؤد و ابن ماجہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور نے فرمایا (جو مسلمان جہنم میں جائے گا) (العیاذ باللہ تعالیٰ) اس کے پورے بدن کو آگ کھا گئی سوا اعضائے سجود کے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا کھانا آگ پر حرام کر دیا ہے۔

۱۶۔ طبرانی اوسط میں راوی ہے کہ حضور نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ کی یہ حالت سب سے زیادہ پسند ہے کہ اسے سجدہ کرتا دیکھے کہ اپنا منہ خاک پر رگڑ رہا ہے۔
۱۷۔ طبرانی اوسط میں انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور نے فرمایا کوئی صبح شام نہیں مگر زمین کا ایک ٹکڑا دوسرے کو پکارتا ہے۔ آج تجھ پر کوئی نیک بندہ گزرا جس نے تجھ پر نماز پڑھی یا ذکر الہی کیا۔ اگر وہ ہاں کہے تو اس کے لیے اس سبب سے اپنے اوپر بزرگی تصور کرتا ہے۔

۱۸۔ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ حضور نے فرمایا۔ جنت کی کھجی نماز ہے اور نماز کی کھجی طہارت

۱۹۔ ابو داؤد نے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا جو طہارت کر کے اپنے گھر سے فرض نماز کے لیے نکلا۔ اس کا اجر ایسا ہے جیسا حج کرنے والے محرم کا اور جو چاشت کے لیے نکلا اس کا اجر عمرہ کرنے والے کی مثل ہے اور ایک نماز دوسری نماز تک کہ دونوں کے درمیان میں کوئی لغویات نہ ہو علیین میں لکھی ہوئی ہے یعنی درجہ قبول کو پہنچتی ہے۔

۲۰۔ امام احمد و نسائی و ابن ماجہ نے ابو ایوب انصاری و عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا جس نے وضو کیا جیسا حکم ہے اور نماز پڑھی جیسی نماز کا حکم ہے تو جو کچھ پہلے کیا ہے معاف ہو گیا۔

۲۱۔ امام محمد بوذرغی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور نے فرمایا جو اللہ کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ معاف کرتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے۔

۲۲۔ کنز العمال میں ہے کہ حضور نے فرمایا جو تنہائی میں دو رکعت نماز پڑھے کہ اللہ اور فرشتوں کے سوا کوئی نہ دیکھے اس کے لیے جہنم سے برأت لکھ دی جاتی ہے ۲۳۔ منیۃ المصلیٰ میں ہے کہ ارشاد فرمایا ہر شے کے لیے ایک علامت ہوتی ہے ایمان کی علامت نماز ہے۔

۲۴۔ منیۃ المصلیٰ میں ہے فرمایا نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے چھوڑ دیا۔ دین کو ڈھا دیا۔

۲۵۔ امام احمد و ابو داؤد و عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور نے فرمایا۔ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیں۔ جس نے اچھی طرح وضو کیا اور وقت میں پڑھیں اور رکوع و خشوع کو پورا کیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر عہد کر لیا ہے کہ اُسے بخش دے اور جس نے

نہ کیا اس کے لیے عہد نہیں چاہے بخش دے چاہے عذاب کرے۔

۲۶۔ حاکم نے اپنی تاریخ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی حضور فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اگر وقت میں نماز قائم رکھے تو میرے بندہ کا میرے ذمہ کرم پر عہد ہے کہ اُسے عذاب نہ دوں اور بے حساب جنت میں داخل کروں۔

۲۷۔ دیلمی ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز فرض نہ کی جو توجید و نماز سے بہتر ہو۔ اگر اس سے بہتر کوئی چیز ہوتی تو وہ ضرور ملنے پر فرض کرتا۔ اُن میں کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدے میں۔

۲۸۔ ابو داؤد طیالسی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور نے فرمایا جو بندہ نماز پڑھ کر اس جگہ جب تک بیٹھا رہتا ہے قرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اس وقت تک کہ بے وضو ہو جائے یا اُٹھ کھڑا ہو۔ ملکہ کا استغفار اس کے لیے یہ ہے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ اللَّهُمَّ تَبَّ عَلَيْهِ
اے اللہ تو اس کو بخش دے۔ اے اللہ تو اس پر رحم کر۔ اے اللہ تو اس کی توبہ قبول کر۔

عبرت | تیس سال کے طویل عرصہ میں چشمِ تحیر نے کیا کیا نقشے اُبھرتے، بنتے

اور جھڑتے دیکھے۔ اس طویل دور میں یہ سی ہوا اور شاید ایسا ہی ہوتا رہے۔ وقت کی گردش کبھی نہیں رکتی۔ چشمِ ہستی کو رونا پڑتا ہے اور مسکراتے ہونٹوں سے تبسم چھن جاتا ہے۔ شاخِ گل سے خون ٹپکتا ہے۔ تریاقِ زہر بن جاتا ہے۔ نشیب و فراز، کمال و زوال کے مناظر بہر حال بہر صورت ہم روز دیکھتے ہیں۔ ان کی نوعیت و کیفیت اور اسبابِ علل سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ مگر عبرت حاصل نہیں کرتے۔

اسلامی معاشرہ میں نظامِ زکوٰۃ و عشر کی افادیت و اہمیت

نظامِ زکوٰۃ و عشر کی اہمیت و افادیت اور اس کا خالص دینی فریضہ ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔ جیسے نماز روزہ اور حج ارکانِ اسلام سے ہیں۔ ایسے ہی زکوٰۃ بھی اسلام کا ایک عظیم و جلیل رکن ہے۔ قرآن مجید میں تقریباً ۲۲ مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کی ادائیگی کا ذکر آتا ہے۔ صحیفہ وحی میں نماز کے ساتھ جو فریضہ سب سے اہم نظر آتا ہے وہ زکوٰۃ ہی ہے۔ ارشادِ باری ہے :-

وَأَقِمْوَا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (مزمل)
نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو ،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز و نظامِ زکوٰۃ و عشر کی اہمیت کے اظہار کے لیے اسلام کے شرائطِ بیعت میں بھی اسے داخل فرمایا۔ شہد میں وفد عبدالقیس نے استثنائاً نبوت پر حاضر ہو کر اسلام کی تعلیمات دریافت کیں تو آپ نے اعمال میں پہلے نماز اور پھر زکوٰۃ کو جگہ دی۔ حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَ
إِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنَّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (بخاری)
میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتوں پر بیعت کی، نماز پڑھنا ،
زکوٰۃ ادا کرنا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی چاہنا۔

اسلام کی تنظیمی زندگی دو بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک روحانی دوسری مادی۔ اسلام کا روحانی نظام نماز سے قائم ہوتا ہے جو مسجد میں باجماعت ادا کی جائے اور مادی نظام زکوٰۃ و عشرے بروئے کار آتا ہے جو بیت المال میں جمع ہو کر مستحقین میں تقسیم ہو۔ جیسے نماز کا آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہوا اور مدینہ میں آکر تکمیل کر پہنچا۔ ایسے ہی زکوٰۃ یعنی مطلق صدقات و خیرات کی ترغیب ابتداء اسلام سے ہی ہوئی۔ لیکن اس کا پورا نظام آہستہ آہستہ فتح مکہ کے بعد قائم ہوا۔ رمضان ۱ھ میں فتح مکہ نے جب تمام عرب کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا تو اس وقت سورۃ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ
(توبہ - ۱۳)

اے رسول! محترم ان کے مالوں میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کرو اور اس کے ذریعے ان کو پاک و صاف کرو۔

اجتماعیت ایک فطری چیز ہے اور اجتماعیت کے فوائد و ثمرات اور برکات و حسنات بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لیے دین اسلام میں نظام زکوٰۃ و عشر اور صلوة کو اجتماعی حیثیت میں ادا کرنے پر خاص طور پر زور دیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نظام زکوٰۃ و عشر کے قواعد و ضوابط مرتب فرما کر اجتماعی طور پر اس کے جمع و خرچ کا انتظام فرمایا۔

انسان کے مالی کاروبار کا معیار عموماً سالانہ آمدنی سے قائم ہوتا ہے۔ اس کے نصاب کا تعین کر کے ہر سال زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی قرار دی گئی۔ سونا، چاندی، جانور زمین کی پیداوار اور مال تجارت جو دولت کا سرچشمہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ شرحیں مقرر کر کے ان کے مصارف کا تعین فرمایا۔

۹۔ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا حاکم اور اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تو ان کو یہ ہدایت دی کہ جب لوگ توحید کی دعوت اور فریضہ و نماز کی ادائیگی کو قبول کر لیں تو انہیں یہ بھی بتانا

عشر کی ادائیگی کے متعلق سورۃ بقرہ و انعام میں ارشاد ہے۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ

اے ایمان والو خرچ کیا کرو۔ عمدہ چیزوں سے جو تم نے کمائی ہیں اور اس سے جو پیدا کیا ہے ہم نے تمہارے لیے زمین سے

(۲) وَأَنْتُمْ حَقُّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا اور ادا کرو اللہ کا حق جب اس کی فصل کاٹو

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

فَبِمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالنَّيْمُ الْعُشْرُ وَبِمَا سَقَى بِالسَّانِيَةِ نِصْفُ الْعُشْرِ (مسلم)

جو زمین بارش یا چشمہ یا زمین کی نمی یا شعبنم سے آپ سے آپ سیراب ہو۔ اس کی نخل پیداوار کا دسواں حصہ اور جو زمین پانی خرید کر یا جانور پر لاد کر سیراب کی جائے اس کا بیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہے۔

إِنَّ اللَّهَ إِذَا تَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تَوْخِذُ مَنْ أَعْنِيَابِهِمْ وَتُرْدُّ عَلَى فَقَرَاءِهِمْ (بخاری)

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کی ہے جو ان کے

دولت مندوں سے وصول کر کے ان کے غریبوں کو دی جائے گی۔
اس سلسلہ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت معاذ کو خصوصی
طور پر یہ ہدایت بھی دی کہ زکوٰۃ و عشر کی جمع و تقسیم کا کام عدل و انصاف اور
انتہائی امانت و دیانت کا متقاضی ہے۔ آپ نے فرمایا۔
فَاِيَّاكَ وَكَرَامَتُكُمْ اَمْوَالِهِمْ وَتَقِي دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ ذَاتَهُ
لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ۔

خبرداران کے اموال میں سے اعلیٰ قسم کے جانور چھانٹ چھانٹ کر وصول
کرنے سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ
کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کی روشنی کا دائرہ بہت
وسیع ہے۔ تاہم اس ہدایت سے جو بات نکھر کر سامنے آتی ہے۔ اس کا خلاصہ
یہ ہے کہ زکوٰۃ و عشر خالص عبادت ہے اور اس نظام کی انجام دہی میں خلوص
لحمیت و جذبہ رضا، الہی کو پیش نظر رکھنا عدل و انصاف، دیانت و امانت
کے تقاضوں کا بہر حال و بہر صورت لحاظ رکھنا اور اس معاملہ میں ہر قسم کے ذاتی
مفادات و تعصب سے قطعی طور پر پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے اور قرآن و
سنت میں زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کے لیے جو سخت و شدید وعیدیں سنائی
گئیں، ان کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جیسے زکوٰۃ و عشر کی
عدم ادائیگی گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے ہی تقسیم زکوٰۃ و عشر کے معاملہ میں خیانت ناجائز
کنبہ پروری، ذاتی مفاد اور دنیاوی منفعت سے کام لینا بھی سخت و شدید
گناہ کبیرہ ہے۔

حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کی دشگیری، مسکینوں کی

سرپرستی، مسافروں کی امداد، یتیموں کی خبرگیری، یتیم خانوں کی نصرت و اعانت کے لیے خود اپنی حیات اقدس میں زکوٰۃ و عشر کی جمع و تقسیم کا اجتماعی نظام قائم فرمایا اور پھر خلفاء راشدین علیہم الرحمۃ والرضوان بھی انہی خطوط پر نظام عشر و زکوٰۃ کا اہتمام فرماتے رہے۔

امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف تلوار کھینچ لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ جو شخص توحید کا قائل ہو اس کا خون روا نہیں اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

وَاللّٰهِ لَا قَاتِلَ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَاَنَّ
الزَّكٰوةَ حَقُّ السَّالِ وَاللّٰهُ لَوْ مَنَعُوْنِي عَنَّا قَاتَلُوْا
يَوْمَ دُونَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ
عَلٰى مَنَعِهَا (بخاری)

خدا کی قسم جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے قتال کروں گا۔ خدا کی قسم اگر انھوں نے ایک رسی بھی روکی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بید زکوٰۃ دیتے تو اس کے نہ دینے پر میں ان سے جنگ کروں گا۔

در اصل یہ ایک لطیف نکتہ ہے جو محرم اسرار نبوت سیدنا صدیق اکبر نے سمجھا اور امت کو سمجھایا اور اس کے سامنے سب نے اطاعت کی گرن جھکائی۔ پھر خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے بھی اس نظام کو جماعتی سطح پر دوبارہ زندہ کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے دور میں جب نظام عشر و زکوٰۃ

اپنے یورے شباب پر تھا۔ تو ملک میں کوئی زکوٰۃ کی رستم لینے والا نہیں ملتا تھا اور یہ کوئی محض جذباتی بات نہیں ہے بلکہ امر واقعہ اور زندہ حقیقت ہے۔ اگر آج بھی قوم مسلم اپنے تمام قسم کے اموال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا عزم کرے تو پھر پاکستان میں بھی ایسا ہی ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔



ذکر اور دُعا

بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا۔ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيقًا مِّنْ عِبَادِي يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اَمَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَاَرْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ۔ (مومنون)

قرآن مجید میں مختلف انداز اور الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے اور اس سلسلہ میں مغربین بارگاہ الہی، مقربین اور انبیاء کرام علیہم السلام نے جن الفاظ کے ساتھ بجز رب العالمین دعائیں کی ہیں۔ ان کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ مسلمان ان بابرکت الفاظ کے ساتھ اپنے رب کے حضور دعائیں مانگا کریں۔ واضح رہے کہ عہد و معبود کے رشتہ کے دوام و استحکام کے لیے دعویٰ محمدی و تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ذرائع اختیار کیے وہ دو ہیں۔ ایک ذکر الہی۔ دوسرے دُعا۔

ذکر الہی کے لیے جو صیغے و الفاظ تعلیم فرمائے گئے۔ وہ قلب کو نور، زندگی کو سرور اور ایمان کو طمانیت کی دولت سے بھر دینے والے ہیں۔ پھر ذکر کے جو فضائل و منافع بتائے گئے ہیں۔ ان کی روشنی میں ذکر الہی۔ صرف ایک اہم فریضہ ہی نہیں ہے

جاتا۔ بلکہ تمام اعمالِ صالحہ کی روح اور جان اور کائنات کی ہر چیز سے بزرگ و برتر قرار پاتا ہے۔ چنانچہ سورہ عنکبوت میں ذکرِ الہی کی عظمت و برتری کے متعلق فرمایا۔
وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ | بیشک اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر (عنکبوت نغ) ہے۔

نماز جیسی اہم عبادت اور جلیل القدر ریاضت کے متعلق فرمایا۔

اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (طہ ع ۱۱) | میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

۱۔ اللہ کو بہت یاد کرو۔ صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو ۲۔ دنیا کی بہاؤں و لذتوں اور عیش و آرام میں منہمک ہو کر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جاؤ ۳۔ اللہ کا ذکر کرو۔ اپنے دل میں گڑ گڑا کر اور خوف کی کیفیت کے ساتھ ۴۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا ۵۔ جو لوگ یادِ الہی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ وہی نقصان میں ہیں۔ نماز کے بعد جمعہ اور حج کے مناسک کی ادائیگی کے بعد اللہ کا خوب ذکر کرو۔ ۶۔ دشمن سے مڈ بھڑ کے وقت بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہ رہو ۷۔ فلاح و کامیابی اللہ کے ذکر کے ساتھ وابستہ ہے۔

(۸) ذکرِ الہی ہی سے سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

سورہ حشر، سورہ انفال، جمعہ، منافقون، احزاب، بقرہ، عنکبوت اور سورہ آل عمران میں ذکرِ الہی کی عظمت و رفعت بزرگی اور برتری کے متعلق قرآنی ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔

الغرض ان آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ نماز سے لے کر ہر آدمک تمام اعمالِ صالحہ کی روح ذکرِ الہی ہے اور ذکرِ الہی کا سب سے بڑا مظہر دعا ہے۔ حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلدُّعَاءُ مَخْرَجُ الْعِبَادَةِ (ترمذی) دُعا عبادت کا مخرج ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں فرمایا۔ اللہ کے ہاں کوئی چیز اور عمل دعا سے زیادہ عزیز نہیں۔ نیز فرمایا۔

مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ | جو اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے۔ اللہ تعالیٰ

عَلَيْهِ (ترمذی) | اس سے ناراض ہوتا ہے۔

دعا اور اصل دعائیہ کلمات کا نام نہیں ہے جو زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ تو زیادہ سے زیادہ دعا کا لباس و قالب ہیں۔ دعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اس کی رُوح کی طلب اور تڑپ ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا۔

فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ | اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے۔

یعنی جس کو دعا کی حقیقت نصیب ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ سے مانگنا آگیا۔ اس کے لیے رحمتِ خداوندی کے دروازے کھل گئے۔ حضور سید عالم صلی اللہ وسلم نے دعا کے متعلق کچھ ہدایات دی ہیں۔ جنہیں ہر مسلمان کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ان ہدایات کا خلاصہ یہ ہے۔

- ۱۔ دُعا کے وقت دل پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اور اس یقین کے ساتھ دعا کرنی چاہیے کہ وہ ضرور قبول ہوگی اور اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قلبِ غافل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ (ترمذی)
- ۲۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے۔ اسے چاہیے کہ خوشحالی میں بھی دعا کیا کرے۔ (ترمذی)
- ۳۔ دعا اس وقت قابلِ قبول ہوتی ہے۔ جب تک جلد بازی سے نہ کام لیا جائے۔

اور جلد بازی یہ ہے کہ بندہ یہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تھی۔ مگر وہ قبول نہیں ہوئی۔ (بخاری و مسلم)

- (۴) موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے اور نہ موت جلدی آنے کے لیے دعا کرے۔ (مسلم)
- (۵) اپنے حق میں اپنے مال، اولاد، جائیداد کے حق میں بددعا نہ کرو۔ مبادا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو اور تمہاری اولاد و مال و جائیداد پر آفت آجائے۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین دعائیں ہیں جو خاص طور پر قبول ہوتی ہیں۔ ان کی قبولیت میں شک ہی نہیں ہے۔

لَا شَكَّ فِيْهِمْ - دَعْوَةُ الْوَالِدِ
وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ
الْمَظْلُوْمِ (ترمذی و ابوداؤد)

ایک اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعا دوسرے مسافر کی دعا۔ تیسرے مظلوم کی دعا
(۶) دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور حضور سرور عالم نور مجتہم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود و سلام عرض کرنا چاہیے۔ ترمذی شریف کی حدیث کا مضمون ہے۔ کہ ایک شخص نے نماز میں دعا کی۔ جس میں نہ اللہ کی حمد کی نہ نبی علیہ السلام کی ذات اقدس پر درود بھیجا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ عَجَلْ هَذَا اس آدمی نے دعا میں جلد بازی کی۔ پھر آپ نے اس کو بلایا اور اس کی موجودگی میں دوسرے آدمی کو

مخاطب بنا کر فرمایا۔

اِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَعْ
بِتَحْمِيدِ رَبِّهِ وَالشَّانِ عَلَيْهِ
ثُمَّ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَدْعُو
بِمَا شَاءَ

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو دعا کرنے سے پہلے اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے۔ پھر اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ اسکے بعد جو چاہے دعا کرے۔

(۷) نیز حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بدرجہ غایت حیار و کرم رکھتا ہے۔ جب بندہ اس کے آگے مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے

اَنْ يُّرَدَّ هُمَا صِفْرًا (ابوداؤد) | کہ ان کو خالی ہاتھ واپس فرما دے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں ہر لمحہ اور ہر آن، اس کے فضل و کرم کا طالب رہنا چاہیے اور عافیت یعنی تمام دنیوی و اخروی، ظاہری و باطنی، آفات و بلیات سے سلامتی اور تحفظ کی دعائیں مانگتے رہنا چاہیے۔

صدقات و خیرات کے آداب

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا إِذَىٰ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُثْوِقُ عَالَهُ رِثَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهُ وَاِبْلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ

اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے پروا علم والا ہے۔ اے ایمان والو اپنے صدقات کو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر برباد نہ کرو۔ اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ و قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک چٹان جس پر مٹی ہے۔ اب اس پر زور کا مینہ برسا، تو ساری مٹی بہ گئی اور راپتھر رہ گیا۔ اس طرح خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں۔ اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ نہیں دکھاتا۔

۱۔ سورہ بقرہ کی ان آیات میں صدقات و خیرات کے آداب کا بیان ہے مسکاتین کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ اگر سائل کو کچھ نہ دیا جاسکے تو اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کرنا چاہئے تاکہ اس کی دشمنی نہ ہو۔ حتیٰ کہ سائل اگر اصرار کرے یا زبان درازی پر اتر آئے تو بھی اس سے درگزر کیا جائے۔

سوال کرنا دراصل انسان کی عزتِ نفس کے خلاف ہے۔ ایک خوددار انسان انتہائی مجبوری کی حالت میں دستِ سوال دراز کرتا ہے۔ جب وہ اپنی ضرورت اور واقعی حاجت کی تکمیل کے لیے وسائل سے محروم ہو جاتا ہے۔ تب وہ سوال پر آمادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ایسا شخص بہر حال نرمی و شفقت کا مستحق ہے اور انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ بردہاری اور تحمل سے پیش آئے۔

۲۔ واضح رہے سائل سے ہمارے معاشرہ کے وہ بھکاری مراد نہیں ہیں جنہوں نے بھیک کو اپنا پیشہ بنالیا ہے اور سعی و کوشش سے جی چڑا کر در بدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ بلکہ سائل سے وہ حقیقی اور واقعی حاجتمند مراد ہے جو اپنی جدوجہد اور کوشش کے باوجود روزی کا سامان نہیں کر پاتے۔ ایسے معذور و معلوم اور غریب و ناتواں اہل ثروت کی امداد و اعانت کے حقدار ہیں اور ایسے افراد سے نرمی و شفقت سے پیش آنا نہایت غیر مناسب ہے۔

اسلام نے دولت مندوں کو تلقین کی ہے کہ وہ حتی المقدور غریبوں، بیکسوں اور حاجتمندوں کی ضرورتوں کو پورا کریں۔ ہاتھ پھیلائے والے کو خالی نہ ٹھامیں۔ وَلَوْ بِشَقِّ قَهْرٍ (بخاری) اگرچہ چھوٹا سا ہے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اس طبقہ کی یہاں تک دلجوئی فرمائی کہ فرمایا۔ ”اگر کسی کے پاس کچھ اور نہ ہو تو سائل کے ساتھ لطف و مہربانی سے بات کرنا بھی صدقہ ہے“ (بخاری) اور حاجتمندوں سے فرمایا کہ تمہاری خودداری کا تقاضا یہ ہے کہ بلا ضرورت ہاتھ نہ پھیلاؤ۔

اَلَيْدُ الْمَلِيٍّ خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ الْفَتَلِ

یعنی والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ بہتر ہے کیونکہ سخت مجبوری کی حالت کے علاوہ بلا ضرورت سوال کرنا انسان کی شرم و حیا، غیرت و آبرو کو مجروح کرتا ہے۔

حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلا ضرورت بھیک مانگنے والے قیامت کے دن اس طرح آئیں گے کہ ان کے چہرہ پر

لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُضَفَّةٌ لَحْمٍ

گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا ،

۳۔ سائل کے ساتھ بد خلقی سے پیش آنے کی ممانعت کے ساتھ قرآن نے یہ ہدایت بھی دی ہے کہ کسی حاجتمند کی ضرورت کو پورا کر کے اس پر احسان مت جتاؤ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو اس نعمت سے نوازا اور تمہیں کسی محتاج کی اعانت و امداد کی ترفیق عطا فرمائی۔ فرمایا :-

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى

احسان جتنا کرو اور طعنہ دے کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو

مطلب یہ ہے کہ صدقہ و خیرات اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے ہونا چاہیے۔ نہ لینے والے پر کسی قسم کے احسان کا بار رکھا جائے۔ نہ اس کو ممنون کرم بنایا جائے اور نہ احسان جتنا کر اسے ذلیل و رسوا کیا جائے۔ کیونکہ ایسا کرنا اخلاص کے خلاف ہے اسلام میں اعمال خیر کی مقبولیت کا مدار خلوص پر ہے۔ جو نیکی اس کی رضا کے لیے ہو وہ مقبول ہے اور جس عمل سے رضا الہی مقصود نہ ہو وہ مردود ہے تو اسے مسلمانوں اذی و منافق کو اس کی رضا مقصود نہیں ہوتی۔ وہ اپنا مال ریاکاری کے لیے خرچ کر کے ضائع کر دیتا ہے۔ اسی طرح تم احسان جتنا کرو اور ایذا دے کر اپنے صدقات و خیرات کے اجر و ثواب کو ضائع نہ کرو۔ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مَرَّةٍ سَوِيٍّ

غیر محتاج صحیح و سالم آدمی کے لیے صدقہ حلال نہیں
قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تم میں کسی کا رسی

لے کر اپنی پیٹھ پر لکڑی کا بوجھ اٹھانا اس سے بہتر ہے کہ وہ

خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ يَّثَاقِي رَجُلًا فَسَاكُهُ اَعْطَاهُ اَوْ مَنَعَهُ

دوسرے سے بھیک مانگے وہ اسے دے یا نہ دے

حضرت علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں اس پر عمل کرا کے دکھایا۔ ایک صحابی نے خیرات مانگی۔ فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے۔ عرض کی ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ ہے۔ آپ نے ان کو مشکوٰۃ کیلئے دیا اور ان کی قیمت سے سائل کو کلہاڑی خرید دی اور فرمایا جنگل سے لکڑی کاٹ لاؤ اور بیچو۔ انھوں نے اس پر عمل کیا، تو خدا نے ان کو برکت دی اور وہ گداگری کی رذالت سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئے۔ (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

حتیٰ کہ حضرت علیہ السلام نے بعض صحابہ کرام سے اس امر پر بیعت بھی لی کہ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے اور انہوں نے اس پر اس شدت سے پابندی کی کہ راستہ میں اگر کسی کا کوڑا گر جاتا تھا تو وہ بھی کسی سے نہیں کہتے تھے کہ اٹھا دو (ابوداؤد)

حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات اور نصیحتوں کا صحابہ کرام پر یہ اثر ہوا کہ وہ بھی جن کے پاس کچھ نہ تھا۔ غریبوں اور محتاجوں کی حاجت روائی کے لیے بیقرار رہتے۔ حتیٰ کہ اس غرض کے لیے ہزار جا کر بوجھ اٹھاتے اور اس سے جو کچھ ملتا اس کو راہِ خدا میں خیرات کر دیتے۔ (بخاری)

مثلاً کمثل صفوان، سے منافق ریاکار کے عمل کی مثال دی گئی ہے کہ جیسے پتھر پر مٹی ہو اور بارش سے وہ بہہ جاتے تو خالی پتھر رہ جاتا ہے کہ اب اس پر کوئی چیز جم نہیں سکتی۔ یہی حال منافق کے عمل کا ہے۔ بظاہر تو وہ عمل نظر آتا ہے۔ لیکن اس میں چونکہ خلوص اور اللہ کی رضا کا جذبہ نہیں ہوتا۔ اس لیے قیامت کے دن وہ عمل باطل قرار پائیگا۔ قرآن نے یہ مثال دے کر مسلمانوں پر اخلاص و دیانت کی اہمیت کو واضح کیا ہے کہ ایک مومن و مسلمان کا ہر عمل خلوص پر مبنی اور ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔



ایک ایساں افروز باطل سوز تاریخی واقعہ

بغداد سے ۴۴ میل دور ایک مقام کا نام مدائن تھا۔ جس کا موجودہ نام سلمان پارک ہے دائیں طرف تھوڑے سے فاصلے پر دریائے دجلہ بہتا ہے۔ یہاں حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے مزارات ہیں۔ موصوفہؓ کے مزارات کرام کے مزارات عراق کے شاہ فیصل اول کے دور میں دوبارہ تدفین کے بعد بنوائے گئے۔ اس سے پہلے یہ دونوں مزارات سلمان پارک سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر تھے۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی کنیت ابو عبد اللہ، قبیلہ غطفان، خاندان عبس تھا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابی تھے۔ ان کے اور ان کی والدہ دونوں کے لیے آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا مانگی تھی۔ حضرت حذیفہؓ غزوہ اُحد، غزوہ خندق کے علاوہ اور بھی کئی غزوات میں شریک ہوئے۔ عراق فتح ہونے پر حضرت عمرؓ نے آپ کو نواحِ دجلہ کے بندوبست کا افسر مقرر کیا تھا۔ ۳۲ھ میں آپ نے آذربائیجان فتح کیا۔ بعد میں مدائن کے حاکم بھی بنائے گئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بھی آنحضرتؐ کے برگزیدہ صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت بھی ابو عبد اللہ تھی، قبیلہ خزرج تھا۔ عقبہ ثانیہ میں والد سمیت مسلمان ہوئے تھے آنحضرتؐ کو جب قرض کی ضرورت ہوتی تو اکثر حضرت حذیفہؓ سے لیتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ بھی غزوہ اُحد میں شریک تھے اور کئی غزوات میں بھی شرکت کی۔ بیعت رضواں اور حجة الوداع کے موقع پر بھی آپ موجود تھے۔

ایک رات حضرت حذیفہؓ نے عراق کے شاہ فیصل اول سے خواب میں فرمایا تھا کہ

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

میرے مزار میں پانی اور حضرت جابر کے مزار میں نمی آنی شروع ہو گئی ہے لہذا ہم دونوں کو یہاں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے ذرا فاصلے پر دفن کر دیا جائے۔ بادشاہ اپنی مصروفیات کی بناء پر دن کو یہ خواب بھول گئے۔ دوسری شب خواب میں پھر وہی کہا گیا اور وہ پھر بھول گئے۔ تیسری رات عراق کے مفتی اعظم کو حضرت حذیفہؓ نے خواب میں وہی بات کہی کہ کہا کہ ہم دو راتوں سے بادشاہ سے کہہ رہے ہیں لیکن وہ مصروفیات کی وجہ سے بھول جاتا ہے۔ آپ بادشاہ سے کہئے کہ وہ ہم کو یہاں سے منتقل کر لے۔ مفتی اعظم نے اس وقت کے وزیر اعظم نوری السعید پاشا سے فون پر بات کی اور پھر تفصیلی ملاقات کر کے انہیں تمام حالات سے آگاہ کیا۔

نوری السعید پاشا، مفتی اعظم کو لے کر بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے واقعہ سُنانے کے بعد کہا کہ ہاں میں ان کے خواب میں تین بار دیکھ چکا ہوں اور انہوں نے مجھے بھی ہر بار یہی حکم دیا ہے۔ غرض اس موضوع پر آپس میں کافی بات چیت ہوئی اور مفتی اعظم نے صحابہ کرام کے حکم پر عمل کرنے پر زور دیا۔ لیکن بادشاہ نے کہا کہ پہلے احتیاطاً اس بات کی تصدیق کرا لی جائے کہ واقعی دریا کا پانی ان کے مزارات کی طرف آ بھی رہا ہے یا نہیں۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے عراق کے ماہر تعمیرات کے چیف انجنیر اور محلے نے مزارات سے دریا کے رخ پر ۲۰ فٹ کے فاصلے پر بورنگ وغیرہ کرا کر دیکھا۔ مفتی اعظم بھی وہاں موجود رہے۔ پورے دن کی تک دو دو کے بعد شام کو یہ رپورٹ دی گئی کہ پانی تو درکنار، کافی نیچے سے جو مٹی نکلی ہے اس میں نمی تک نہیں۔ اسی رات حضرت حذیفہؓ بادشاہ کی خواب میں پھر تشریف لائے اور اپنی بات دہرائی۔ لیکن بادشاہ کو چونکہ بورنگ وغیرہ کی رپورٹ مل چکی تھی۔ جس میں ماہرین اراضی نے بتایا تھا کہ پانی نہیں جا رہا۔ لہذا انہوں نے خواب نظر انداز کر دیا۔ اگلے رات حضرت حذیفہؓ مفتی اعظم عراق کے خواب میں تشریف لائے اور اب کی دفعہ ان سے سختی سے کہا کہ ہمارے

مزارات میں پانی گھسٹا چلا آرہا ہے۔ لہذا ہمیں جلد از جلد یہاں سے منتقل کرا دیں۔
صبح مفتی اعظم پھر گھبرائے اور پریشان حالت میں بادشاہ کے پاس پہنچے اور تمام
واقعہ بیان کیا۔

بادشاہ کچھ جھلا سا گیا اور کچھ ناراضگی و جھنجھلاہٹ کے عالم میں کہنے لگا کہ مفتی اعظم
آپ ماہرینِ اراضیات کی رپورٹ دیکھ چکے ہیں۔ خود بھی موقع پر آپ موجود تھے۔ پھر کیوں
مجھے پریشان کرتے ہیں اور خود بھی پریشان ہوتے ہیں۔ مفتی اعظم نے کہا۔ لیکن پھر بھی
مجھے اور آپ کو برابر یہ حکم دیا جا رہا ہے لہذا مزارات کھلوادیجئے اور انہیں دوسری جگہ
منتقل کر دیجئے۔ شاہِ عراق نے کہا۔ اچھا تو پھر آپ فتویٰ دے دیجئے۔ چنانچہ انہوں نے
فتویٰ دے دیا۔ یہ فتویٰ اور اس کے ساتھ شاہِ عراق کا یہ فرمان کہ عید الاضحیٰ کو ظہر کی نماز
کے بعد حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت جابر بن عبد اللہ کے مزارات کھولے جائیں
گے۔ اخبارات میں شائع کرا دیا گیا۔ اس فتویٰ اور فرمان کا شائع ہونا تھا کہ تمام عالمِ اسلام
میں جوش و خروش اور ہچل مچ گئی۔ رائٹرز نیوز ایجنسی اور دنیا کی دیگر نیوز ایجنسیوں کے ذریعے
یہ خبر تمام دنیا میں پھیل گئی۔

یہ جج کا زمانہ تھا اور تمام دنیا کے مسلمان کہ مغلہ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے صحابہ
کرام کے مزارات عید الاضحیٰ کے کچھ دنوں بعد کھولنے کی درخواست کی تاکہ وہ بھی شریک ہو
سکیں۔ شاہِ عراق کے لیے یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ ایک طرف تمام عالمِ اسلام کا اصرار اور
دوسری طرف خوابوں میں جلد از جلد مزارات کی منتقلی کی ہدایات۔ بالآخر کچھ انتظامات کرنے
کے بعد عید الاضحیٰ سے دس دن بعد کی تاریخ مزارات کی منتقلی کے لیے مقرر کی گئی۔ یمن
یعنی سلمانِ پاک میں عید الاضحیٰ کے بعد دس دنوں میں تقریباً پانچ لاکھ افراد جمع ہو گئے۔
اس میں ہر مذہب، فرقہ اور عقیدہ کے لوگ تھے۔ کئی ملکوں سے سرکاری وفد آئے۔ ترکی
کے کمال اتاترک کی نمائندگی ان کے ایک وزیر مختار نے کی۔ مصر کے شاہ فاروق جو اس وقت

دل ہمدتھے، نے بھی شہرت کی۔

آخر خدا خدا کر کے وہ دن آگیا۔ جس نے لوگوں کے دلوں میں پھیل چکا رکھی تھی۔ یہ پیر کا دن تھا۔ عراق کے شاہ فیصل اول، مفتی اعظم عراق، عراق کی پارلیمنٹ کے تمام ارکان، لاکھوں افراد کی موجودگی میں مزارات کو کھولا گیا تو واقعہً حضرت حذیفہؓ کے مزار میں پانی آ چکا تھا اور حضرت جابرؓ کے مزار میں نمی آپکی تھی۔ ایک کمین کے ذریعے جس میں پھاوڑے کے پھل کی طرح کا پھل تھا اور اس پر ایک اسٹریچر کس دیا گیا تھا۔ حضرت حذیفہؓ کی نعش مبارک کو زمین سے اس طرح اٹھایا گیا کہ ان کی نعش مبارک کرین پر نصب شدہ اسٹریچر پر خود بخود آ گئی۔ اسٹریچر کرین سے الگ کیا گیا اور شاہ عراق، مفتی اعظم، شہزادہ فاروق اور ترکی کے وزیر مختار نے کندھا دیا اور بڑی احتیاط و احترام سے شیشے کے ایک بکس میں رکھ دیا گیا۔ اسی طرح حضرت جابرؓ کی نعش مبارک کو قبر سے نکالا گیا۔ نعش ہٹے مبارک کا کھن، حتیٰ کہ ریش ہٹے مبارک کے بال تک صحیح حالت میں تھے۔ ان کو دیکھ کر ہرگز یہ اندازہ نہ ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال پہلے کی نعشیں ہیں۔ بلکہ یہ گمان ہوتا تھا کہ ان کو رحلت فرمائے دو تین گھنٹے ہوئے ہیں اور سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دونوں صحابہ کرام کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پراسرار چمک تھی کہ کئی لوگوں نے چاہا کہ وہ بار بار دیکھتے رہیں۔ لیکن ان آنکھیں اس چمک کے آگے ٹھرتی ہی نہ تھیں۔ ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں۔ جن آنکھوں نے حضور اکرمؐ کو دیکھا ہو وہ آنکھیں۔ سبحان اللہ۔ ایک شہرت یافتہ جرمن ماہر چشم نے یہ منظر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ بے اختیار ہو کر آگے بڑھا اور مفتی اعظم کا ہاتھ پکڑ کر اس نے کہا کہ اسلام کی حقانیت اور صحابہ کرام کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے اور اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

دونوں صحابہ کرام کی لاشیں شیشے کے بکسوں میں رکھی ہوئی تھیں اور ردنائی کی غرض سے چہروں پر سے کھن مبارک ہٹا دیا گیا تھا۔ عراقی فوج نے باقاعدہ سلامی دی۔

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

توپوں سے بھی سلامی دی گئی۔ مجمع نے نمازِ جنازہ پڑھی اور یہ تمام کارروائی پورے مجمع کو ۳۰ فٹ لمبی اور ۲۰ فٹ چوڑی سکریں پر بذریعہ ٹیلیوژن کبیرہ دکھائی گئی۔ جس کی وجہ سے تقریباً پانچ لاکھ افراد نے بڑے سکون سے تمام کارروائی دیکھی۔ ورنہ ہزاروں افراد زیارت کے شوق میں ریل پیل اور ہڑبونگ میں کچل کر مر جاتے۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے جنازوں کو پورے ادب و احترام کے ساتھ سلمان پاک کی طرف لے جایا جانا شروع کیا گیا۔ راستے میں ہوائی جہازوں نے غلطے لگا کر سلامی دی اور ان پر پھول برسائے۔ کئی جگہ جنازے رُکوائے گئے اور تقریباً چار گھنٹے بعد یہ جنازے سلمان پاک، حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار کے پاس پہنچے۔ یہاں بڑے فوجی حکام نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ سفرار نے پھول بچھا دیے اور انہیں افراد نے جنہوں نے لاشوں کو سب سے پہلے کوہن سے اتار اٹھا، پورے ادب و احترام کے ساتھ، قبروں میں جو پہلے سے تیار تھیں رکھا اور اسی طرح توپوں کی گرج بینڈوں کی گونج اور اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کے درمیان ان صحابہ کرام کو سپرد خاک کر دیا۔ اس موقع پر اور اس واقعہ کو دیکھ کر اتنے لوگ خدا اور اس کے دین کی نیکی پر ایمان لے آئے کہ جس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ اگلے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کی فلم دکھائی گئی۔

یہ واقعہ نوائے وقت لاہور نے اور پاکستان کے متعدد اخبار و رسائل اور غیر ملکی عربی و انگریزی جرائد نے بھی شائع کیا۔ خصوصاً عراق کی اس وقت کی حکومت نے اس واقعہ کی فلم بھی بڑائی۔



مہر کہ عشقِ مُصطفیٰ سامانِ دوست
بحرِ دُرِ درگوشہٗ دامانِ دوست

خارجی — اور خارجی ذہنیت

ایک جماعت ہاتھوں میں قرآن اٹھاتے ہوئے ہے۔ تہجد کے نشان ان کی پیشانیوں پر ہیں۔ یہ خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے جنگ کے لیے اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ ان کے زعم باطل میں معاذ اللہ وہ کافر ہو گئے ہیں۔ وہ کون ہے جسے یہ بد بخت دائرہ اسلام سے خارج کر رہے ہیں۔ وہ جس کی شمشیر اور تقریر نے نہ معلوم کتنے کفار کو مسلمان بنایا تھا اور جس کی نسبت ارشاد نبوی ہے:-
علی تمہیں میرے ساتھ وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔

اور جس کو اُمت باب العلم کہتی ہے اور جس کو کل دور کفر میں مسلم اول کہا جاتا تھا۔ آج اسلام کے زمانہ میں خود اسی کی خلافت میں اس پر کفر کا الزام لگایا جا رہا ہے یہ گروہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنی جاہلانہ وعامیانہ فہم کی بنا پر گمراہ ویسے دین قرار دے کر ان سے آمادہ جنگ ہوا ہے انہیں خارجی کہتے ہیں۔ خوارج کا نقطہ ضلالت یہی تھا کہ جو آیات کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں۔ وہ اس موضوع کی دوسری آیات سے صرف نظر کر کے انہیں مسلمانوں کے حق میں قرار دے کر مسلمانوں سے وہ معاملہ اور برتاؤ کرتے تھے جو اصلی کافروں سے کیا جاتا ہے۔ انہیں کے متعلق زبان نبوت نے اشارہ فرمایا تھا:-

یہ قرآن تو بہت تلاوت کریں گے مگر قرآن صرف ان کی زبانوں پر ہوگا
ان کے دل آیات الہیہ کے صیح فہم سے محروم ہوں گے۔
دوسری علامت ان کے جمل کی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ بت پرستوں کو چھوڑ کر

اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ علامہ حافظ عبدالبر نے جامع بیان العلم میں ان کی سرگزشت اس طرح لکھی کہ جب خواجه حضرت علیؑ پر پڑھائی کر کے آئے تو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے امیر المومنین دیکھیے یہ جہل لوگ آپ کے مقابلہ میں آمادہ پیکار کھڑے ہیں۔ آپ نے جواب دیا پہلے انہیں جنگ شروع کر لینے دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک دن میں نے عرض کیا آج ذرا تاخیر سے نماز ادا کیجئے۔ میں ان لوگوں سے گفتگو کر لوں۔ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بھیڑ لگ رہی ہے۔ شب بیداری کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہی مائل ہیں، مسجدوں کے نشان پیشانیوں پر ہیں اور اونٹ کے گھٹنوں کی طرح ٹمکیں پڑ گئی ہیں۔ دھلی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا تو بولے ابن عباس کیسے آئے، اور یہ حلقہ کیسا پہن رکھا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ تمہیں اس حلقہ پر کیا اعتراض ہے۔ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر اچھے یعنی کپڑے دیکھے ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی قل من حرم زینۃ اللہ الستی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق آپ کہہ دیجئے کہ یہ زینت اور اچھی اچھی غذائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہیں کس نے حرام کیں۔

پھر انہوں نے دریافت کیا کہو کیوں آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور ایک ایسی جماعت کے پاس سے آرہا ہوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور جن میں قرآن نازل ہوا تھا اور تم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، میری آمد کا مقصد یہ ہے کہ ان کی باتیں تم تک اور تمہاری باتیں ان تک پہنچا دوں۔ انہوں نے آپس میں کہا ان سے بات مت کرو کیونکہ یہ قریشی ہیں اور ان کے حق میں قرآن کہتا ہے بل ہم قوم خصمون بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں۔ بعض نے کہا کہ ہم ضرور گفتگو کریں گے۔ اس

کے بعد ان میں سے دو تین شخص سامنے آئے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت علی پر تمہیں کیا اعتراض ہے۔ انہوں نے کہا تین اعتراض ہیں۔ میں نے کہا۔ بتاؤ۔ انہوں نے کہا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے دین معاملہ میں انسانوں کو حکم بنایا۔ حالانکہ قرآن کریم میں ہے ان الحکم الا للہ فیصلہ صرف خدا کا ہے۔ میں نے کہا۔ چار ایک بات ہوئی اور بولو۔ کہنے لگے۔ حضرت علی نے حضرت عائشہ سے جنگ کی۔ پھر نہ کسی کو قید کیا اور نہ مالِ غنیمت لوٹا۔ اب ان کی جماعت مسلمان عقی تو ان سے جنگ کیوں کی۔ پھر نہ کسی کو قید کیا اور نہ مالِ غنیمت لوٹا۔

اور اگر کافر عقی تو جس طرح ان

کے ساتھ جنگ درست تھی قید کرنا بھی درست تھا۔ میں نے کہا اچھا اور کچھ بولے۔ تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنا نام امارت سے کیسے مٹایا۔ اس لیے اگر وہ مومنین کے امیر نہیں تو یقیناً کافروں کے امیر ہوئے۔

میں نے کہا اگر میں ان سب باتوں کا نہیں خود قرآن و سنت سے ہی جواب دیوں تو کیا واپس چلے جاؤ گے انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس پر میں نے کہا اچھا تو سنو! پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ خود قرآن ہی میں دوسروں کو حکم مقرر کرنے کا حکم موجود ہے۔ چنانچہ حالتِ احرام میں کوئی شخص شکار کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جزا مقرر کی ہے اور اس کا فیصلہ دو منصف مسلمانوں پر رکھا ہے۔ جو وہ کہہ دیں گے وہی قابلِ تسلیم ہو جائے گا۔ اسی طرح خلع میں طرفین کے دو شخص بلا کر فیصلہ ان کی رائے پر رکھ دیا ہے۔ اب تم ہی انصاف کرو کہ جب جانوروں اور عورتوں تک کے معاملات میں مسلمانوں کا فیصلہ قابلِ تسلیم سمجھا گیا ہے تو مسلمانوں کے جانی معاملات میں کیوں قابلِ تسلیم نہیں ہوگا اب بتاؤ تمہارا یہ اعتراض جاتا رہا یا نہیں۔ کہنے لگے۔ جی ہاں۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ بتاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمہاری ماں تھیں

یا نہیں۔ اگر انکار کرتے ہو تو کافر ہوتے ہو اور اقرار کرتے ہو تو کیا قید کرنے کے بعد ان کے ساتھ وہ سب معاملات درست رکھو گے جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ جائز ہوتے ہیں اگر اس کا اقرار کرتے ہو تو بھی کافر ہو۔ کہو اس پر تمہارا کوئی اعتراض ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا کہ اب تیسری بات کا جواب سنو۔ صلح حدیبیہ میں ابوسفیان و ہیل کے اصرار پر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام سے رسول اللہ کا لفظ محو کرنے کا امر نہیں فرمایا تھا۔ پھر اگر حضرت علی نے اپنا نام امارت سے علیحدہ کر دیا تو کیا ہوا۔

سوال و جواب کے بعد ان میں دو ہزار اشخاص تو واپس ہو گئے اور جو وہ گئے وہ قتل کر دیتے گئے۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۰۴)

خارج نے رجم کے حد ہونے پر عیب جوئی کی اور دعویٰ کیا کہ قرآن کریم میں کڑوں کے علاوہ کسی سزا کا ذکر نہیں۔ انہیں جمہور امت کی اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ حنفیہ عورت روزہ کی قضا کرے مگر نماز کی نہیں حالانکہ نماز کا معاملہ اہم تر ہے۔ خارج کی اس ذہنیت کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان سے پوچھا تو کیا تم صرف کتاب اللہ کو مانتے ہو؟

بولے جی ہاں — حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو اچھا فرض نمازوں کی تعداد، نماز کے فرائض، تعداد اور رکعات اور اوقات صلوٰۃ کو تم نے کس جگہ کتاب اللہ میں لکھا ہوا دیکھا؟ اور یہ بھی بتاؤ کہ زکوٰۃ کی مقدار۔ نصاب کا تعین اور زکوٰۃ کے وجوب کے لیے اموال کا تعین کتاب اللہ میں کہاں سے ثابت ہو گئے؟ ان سوالات کا فی الحقیقت خارج کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مجبوراً جواب کے لیے مہلت مانگی جو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیدی مگر اس کا جواب مہلت مانگنے سے حل ہونے والا نہ تھا۔ چنانچہ وہ دوبارہ آئے تو اقرار کیا کہ قرآن میں یہ چیزیں موجود نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا تو پھر اس پر عمل کیوں کرتے ہو۔ کہنے لگے

اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور آپ کے بعد مسلمان ایسا ہی کرتے چلے آئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا۔ بس ایسا ہی رجم اور روزوں کی قضا کو سمجھ لو۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین نے رجم کیا اور رجم کرتے آئے۔ اور پھر شبہ کی کیا گنجائش، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کی قضا کا حکم دیا نمازوں کی نہیں اور آپ کی ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام کی عورتوں نے اس پر عمل کیا اور اب تک عورتیں عمل کرتی چلی آرہی ہیں آج بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ اصول جوابِ خوارج اور اہلِ باطل کے تمام شبہات کا تسلی بخش جواب کی حیثیت رکھتا ہے۔

نہروان کی لڑائی میں خارجیوں کو تو ختم کر دیا گیا۔ مگر خارجی ذہنیت ختم نہ ہو سکی بلکہ نیت نئے روپ و ہار کر سامنے آتی رہی۔ خارجیت کی ابتداء اس بات سے ہوئی کہ جنگِ صفین میں حضرت علی کے ان ساتھیوں نے جو بعد میں خارجی کہلائے جنابِ امیر کو مجبور کیا کہ وہ قرآنِ پاک کو حکم مائیں۔ لیکن جب حضرت امیر نے قرآنِ پاک کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے دو اشخاص کا تقرر منظور فرمایا اور ان میں سے ایک کو نامزد کیا تو یہی لوگ نہ صرف آپ کے خلاف ہو گئے بلکہ آپ سے الگ ہو کر خارجی کہلائے وہ اتنا نہ سمجھ سکے کہ آخر قرآنِ پاک کے مطابق فیصلہ تو کوئی آدمی ہی کرے گا۔ یہ ہے خارجی ذہنیت کی ابتداء۔ معاملہ کے غلط پہلو کو نظر انداز کرنا۔

مشہور واقعہ ہے۔ ایک عالم اپنے ساتھی سمیت خارجیوں کے ہتھے چڑھ گئے وہ انہیں اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ راستے میں عالم نے اپنے ساتھی سے کہا۔ مجھے بات کرنے دینا۔ تم نہ بولنا۔ خارجی سردار نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ گرفتار شدہ عالم نے کہا۔ ہم مشرک ہیں۔ اس نے کہا۔ ادھر کیسے آئے۔ جواب ملا۔ قرآنِ پاک

ٹٹنے کے لیے۔ اس کے بعد اس عالم نے قرآن پاک کی وہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے
”اور مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے، تو اسے پناہ دو۔ یہاں تک کہ اللہ کا کلام
سُن لے۔ پھر اسے اس کی امن کی جگہ (محفوظ مقام پر) بھیج دو۔“ (۲۱۹) خارجی
سردار نے انہیں قرآن پاک کی آیات سنائیں۔ پھر اپنے آدمی ساتھ دیئے۔ جو انہیں محفوظ
مقام تک چھوڑ آئے۔ اگر وہ کہتے کہ ہم مسلمان ہیں، تو خارجی بے دریغ ان کے سر
اڑا دیتے۔

یہ خارجی ذہنیت کا دوسرا پہلو ہے مسلمانوں کو یہ کہہ کر قتل کر دینا کہ وہ مسلمان
نہیں، مُرتد نہیں۔ مشرک ہیں، بدعتی ہیں۔ بعد میں دنیا سے اسلام کے اندر اصلاح
کے نام پر کئی ایسی تحریکیں چلیں۔ جنہوں نے بھاد اور تبلیغ کا رُخ غیر مسلموں کی طرف سے
ہٹا کر مسلمانوں کی طرف پھیر دیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خوارج کے متعلق ایک سوال کے
جواب میں فرمایا :-

تَرَاهُمْ شُرَكَاءَ خَلَقَ اللَّهُ إِنَّهُمْ أَنْطَلِقُوا إِلَى آيَاتِ
الْمُزِيلَاتِ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوا مَا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
(المختصر في أصول فقہ ۲۹)

تم ان کو دیکھتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں شدید تر لوگ ہیں۔ بیشک
انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جو آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ ان
کو مومنوں پر منطبق کرنے لگے۔

افسوس آج بھی پاکستان میں ایک مسلم ملک کی امداد و اعانت سے لاکھوں کی تعداد
میں ایسی کتابیں اور رساکی تقسیم کیے جا رہے ہیں جو خارجی ذہنیت کے آئینہ دار ہیں اور
جن میں بات بات پر اپنی نافرمانی و جہالت کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر و مشرک بنایا جا رہا ہے،

جب مسجد میں داخل ہو تو حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر درود پڑھو

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ
الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ
اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ فَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ
إِلَيَّ أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۷)

حضرت ابراہیم انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تم میں سے جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی علیہ السلام پر درود پڑھے۔ اس
کے بعد یہ کہے الٰہی میرے لیے رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مجھے
باہر آئے تو یہ کہے الٰہی میں تجھ سے تیرا فضل چاہتا ہوں۔



نظام الدین محبوب الٰہی | حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی کا جب انتقال
ہوا۔ جنازہ لے جایا جا رہا تھا۔ خلقت کا ہجوم بے پناہ

تھا۔ جنازہ کے ہمراہ حضرت سعدی شیرازی کے یہ شعر کسی نے پڑھے۔

سرو سینا بصرا میردی یک بد عہدی کہ بے ما میردی

اے تماشا گاہِ عالم رفتے تو تو کجا بہر تماشا میردی

کہتے ہیں کہ اس شعر پر محبوب الٰہی علیہ الرحمہ کو وجد آگیا۔ جنازہ کو حرکت ہوئی اور آپ

نے عالم وجد میں ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ جنازہ رکھا گیا۔ ایک بزرگ آگے بڑھے۔ عرض کی

محبوب الٰہی! یہ مقام وجد نہیں ہے۔



حقوق العباد کی اہمیت

اسلام کامل اور مکمل دین ہے اور اس کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ یہ حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ حضور سرورِ عالم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی زندگی کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں۔ انہیں بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، یعنی بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے اور اس باب میں ان کے فرائض کیا ہیں؟

دوسرا حصہ وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ جس میں اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ بندوں پر دوسرے بندوں کے اور عام مخلوقات کے کیا حقوق ہیں اور اس دنیا میں جب ایک انسان کا دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق سے واسطہ اور معاملہ پڑتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا کیا رویہ ہونا چاہیے اور اس باب میں اللہ کے احکام کیا ہیں۔ یہاں یہ خصوصی طور پر قابلِ ذکر بھی ہے اور غور و فکر کی مستحق بھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی یا تقصیر ہو جائے تو وہ غفور الرحیم ہے۔ اگر چاہے تو اپنے حقوق کو خود معاف فرما دے، لیکن اگر ایک بندہ کسی بندہ کی حق تلفی کرتا ہے یا ظلم و زیادتی کرتا ہے تو اس کی معافی اور اس سے نجات و سبکدوشی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے یوں مقرر فرمایا۔ یا تو حقدار کا حق ادا کر دیا جائے یا اس سے معافی حاصل کر لی جائے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی بات اس دنیا میں نہ ہو سکی تو آخرت میں لازماً اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

حقوق العباد کی اہمیت اور اس معاملہ میں کوتاہی کی سنگینیت کا اندازہ حضور

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا جس کسی نے اپنے کسی بھائی، ظلم و زیادتی کی ہو۔ اس کی آبروریزی کی ہو یا کسی اور معاملہ میں اس کی حق تلفی کی ہو تو اس کو چاہیے کہ آج ہی اور اسی زندگی میں اس سے معاملہ صاف کر لے۔ آخرت کے اس دن کے آنے سے پہلے جب اس کے پاس ادا کرنے کے لیے دینار و درہم کچھ بھی نہ ہوگا۔ اگر اس کے پاس اعمالِ صالحہ ہوں گے تو اس کے ظلم کے بقدر مظلوم کو دلا دیئے جائیں گے اور اگر وہ نیکیوں سے بھی خالی ہاتھ ہوگا تو مظلوم کے کچھ گناہ اس پر لا دیئے جائیں گے۔ (بخاری)

بیہقی کی حدیث میں آپ کا ارشاد ہے۔ گناہوں کی ایک فہرست وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ انصاف کے بغیر نہ چھوڑے گا۔ وہ بندوں کے باہمی مظالم اور حق تلفیاں زیادتیاں ہیں۔ ان کا بدلہ ضرور دلایا جائے گا۔ (بیہقی) قرآن پاک میں ارشادِ باری ہے :-

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم کرتا ہے
سورۃ نحل میں فرمایا :-

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا
بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے
حوالے کر دو۔

ان دونوں آیتوں کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس میں ہر قسم کے معاملات خواہ ان کا تعلق معاش و مال سے ہو یا باہمی نزاعات سے، جیسے تجارت، تجارت، قرض، ہبہ، وصیت، قضا، شہادت، وکالت اور محنت و مزدوری ان معاملات میں عدل و انصاف سے کام لینے اور امانت و دیانت کا دامن

تھامے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح امانت کا تعلق صرف مالی اشیاء ہی سے نہیں ہے۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ قانونی، اخلاقی اور مالی امانت تک وسیع ہے۔ اگر کسی کا بھید آپ کو معلوم ہے تو اسے چھپانا اور اسے رسوائی سے بچانا بھی امانت ہے۔ کسی مجلس میں آپ نے دوسروں کے متعلق باتیں سن لیں تو اسے اسی مجلس تک محدود رکھنا اور دوسروں تک پہنچا کر فتنہ و فساد کھڑا کرنے کا باعث نہ بننا بھی امانت ہے اور اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کا ملازم ہے تو اسے نوکری کی شرائط کے مطابق اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنا اور اسے انجام دینا بھی امانت ہے۔

قرآن مجید میں اچھے مزدور کی تعریف ”الْقَوِیَّ الْاٰمِیْنَ“ کے الفاظ سے بیان کی گئی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مزدور میں دو صفات کا ہونا ضروری ہے۔ اول یہ کہ وہ قوی ہو یعنی جس کام کے کرنے کی اس نے ذمہ داری قبول کی ہے۔ اس کام کو کر سکے۔ دوسرے امین ہو یعنی کام کرنے میں امانت و دیانت کا دامن تھامے رکھے۔ اور پوری ذمہ داری سے اپنے فرائض کو ادا کرے۔ آج کے دور میں مزدور اور کارخانہ دار کی کشمکش جس خطرناک موڑ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ مزدور حضرات اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے اور کام کے بغیر زیادہ سے زیادہ معاوضہ اور مراعات حاصل کرنے کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور کارخانہ دار مزدور کو اس کی پوری مزدوری ادا کرنے میں حیل و حجت کرتے ہیں اور شرائطِ ملازمت کا لحاظ و پاس نہیں کرتے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدور کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو (ابن ماجہ) اور بخاری شریف کی حدیث میں ارشاد ہے :-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین شخص وہ ہیں جن کا قیامت کے دن میں خصم ہوں گا۔ یعنی ان سے مطالبہ کروں گا۔ ایک وہ جس نے میرا نام لے کر معاہدہ کیا۔ پھر اس

عہد کو توڑ دیا۔ دوسرا وہ جس نے آزاد کو بیچا اور اس کا ثمن کھایا۔ تیسرا وہ جس نے مزدور رکھا اور اس سے پورا کام لیا اور اس کی مزدوری نہیں دی۔
بہر حال معاشرہ میں توازن و اعتدال کے قیام اور طبقاتی کشمکش کے مکمل استیصال کے لیے یہ ضروری ہے کہ مزدور اور کارخانہ دار دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول نے جو ہدایات دی ہیں ان پر پوری دیا ننداری کے ساتھ عمل کریں۔

فضائل و برکات قرآن

حضور سرور انبیاء حبیب کبریٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو پیشگاہِ الہی سے جو معجزات و آیات اور دلائل و براہین عطا ہوئے۔ ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے۔ جب کفار نے حضور سے معجزہ طلب کیا تو سورۃ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا۔

کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے
اس پر کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر
سنائی جاتی ہے۔

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا
عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ
عَلَيْهِمْ

دیگر انبیاء کرام کے معجزات کو وہ شان و شوکت حاصل نہیں ہے۔ جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو مل ہے تو ریت و انجیل اور زبور آیات و بیانات کا خزینہ یقین۔ مگر انھیں دوام اثبات نہ مل سکا، ان آسمانی کتابوں میں تغیر و تبدل، تحریف و نقصان پیدا ہو گیا۔ برخلاف اس کے قرآن مجید حضور علیہ السلام کا وہ عظیم

و جلیل ————— معجزہ اعظم ہے جو قیامت تک دنیا میں قائم و باقی ہے گا اور اس کے اثرات بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔ دیگر انبیاء کرام کو جو معجزات عطا ہوئے ان میں سے کسی بھی معجزہ کی اللہ تعالیٰ نے تحدی نہیں فرمائی۔ یہ فضل و شرف اور اکرام و اجلال تو صرف حضور ہی کے معجزہ عظیم قرآن مجید کو حاصل ہے۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدی فرمائی ہے اور اعلان عام کیا ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز و درماندہ رہے گی۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا۔ اگر تمام جن و انس مل کر بھی چاہیں کہ اس لَآ یَا تُؤَنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیرًا وہ ایک دوسرے کی مدد پر کیوں نہ ہوں۔ (بنی اسرائیل ۱۰)

تاریخ شاہد ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزر گئے۔ ان تیرہ صدیوں کے دن، مہینے اور سالوں میں ایک بھی تو ایسی آواز نہ بلند ہو سکی جو قرآن کی مثال لاسنے کی مدعی ہو۔ اسی طرح یہ خصوصیت اور عظمت بھی صرف اور صرف حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معجزے، قرآن مجید کے حصہ میں آئی ہے کہ اس آسمانی کتاب کی حفاظت و صیانت کی ذمہ داری خود رب العلمین جل جلالہ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ سورہ میں فرمایا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ ————— ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا ہے اور وَ اِنَّا لَکُمْ لَحَافِظُوْنَ ہم ہی اس کی حفاظت بھی ضرور کریں گے۔ قرآن مجید کے وجود و اعجاز کے بیان و اظہار کے لیے دفتر و کار ہے بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن کی معجزانہ شان کے وجود کو بیان کرنا ناممکن ہے۔ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت الفاظ کی شیرینی اور تاثیر، عربیت، حسنِ کلام، معنی آفرینی، عمیق فلسفہ، قوت جذبہ مضامین میں عدم اختلاف، ہدایت و رہنمائی کا موثر انداز، تفہیم و ترجمانی کے لیے تشبیہ و استعارہ، قصص اور امثال کا استعمال، یہ سب امور قرآن مجید کی معجزانہ شان کے آئینہ دار ہیں۔

دنیا میں جو کچھ ہے خواہ اس کا تعلق عالم شہادۃ سے ہو جیسے انبیاء کرام، کعبہ،

قرآن مجید کی عظمت و فضیلت

حجرِ اسود، مقامِ ابراہیم، روضہ نبوی اور خواہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہو جیسے لوح و قلم، عرش و کرسی، جنت اور اللہ کے مقرب فرشتے یہ سب معظم و متبرک اور مقدس ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ لیکن قرآن مجید مخلوق نہیں اور نہ ذاتِ باری سے کوئی الگ چیز ہے۔ قرآن مجید تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو اس کی ذاتِ احدس کے ساتھ قائم ہے۔ اس لیے قرآن تمام مخلوقاتِ الہیہ سے افضل و برتر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا کرم ہے کہ اس نے اپنے طیب و طاہر رسولِ امین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ وہ کلامِ ہمہ تمک پہنچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کلامِ الہی کو پڑھ سکیں۔ — حدیث قدسی میں ارشاد ہے :-

وَفَضَّلَ كَلَامَ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضَّلَ اللَّهُ عَلَى
اور کلامِ الہی (قرآن) کو دوسرے کلاموں پر ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی اپنی

خَلْقِهِ (تومذی) مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قرآن جل اللہ المتین۔ اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ۔ حکم نصیحت نامہ، صراطِ مستقیم اور حقِ مبین ہے جو شخص قرآن کے بغیر ہدایت کو تلاش کرے گا۔ اس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئیگا۔ (ترمذی)
وَأَمَلُوهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ دن اور رات میں قرآن کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بنی آدم کے قلوب پر اسی طرح زنگ بڑھ جاتا ہے۔ جیسے پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا۔ حضور دلوں کے اس زنگ کو دور کرنے کا ذریعہ کیا ہے :-

قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ (بیہقی)
فرمایا موت کو زیادہ یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔

فضائل قرآن | حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑنا ہوں جس میں نور اور ہدایت ہے۔

فَخَذُوا بِكِتَابِ اللَّهِ وَانصَحُوا
تو اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو

(مسلم)

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا جس شخص کو قرآن خوان کا شغل دُعا سے روک دے میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔ کلام الہی کی بزرگی تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی تمام مخلوق پر۔

فین فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو قیامت کے دن اس کے والد کو ایک

النَّاسِ وَالْإِذْ تَأْجِبُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
ایسا چمکتا ہوا تاج پہنایا جائے گا جس

صَوْنُهُ أَحْسَنُ مِنْ شَوْهَدِهِ
کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ

ہوگی۔

الشَّخْصِ - (ابوداؤد)

جس نے قرآن پڑھا اور اس کو یاد کیا اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا تو اللہ اس کو

جنت میں داخل فرمائے گا۔

وَشَقَّعَ فِي عَشْرَةِ قِن
اور اس کی شفاعت اس کے اہلبیت

أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ
کے ایسے افراد کے حق میں قبول کی جائے

قَدْ وَجِبَتْ لَهُ الْمَنَازِلُ
گی جن کے لئے دوزخ واجب ہو

چکی ہے۔

(ترمذی)

قیامت کے روز قرآن رب العالمین کے دربار میں عرض کرے گا۔ میرے پڑھنے والے کو زینت

دے تو حافظ کو تاج کرامت پہنایا جائے گا۔ پھر عرض کرے گا الہی اور زیادہ فرما! حافظ کو کرامت

کا جوڑا پہنایا جائے گا۔ پھر عرض کرے گا۔ الہی اس سے راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ

راضی ہو جائیگا اور فرمائیگا۔ وَيُزَادُ بِكُلِّ آيَةٍ حَسَنَةً (ترمذی)

ایک ایک آیت پڑھتا جا اور درجے حاصل کرتا رہا۔

وہ شخص جس کے سینے میں قرآن نہ ہو وہ دیران مکان کی طرح ہے۔ (ترمذی)
الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ
الْكِرَامِ الْبَرَةِ (بخاری)
قرآن کا ماہر جنت میں رسل مائیکہ کے
ساتھ ہوگا۔
خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ
وَعَلَّمَهُ (بخاری)
تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن پڑھے
اور قرآن پڑھائے۔

فضائل و برکات قرآن

سے متعلق چند احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

”تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے
(بخاری) دو آدمی قابل رشک ہیں۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی
اور وہ دن اور رات اسی میں لگا رہتا ہے۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے دولت دی اور وہ
دن اور رات میں راہِ خدا میں اس کو خرچ کرتا ہے (مسلم) قرآن کو دلچسپی کے ساتھ پڑھو اور
اس میں تدبر کرو فلاح پاؤ گے (بیہقی) قرآن کے ماہر اس کی تلاوت کرنے والے اس
کا درس دینے والے کو قیامت کے دن انبیاء و رسل عامل وحی فرشتوں (سفرة
الکرام) کی معیت و رفاقت حاصل ہوگی (بخاری و مسلم) سورہ فاتحہ ایسی عظیم البرکت
سورہ ہے کہ اس درجہ کی کوئی سورت کسی پہلی آسمانی کتاب میں نازل نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ
قرآن میں بھی اس درجہ کی کوئی دوسری سورت نہیں ہے (ترمذی) آیت الکرسی تمام آیات
قرآنیہ کی گویا سردار ہے (ترمذی) جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے اس میں شیطان نہیں
آسکتا۔ (ترمذی) سورہ تبارک نے ایک بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش
کی حتیٰ کہ وہ بخش دیا گیا (نسائی و ابن ماجہ و ترمذی) سورہ زلزال نصف قرآن کے برابر۔
قل هو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر اور قل یا ایہا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر
ہے (ترمذی) سوتے وقت سورہ کافرون پڑھنے والا شرک سے محفوظ رہے گا (مسلم)
سورہ قل هو اللہ سے محبت جنت میں پہنچا دے گی (ترمذی) سونے سے قبل

سورہ قل هو اللہ سو دفعہ پڑھنے والے سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے میرے بندے آپ نے دہننے ہاتھ سے جنت میں چلا جا (ترمذی) جو شخص کسی رات سورہ آل عمران کا آخری رکوع پڑھے گا۔ اس کے لیے پوری رات کی نماز کا ثواب لکھا جاتے گا (دارمی)

مندرجہ بالا احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص سورتوں کے فضائل ارشاد فرما کر اس امر کی طرف امت کو متوجہ فرمایا ہے کہ جو لوگ قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت نہیں کر سکتے وہ ان مخصوص سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کے ذریعہ بڑے اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے قابل ہو سکتے ہیں۔

خاص خاص آیتوں اور سورتوں کے فضائل و برکات | حضور سید عالم نور عظیم صلی اللہ

علیہ وسلم نے خاص خاص سورتوں اور آیتوں کے فضل و برکات جن احادیث میں ارشاد فرمائے ہیں۔ ان میں سے چند احادیث کا خلاصہ یہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا :-

سورۃ فاتحہ | مجھے اس ذات مقدس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ سورۃ فاتحہ کے مرتبہ کی کوئی سورت نہ تو توریت

میں ہے نہ انجیل میں۔ نہ زبور میں اور نہ قرآن میں (ترمذی) یعنی سورۃ فاتحہ ایسی عظیم الشان اور عظیم البرکت سورت ہے کہ اس درجہ کی سورت کسی آسمانی کتاب میں نازل نہیں ہوئی اور قرآن میں اس درجہ کی کوئی دوسری سورت نہیں ہے۔ سورہ فاتحہ قرآن کے تمام مضامین کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے اسے ام القرآن بھی کہتے ہیں۔

معوذتین | نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ آج رات جو کہیں

مجھ پر نازل ہوئی۔ ان کی مثل نہ کبھی دیکھی گئیں اور نہ سنی گئیں۔ (اور وہ) قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں (مسلم) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک سفر

میں تھا۔ حشفہ اور ابوعا کے درمیان اچانک اندھی آگئی اور سخت اندھیرا
چھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں سورتیں (معوذتین) پڑھ کر اللہ
تعالیٰ سے پناہ مانگنے لگے (ابوداؤد) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم علیہ السلام جب رات کو آرام فرمانے
کے لیے اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا لیتے اور
قل هو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس
پڑھتے اور اپنے ہاتھوں پر پھونکتے اور جہاں تک ممکن ہوتا اپنے سر مبارک اور
چہرہ اقدس اور جسم پر ہاتھ پھیرتے۔ (بخاری)

سورہ زلزال۔ کافرون۔ اخلاص | سورہ اذان لزلزلت نصف قرآن کے برابر ہے اور

قل هو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یا ایہا الکفرون
چوتھائی قرآن کے برابر ہے (ترمذی)

قل هو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے (تو جس نے یہ سورہ رات
میں پڑھی اس نے گویا تہائی قرآن پڑھ لیا (مسلم)
جو شخص سونے سے قبل سو مرتبہ قل هو اللہ احد پڑھے تو قیامت کے
دن اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا۔ اے میرے بندے اپنے داہنے ہاتھ پر جنت
میں چلا جا۔ (ترمذی)

سورۃ الکہف، لیسین، سورہ تبارک، سورہ تکواث | ۱۔ جو شخص جمع کے دن

سورۃ کہف پڑھے۔ اس کے لیے نور روشن ہو جائے گا دو جموں کے درمیان
(بیہقی)

جس نے اللہ کی رضا کے لیے سورۃ لیسین پڑھی۔ اس کے پچھلے گنا
معاف کر دیئے جائیں گے۔ فَاَقْرَبُوا وَهَابِعِنْدَ هُوَ تَاَكُمُ تَرَبَارَكُ

سورۃ مرنے والوں کے پاس پڑھا کرو۔ (بیہقی) عند موت اکبر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ مرنے والے کے پاس اس کے آخری وقت میں سورہ پڑھی جائے جیسا معمول ہے دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قبر پر یہ سورت پڑھی جائے تاکہ اس کی مغفرت کا وسیلہ بن جائے ۳۔ جو شخص علی الصبح سورہ یسین کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرمائے گا (دارمی) ۴۔ قرآن پاک کی ایک سورۃ جو تیس آیتوں پر مشتمل ہے اس نے ایک بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کے سفارش کی۔ حتیٰ کہ وہ بخش دیا گیا اور وہ سورہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔ (ترمذی) ۴۔ سورہ المہاکمہ التکاثر کی تلاوت کا ثواب قرآن مجید کی ایک ہزار آیتوں کی تلاوت کے برابر ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جو **آل عمران** شخص کسی رات کو آل عمران کی آخری آیات پڑھے گا اس کے لیے پوری رات کی نماز کا ثواب لکھا جائے گا (دارمی) آخر آل عمران سے مراد ان فی خلق السموات والارض سے ختم سورہ تک کی آیات مراد ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا۔ سورہ بقرہ **سورہ بقرہ** کی آخری آیتیں (آمن الرسول سے ختم سورہ تک) یہ آیتیں اللہ عزوجل کی رحمت کے ان خاص الخاص خزانوں میں سے ہیں جو اس کے عرش عظیم کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات رحمت اس امت کو عطا فرمائی ہیں۔ یہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اور خیر کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ (دارمی) سورہ بقرہ کی آخر کی آیات جس نے تہجد میں پڑھیں۔ اس کے لیے یہی کافی ہیں (بخاری و مسلم) — قرآن میں سب سے بلند و بالا

سورہ بقرہ ہے اور اس میں آیت الکرسی تمام آیات قرآنی کی سردار ہے۔ جس گھر میں (خاص طور پر) سورہ بقرہ پڑھی جائے۔ اس گھر میں شیطان نہیں آ سکتا۔ (ترمذی)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جس نے قرآن مجید کا ایک حرف پڑھا۔ اس نے ایک نیکی کمالی اور یہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے :-

لَا أَقُولُ "الْحَمْدُ" حَرْفٌ - أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَا وَ حَرْفٌ وَ هِیْمٌ حَرْفٌ (ترمذی)

میں یہ نہیں کہتا کہ الہم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے۔ لام ایک حرف ہے اور یم ایک حرف۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ بندہ اخلاص کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو ہر حرف کی تلاوت ایک نیکی شمار ہوگی اور یہ ایک نیکی اجر و ثواب کے لحاظ سے دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ حدیث میں فرمایا۔ میں نہیں کہتا کہ بسم اللہ ایک حرف ہے بلکہ ب ایک حرف ہے۔ س ایک حرف ہے۔ م ایک حرف ہے اور میں نہیں کہتا کہ الحمد ایک حرف ہے بلکہ آ۔ ل۔ م الگ الگ حرف ہیں۔ ضرور ضرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ الحمد کی تلاوت کرنے والے کو تیس نیکیوں کے برابر ثواب عطا ہوگا۔ یعنی ایک نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر۔ اس امر کو قرآن مجید نے بھی صریح طور پر بیان کیا ہے۔ سورۃ انعام ۱۲۰ :-

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ مِّثْلُهَا (انعام : ۱۲۰)

جو بندہ ایک نیکی لے کر آئیگا۔ اس کی اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب دیا جائیگا۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن کی عظمت و رفعت کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے معنی و مفہوم کو سمجھے بغیر بھی تلاوت کرتا ہے تو صرف تلاوت بھی باعثِ اجر و ثواب ہے۔ یعنی قرآن کی تلاوت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ تلاوت معنی و مفہوم کو سمجھ کر ہی ہو کیونکہ الحمد اور سارے عروفِ مقطعات (کھیمص، الہم، حم، یس، حم، عسق) کی تلاوت معنی و مفہوم کو سمجھے بغیر ہی

کی جاتی ہے اور حدیث مذکورہ نے صراحتاً اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ ان حروف کی صرف تلاوت کرنے والوں کو بھی ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ اگرچہ یہ بات واضح ہے کہ قرآن کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ یہ بھی درست ہے کہ قرآن مجید کے معنی و مفہوم کو سمجھ کر اس کی تلاوت نور علی نور ہے اور بیشمار دینی و نبوی حسنت و برکات کا موجب ہے۔ جیت تک آیات قرآنیہ کے مطلب و معنی کو نہ جانا جائے یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کیا ہیں؛ اور قرآن ہم کیا چاہتا ہے؛ مگر اس کے باوجود محض اس وجہ سے کہ ترجمہ نہیں جانتا تلاوت قرآن کو ترک کر دینا شرعاً غلط ہے اور اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ معنی سمجھے بغیر تلاوت بیکار ہے۔



جواہرِ پاپے

۱۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (کلم)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کا اس حال میں انتقال ہوا کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوا۔

دینِ اسلام عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کا مجموعہ ہے اور ان میں ایمان عقیدہ کو مرکزی و بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن مجید نے ایمان کو اعمال کی اساس قرار دیا ہے اور ایمان سے محروم افراد کی مثال اس راکھ سے دی ہے جسے ہوا کے جھونکے اڑا کر فنا کر دیں اور اس کا وجود باقی نہ رہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات میں ان امور کی بھی نشاندہی کی ہے۔ جنہیں دل سے تسلیم کرنے اور زبان سے اقرار کرنے سے آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ حدیث مذکورہ میں بھی ایمانیات کے ایک اہم جز ایمان باللہ کا ذکر ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ جس شخص کا خاتمہ اس حال میں ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے معبودِ برحق ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ جنت کا مستحق ہو گیا۔ اس حدیث میں اس حقیقت کا بیان بھی ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں ابتداء کا نہیں انتہا کا اعتبار ہے اور نجات کے لیے ایمان پر خاتمہ شرط ہے۔ ایک شخص ابتداء میں کفر و ایمان میں مبتلا رہا ہے اور پھر توبہ کر کے

ایمان باللہ کی دولت پالیتا ہے اور تمام ضروریاتِ دین پر ایمان لے آتا ہے اور اسی ایمان و
ایقان پر اس کا خاتمہ بھی ہوتا ہے تو وہ نجات کا مستحق ہے۔ اور جنت کا وارث۔ بلکہ
اس باب میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا یہ عالم ہے کہ جب ایک شخص ایمان باللہ کی
دولت پالیتا ہے تو اس کی سابقہ زندگی کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمر
فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:-

إِنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِي مَرْمَاكَ كَانَ قَبْلَكَ (مسلم)

قبولِ اسلام سے زمانہ کفر کے تمام گناہ ختم ہو جاتے ہیں
یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حدیثِ ہذا میں اگرچہ صرف ایمان باللہ کا ذکر ہے
مگر ایمان باللہ کے عنوان میں دینِ اسلام کی تمام باتیں شامل ہیں، داخل ہیں کیونکہ
یہ بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر ایمان رکھنے کا مطلب یہی ہے
کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات و احکامات کی صحیح قلب کے ساتھ تصدیق کی جائے۔
اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر ایمان کا دعویٰ کرے مگر اس کے ارشاد و
حکم کی تصدیق نہ کرے تو ایسا شخص مومن باللہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ایمان باللہ
کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کے ساتھ انبیاءِ مطلقہ، تقدیر،
کتابِ سماویہ، یومِ آخرت، حشر و نشر، جنت و دوزخ، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کی فرضیت
غرضیکہ تمام ضروریاتِ دین پر ایمان لایا جائے اور ہر اس بات کا اقرار اور تصدیق کی
جائے۔ جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے
دین کی ضروری باتیں قرار دیا ہے۔ اس طرح ایمان باللہ کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ
اور اس کے مقدس رسول کے احکام کو عملی طور پر قبول کیا جائے اور اپنی زندگی کے ہر
لمحہ کو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق گزارا جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام
کی ذاتِ پاک کو روشنی کا مینار قرار دے کر آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے اور آپ کی

سیرتِ طیبہ کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیے رسولِ کریم میں بہترین نمونہ ہیں

اس لیے جنت کا وارث اور نجات کا مل کا مستحق وہی شخص ہے جو دین کی تمام ضروری باتوں پر ایمان لانے کے بعد عملِ صالح کو اختیار کرے اور شریعتِ اسلامیہ کی پابندی کرے۔
وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عقائدِ اسلامیہ پر ثابت قدم رکھے اور شریعتِ محمدیہ پر عمل کرنے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔

صحابی رسول حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے
رحم و راف | روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

۲۔ لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں فرماتا، جو لوگوں پر رحم نہ کرے

انسان کے بنیادی اخلاق میں سے رحم بھی ایک نہایت اعلیٰ اور اچھی صفت ہے۔

اس کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ دنیا میں جو بھی نیکی کے کام ہو رہے ہیں۔ وہ سب کے

سب جذبہٴ رحم ہی کے رہیں منت ہیں اور جہاں کہیں ظلم، سنگدلی اور شقاوت کے آثار

پائے جاتے ہیں۔ وہ بھی اس جذبہٴ رحم کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم میں

بھی رحم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جذبہٴ رحم کو بروئے کار لانے

کے لیے داعی اسلام حضور سرورِ انبیاء محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والتسلیم نے جو ہدایات دی

ہیں وہ ایسی جامع ہیں کہ تاریخ مذاہبِ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے دینِ حق اسلام کی دعوت و ہدایت لے کر تشریف لائے۔ جن لوگوں نے

آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ وہ اسلامی برادری یا امینِ مسلمہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ حضور

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی برادری سے ملکہ انسانوں کو خاص طور پر

یہ ہدایت دی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں۔ باہم خیر خواہ اور خیر اندیش، معاون و مددگار بن کر رہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں اور اپنے درمیان رحم و رافت کی فضا کو مضحک نہ ہونے دیں۔ اس تعلیم کی ہدایت کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ اسلام قبول کرنے والے مختلف ملکوں، نسلوں اور طبقوں کے لوگ تھے۔ جن کے رنگ، مزاج، تمدن و تہذیب اور زبانیں مختلف تھیں۔ نبی کریم علیہ السلام نے انہیں ہدایت کی اور فرمایا:-
”ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کا سا ہے۔“

اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے“ (بخاری)

مسلم شریف کی حدیث میں فرمایا۔ سب مسلمان ایک شخص واحد کی طرح ہیں۔ اگر اس کی آنکھ دکھے یا سر میں تکلیف ہو تو سارا جسم دکھ محسوس کرتا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں فرمایا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ نیز فرمایا۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ خود اس پر ظلم کرے نہ دوسروں کا نشانہ ظلم بننے کے لیے اس کو بے یار و مددگار چھوڑے۔ جو کوئی ضرورت مند مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت ردائی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کی پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا۔ (بخاری و مسلم)

اسلامی رشتے نلطے کی بنیاد پر دنیا کے مسلمانوں میں جو رحم و رافت کا نظام قائم ہوا اور جس کے مناظر آج بھی اس گئے گزرے دور میں نظر آ جاتے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور اسلام کی حقانیت و جاویدیت کی دلیل ہے۔ مذاہب کی تاریخ میں یہ تصور صرف داعی اسلام ہی نے دیا ہے کہ قومیں رنگ نسل زبان اور وطن سے نہیں۔ بلکہ دین و مذہب سے بنتی ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ مختلف طبقوں، نسلوں اور مختلف زبانوں کے حامل مسلمانوں کے درمیان اخوت و محبت کا پیدا ہو جانا ایک فطری بات

ہے۔ جب کچھ لوگ ایک نظریہ کو قبول کر کے ایک جماعت یا گروہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو ان کے درمیان پیار و محبت کا ماحول پیدا ہو رہی جاتا ہے۔ مگر یہ بات صرف کہنے کی حد تک ہی ہے۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے۔ دیگر مذاہب کے ماننے والوں میں ہمدردی و غمگساری کی وہ اعلیٰ کیفیت نہ کبھی پہلے دیکھنے میں آتی ہے اور نہ ہی آج دکھائی دیتی ہے۔ جو اُمتِ مسلمہ میں محض دین و مذہب یعنی اسلام کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے رحم و رافت کو محدود نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے بلا تفریقِ رنگ و نسل و مذہب تمام بنی نوع انسان بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات سے رحم کا معاملہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ زیر بحث حدیث میں فرمایا:-

لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ
اس شخص پر اللہ تعالیٰ رحم نہیں فرمائے گا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا
ترمذی شریف کی حدیث میں فرمایا:-

اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ (ترمذی)
تم زمین کی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو و آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا
پہلی حدیث میں ”ناس“ کا لفظ ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لیے استعمال ہوا ہے
دوسری حدیث میں مَنْ فِي الْأَرْضِ کے الفاظ ہیں۔ جس کے دائرے میں تمام مخلوق الہی، حیوان
انسان، جمادات، نباتات وغیرہ شامل و داخل ہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اسلام ہر
اس چیز پر رحم کرنے اور رحم کا معاملہ کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ جس سے کسی مرحلہ میں
انسان کا واسطہ پڑتا ہے۔ اس رحم کی وسعت کو بیان کرنے کے لیے دفترِ درکار ہے اور
بھی ظاہر ہے کہ مخلوقات الہی چونکہ مختلف النوع و الجنس ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ
رحم کے معاملہ کی کیفیت و نوعیت بھی مختلف ہوگی۔
مثلاً انسان پر رحم کے یہ معنی ہیں کہ اس کے حقوق کی پاسداری کی جائے اور اسے

حق و صداقت پر چلنے کی تلقین کی جائے۔ جانوروں پر رحم کے یہ معنی ہیں کہ ان بے زبان جانوں کو نہ بھوکا پیاسا رکھا جائے اور نہ ان سے ایسی مشقت لی جائے۔ جس کے وہ متحمل نہ ہو سکیں۔ جمادات، نباتات اور معدنیات حتیٰ کہ پتھر، پانی اور گھاس پر رحم کے یہ معنی ہیں کہ انہیں فضول ضائع نہ کیا جائے بلکہ تمام اشیاء کو انسانی فائدہ کے لیے استعمال کیا جائے۔

(۳) مہمان نوازی | حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کیلئے روشنی کا مینار بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اُسوۂ حسنہ سے حیاتِ انسانی کے ہر موڑ پر رہنمائی ملتی ہے مہمان اور مہمان نوازی سے بہر حال ہر شخص کو سابقہ پڑتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے مہمان اور مہمان نوازی کے آداب سے بھی اپنی امت کو آگاہ فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ يَوْمٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يَوْمٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يَوْمٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصِبْتُ وَمَنْ كَانَ يَوْمٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ وَحَمْدُهُ (بخاری و مسلم)

جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ مہمان کا اکرام کرے۔ جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا چُپ رہے اور جو شخص اللہ اور

قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ صلہ رحمی کرے۔

جب تک معاشرہ میں اعتدال و سکون کی فضا قائم نہ ہو اس وقت تک کوئی قوم نہ تو ترقی کر سکتی ہے اور نہ ہی سکون کی زندگی گزار سکتی ہے۔ اس حدیث میں جن امور کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اگر ہم انہیں عملی طور پر قبول کر لیں تو معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ یہ حدیث چار ہدایتوں پر مشتمل ہے :-

اول یہ کہ مہمان کا اکرام کیا جائے۔ یعنی مہمان کی مہمان نوازی خوش دل سے کی جائے اور مہمان کو اللہ کی رحمت تصور کیا جائے۔

دو یہ کہ پڑوسی کے حقوق کا خاص طور پر خیال رکھا جائے اور ہر اس فعل سے پرہیز کیا جائے جس سے پڑوسی کی (بلاوجہ شرعی) دلآزاری ہو یا اسے کسی قسم کا نقصان ہو۔ سو یہ کہ گفتگو کا انداز ناصحانہ و مشفقانہ ہو، جارحانہ انداز نہ اختیار کیا جائے۔ اور اگر بھل بات کہنے کا سلیقہ نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے۔

چہاں یہ کہ اپنے عزیزوں، رشتہ داروں سے محبت و الفت کی فضا کو بہر صورت قائم رکھا جائے۔ ان کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آنا اور حتی المقدور ان کی امداد و اعانت کرنا ہر مسلمان کا اخلاقی فرض ہے۔ اس سلسلہ میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنے سے عمر میں برکت، رزق میں زیادتی اور بُری موت سے نجات ملتی ہے (حاکم)۔

نیز فرمایا کہ دنیا و آخرت میں بہترین اخلاق یہ ہے کہ تم اس کو ملاؤ جو تمہیں جدا کرے اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو۔ اگرچہ فی زمانہ دینی تعلیم سے بے خبری کی وجہ سے اس قسم کے کردار کا مظاہرہ کرنا ہمیں مشکل نظر آتا ہے۔ تاہم ہمارے مقدس رسول کی تعلیم یہ ہے کہ اندھیرے میں چراغ جلاؤ۔ کوئی نیکی کا بدلہ کیا دیتا ہے اس سے بے نیاز ہو کر نیکی کر دو۔

حیار و فحش | حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حکیم باتیں ہیں۔ جیسے آپ کی نبوت وہی ہے۔ ایسے ہی آپ کا علم و فضل

بھی وہی ہے۔ کسی انسانی فکر و عمل کا رہین منت نہیں۔ بلکہ عطیہ الہی اور خاص فیض ربانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مخلوق خدا کی ہدایت اور فلاح کے لیے آپ کے ارشاد و علم و حکمت کا خزانہ ہیں اور اپنی جامعیت اور تاثیر ہیں بے نظیر۔
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :-

۴۔ عَنْ النَّبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْفَحْشُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَدَ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَدَ (ترمذی)

رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس چیز میں فحش ہو وہ اس چیز کو عیب دار کر دیتا ہے اور جس چیز میں حیا ہو وہ اسے حسین بنا دیتا ہے۔

اس حدیث میں ”شی“ کا لفظ ہے۔ جس کا اطلاق ہر ممکن پر ہوتا ہے۔ یعنی، اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا جو کچھ ہے وہ ”شی“ ہے۔ ”شی“ میں جمادات و نباتات جن اور انسان سب ہی شامل و داخل ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان میں تو حیا اور فحش کا تصور ممکن ہے۔ کیونکہ وہ عقل و شعور کا مالک ہے مگر جمادات و نباتات میں حیا و فحش کے اوصاف کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ جواب یہ ہے۔ اس حدیث میں جس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اسے مزید قوت اور اہمیت دینے کے لیے بطور مبالغہ فرمایا گیا ہے کہ بالفرض پتھر جو جماد محض ہے۔ حیا سے متصف ہو جائے تو حیا اس میں بھی حُسن پیدا کر دے گی اور اگر اس میں فحش پیدا ہو جائے تو وہ اسے عیب دار کر دے گی۔ جب پتھر کی یہ کیفیت ہے تو انسان جو عقل و شعور کا مالک اور مکلف ہے اس میں حیا جیسی صفت حُسن پائی جائے تو وہ یقیناً اس میں حُسن پیدا کر دے گی۔

حیاء۔ ایک ایسا وصف ہے جس کی بدولت انسان میں عفت، پاکیزگی، مروت، شرم، احسان، سخاوت، امانت، دیانت ایسی اخلاقی خصلتوں کی پرورش ہوتی ہے۔ گناہوں سے پرہیز اور اخلاقِ حسنہ کی طرف میلان حیا ہی کا رہنما ہے۔
ہے: نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ حیا باعثِ زینت ہے۔

اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِحَسَنٍ

حیا سے صرف بھلائی آتی ہے (بخاری)

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حیا کا تعلق صرف اپنے ہم جنسوں کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے جو اپنے بڑوں کا ادب نہ کرے۔ ان کے سامنے بے حیائی کے کام کرے وہ بے حیا ہے۔ بیشک اپنے ہم جنسوں سے بھی حیا کرنی چاہیے۔ لیکن سب سے زیادہ جس سے حیا ہمیں ہونی چاہیے۔ وہ ہمارا خالق و پروردگار ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ بے حیا وہ قرار پائے گا جو اپنے خالق سے نہیں شرماتا اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت مجھے اور میرے افعال کو بے حجاب دیکھتا اور میری باتوں کو بلا واسطہ سُنتا ہے۔ اس کے سامنے گناہوں میں ملوث ہوا اور خلافِ شرع حرکتیں کرے۔ جامع ترمذی کی حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

اِسْتَحْيُوا مِنْ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ

اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اس سے کرنی چاہیے

نیز نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ ایمان کی سترے بھی کچھ اوپر شاخیں ہیں۔

ان میں سب سے اعلیٰ و افضل تو کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہونا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ

کی توحید پر ایمان طمانا)

وَ اَدْنَاهَا اِمَا طَةٌ اِلٰذِي عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ

مِنَ الْأَكْبَانِ (بخاری)

اور ان میں ادنیٰ درجہ کی چیز اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹنا اور حیار بھی ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔

معلوم ہوا حیار اور ایمان کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے اور انسانی اخلاق میں حیار کا مقام بہت بلند ہے۔ حیار ہی سے معاشرہ میں توازن پیدا ہوتا ہے اور حیار ہی سے حریتِ فکر اور حق بات کہنے کی جرأت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے حکیم کائنات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیار کو اپنانے کا حکم دیا اور ایسی باتوں سے پرہیز اور ایسے اعمال کو اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جو صفت حیا کو مضمل کریں یا حیار کے تقاضوں کے خلاف ہوں۔ حدیث زیرِ تفہیم میں فرمایا گیا ہے کہ جس جگہ 'جی فحش ہوگا۔ وہ اسے عیب دار کر دے گا۔ فحش کے اصلی معنی 'حد سے گزرنے کے ہیں اور لازمی معنی برائی کے ہیں۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں فحش کا لفظ گناہ، بدگوئی، حدودِ الہی سے تجاوز اور زنا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورہ نحل میں فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ
وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

اے مسلمانو! اللہ تمہیں انصاف و احسان کرنے، قرابت داروں کا حق ادا کرنے اور فحشاء اور منکر سے منع فرماتا ہے۔

فحش ایک نہایت بُری خصلت ہے۔ جب انسان فحش جیسی بُری خصلت کو اپنالیتا ہے تو اخلاقی قدریں مضمل ہو جاتی ہیں۔ جھوٹ، وعدہ خلافی، بیانی، ظلم، غیبت، بدگوئی، رشوت، ہتکرت و غرور، حسد، بغض، کینہ، ناپ تول میں کمی، بہتان، شراب خوری، زنا۔ غرضیکہ تمام اقسام کے گناہ اور تمام بُری خصلتیں فحش کے دائرہ میں داخل ہیں اور حکیم کائنات حضور نبی کریم علیہ السلام نے ہمیں ان برائیوں

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

اور گناہوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے سب کو شریعتِ اسلامیہ کو عملی طور پر اپنانے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔ آمین

وسوسے منافی ایمان نہیں آدمی کا دل افکار و خیالات کا گنجینہ ہوتا ہے ماحول کے اثرات سے متاثر ہو کر دل میں

طرح طرح کے خیالات آیا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ کبھی ایسے خیالات و خطرات بھی دل و دماغ کو پریشان کرتے ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے مہمانہ و کافرانہ ہوتے ہیں۔ ایسے خیالات و خطرات کے متعلق حکم یہ ہے کہ جب یہ خیالات و وسوسہ کی حد تک رہیں! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر مواخذہ و محاسبہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہی خیالات و خطرات و وسوسہ کی حد سے بڑھ کر اس شخص کا قول و عمل اور عقیدہ بن جائیں تو پھر ان پر مواخذہ ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا :-

إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا وَسَّوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَتَكَلَّمْ (رواہ البخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل کے بُرے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے۔ ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ جب تک ان پر عمل نہ ہو اور زبان سے نہ کہا جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ؛ قَالَ أَوْ قَدْ وَجِدْتُمُوهُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَإِنَّكَ صَرِيحٌ بِالْإِيمَانِ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب

میں سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں ایسے بُرے خیالات اور دوسو سے پاتے ہیں کہ ان کو زبان سے کہنا بھی بہت بُرا اور بہت بھاری معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کیا واقعی تمہاری یہ حالت ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں یہی حال ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو خالص ایمان ہے۔

یعنی اگر کسی شخص کی یہ کیفیت ہو کہ وہ دین اور شریعت کے خلاف دوسو سے اتنا گھبرائے اور ایسا پریشان ہو کہ زبان سے ادا کرنا بھی اس کو گراں ہو تو یہ خالص ایمانی کیفیت ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنِّي أُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ لِأَنِّي أَكُونُ حُمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمُ بِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَاسَةِ (رواه ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ کبھی کبھی میرے دل میں ایسے بُرے خیالات آنے ہیں کہ بل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اُن کو زبان سے نکالوں؛ اس پر آپ نے فرمایا۔ اللہ کے لیے حمد ہے جس نے اس کے معاملہ کو دوسو کی طرف لوٹا دیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب تمہارا یہ حال ہے کہ تم کو خلاف اسلام خیالات و خطرات استدر تکلیف پہنچاتے ہیں تو اس پر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اپنے رب کریم کا شکر ادا کرو کہ اس کے فضل و کرم اور اس کی دشگیری نے تمہارے دل کو اُن بُرے خیالات کے قبول کرنے سے بچا لیا اور بات دوسو کی حد سے آگے نہ بڑھنے دی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِأَقِ الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؛ مَنْ خَلَقَ
كَذَا؛ حَتَّى يَقُولَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَإِذَا بَلَغَهُ، فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتَهْ
رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَسَلَّم

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ (یہاں تک کہ یہی سوال وہ اللہ کے متعلق بھی دل میں ڈالتا ہے کہ جب ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو پھر) اللہ کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ پس سوال کا سلسلہ جب یہاں تک پہنچے تو چاہیے کہ بندہ اللہ سے پناہ مانگے اور رُک جائے۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ اس قسم کے وسوسے اور سوالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور جب شیطان اس قسم کے جاہلانہ سوالات دل میں ڈالے تو اس کا علاج یہ ہے کہ بندہ شیطان کے شر سے پناہ مانگے اور اس مسئلہ کو قابلِ توجہ و لائقِ غور ہی نہ سمجھے۔ ایک اور حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے۔ اس میں فرمایا :-

لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يُقَالَ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ
فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ أَمَنْتُ
بِاللَّهِ وَسَلَّم (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَسَلَّم)

لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چون و چرا کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ یہ احمقانہ سوال بھی کیا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات یہی سوالات ملحدانہ نظریات رکھنے والے افراد کی طرف سے بھی ہوتے ہیں اور مومن کو چاہیے کہ جب اسے ایسے لوگوں اور ایسے سوالوں سے سابقہ پڑے تو بات یہ کہہ کر ختم کر دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ اس لیے تمہارے لایعنی و مہمل سوالات بالکل قابلِ غور نہیں جس طرح کسی آنکھ والے لیے یہ سوال قابلِ غور نہیں ہے کہ سورج میں روشنی ہے یا نہیں۔

کار سازِ مابا فکرِ کارِ ما

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کریں اور اسلام کی تعلیمات کو زندگی کے ہر شعبہ میں جاری و نافذ کر دیں تو آج بھی کار سازِ مابا فکرِ کارِ ما کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر سکتے ہیں۔ حضور سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا اس نے ناگاہ بادل کے ایک ٹکڑے سے یہ آواز سنی کہ :-

فَسَمِعَ صَوْتًا فِي سَحَابَةٍ اسْتَقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ (مسلم شریف)
فلاں شخص کے کھیت کو سیراب کر

پھر وہ بادل جس سے آواز آئی تھی دوسرے بادلوں سے ہٹ کر ایک پہاڑی پر برسا۔ پھر یہ پانی اکٹھا ہو کر ایک نالے کے ذریعہ ایک باغ کی طرف بنا شروع ہوا۔ آواز سننے والا شخص اس پانی کے تعاقب میں اس باغ میں پہنچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک شخص کدال سے اپنے باغ کو پانی دے رہا تھا۔ پھر اس شخص نے باغ کے مالک سے سوال کیا۔ تم کیا عمل کرتے ہو؟ میں نے بادل میں

یہ آواز سنی تھی کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو۔ اس نے جواب دیا۔ میں باغ کی پیداوار کا جائزہ لیتا ہوں۔ پھر پیداوار کے تین حصے کرتا ہوں۔ ایک حصہ خیرات کر دیتا ہوں۔ دوسرا حصہ

فَاتِي أَنْظُرَ الْخَبْرَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَاتَصَدَّقَ بِثَلَاثَةِ أَكْلٍ أَفَادُ عِيَالِي ثَلَاثًا وَآرَدُ فَيَنْهَا ثَلَاثًا (مسلم)

اپنے اور اپنے اہل و عیال کے کھانے کے لیے رکھ لیتا ہوں اور تیسرا حصہ باغ میں لگا دیتا ہوں۔

دیکھئے! زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ نکالنے کی برکت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کے باغ کو سیراب کریں۔

دیانت اور بچائی کا ایک نوکھا واقعہ

دیانت، امانت اور بچائی ایسی صفات ہیں جو انسان کے دل کو سکون دیتی ہیں اور اُلجھنوں اور پریشانیوں سے بچاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے اُمم سابقہ کے ایک شخص کا واقعہ یوں بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص نے کسی نے زمین خریدی اور اس زمین میں اسے سونے کا مٹکا ملا۔ خریدار مالک زمین کے پاس گیا اور کہنے لگا میں نے صرف زمین خریدی تھی۔ اس سونے کی قیمت آپ کو ادا نہیں کی (لہذا یہ سونا تم لے لو) مالک زمین نے سونا لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب تم کو فروخت کر دیا ہے۔ (لہذا یہ سونا تم ہی رکھو) بالآخر یہ دونوں کسی ثالث کے پاس اپنا تنازعہ طے کرانے کے لیے لے گئے۔ ثالث نے ان دونوں کی بات سنی اور کہا تم دونوں کی کوئی اولاد ہے؟ ایک نے کہا میری ایک لڑکی ہے۔ دوسرے نے کہا۔ میرا ایک لڑکا ہے۔ ثالث نے کہا۔

لڑکی اور لڑکے کا باہم نکاح کر دو اور یہ سونا ان کی

وَأَنْفُسُكُمْ عَلَيْهِمْ وَتَصَدَّقُوا (بخاری و مسلم)

شادی پر خرچ کر دو اور صدقہ بھی کر دو

بظاہر تو یہ ایک واقعہ ہے۔ مگر حقیقت میں دنیا کا انوکھا مقدمہ اور سچائی و دیانت و پاکبازی و صاف دلی کی ایک حیرت انگیز مثال ہے۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ان دونوں نے صداقت و امانت کو اپنا کر جو سکونِ قلب پایا ہے۔ کیا انہیں یہ لڑائی جھگڑے اور دھوکہ و فریب سے حاصل ہو سکتا تھا؟

تربیتِ اولاد

کسی تہذیب کی تعمیر میں جو ہاتھ تربیتِ اولاد کا ہوتا ہے وہ شاید ہی کسی اور اجتماعی فعل کو حاصل ہو۔ یہی وہ بنیادی پتھر ہے جو آئندہ نسل کی کجی یا استواری کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ایک زندہ دین کی حیثیت سے اسلام نے اولاد کی تربیت اور اس کی نشوونما کی جانب خاص توجہ دی ہے اور اس کے متعلق واضح ہدایات رکھی ہیں بلکہ اگر یہ کہیں تو بے جا نہ ہو گا کہ اس نے سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ اپنے بعد اپنی اولاد کی اصلاح اولین فرض ہے۔ اس آیت میں اسی جانب اشارہ ہے۔

قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (الایہ) اور وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ خاندان اور اہل و عیال کی اصلاح و تربیت وہ اہم فرض ہے جس سے غفلت نہ صرف انفرادی مُصرت کا باعث ہے بلکہ اس سے تمام معاشرہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ کسی ایک فرد کا بغیر اصلاح و تربیت کے نکل جانا کئی خاندانوں کے محروم اصلاح رہ جانے کے برابر ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کی نسل بھی اسی کی ٹیل و نظیر ہوگی اور نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کئی پشتوں بعد بھی اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرے یا نہ کرے۔

خاندان معاشرہ کی ایک ایسی مختصر ترین اکائی ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت اس کے سرپرست کے لیے کوئی مشکل مسئلہ نہیں۔ روزمرہ کی مصروفیات اور زندگی کے مشاغل کے ساتھ ساتھ وہ اس فرض کو بڑی خوش اسلوبی اور نہایت آسانی سے انجام دے سکتا ہے اور اس کے خصوصی اختیار و اقتدار کے پیش نظر نیز ان سہولتوں کے باعث جو اسے حاصل ہیں۔ یہ ذمہ داری بھی اس کے سپرد کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اپنے خاندان کے افراد اور اہل و عیال کی افتاد و طبع، عیوب و محاسن اور عادات و اطوار سے جس طور پر آگاہ ہو سکتا ہے کسی دوسرے کے لیے ان کا احاطہ ناممکن ہے۔ لہذا اس کی تلقین و نصیحت باموقع، بر محل اور موثر ہوگی۔ نیز اس کا ذاتی کردار اور عمل رفتار بھی اس سلسلہ میں بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے :-

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (صحیح مسلم)

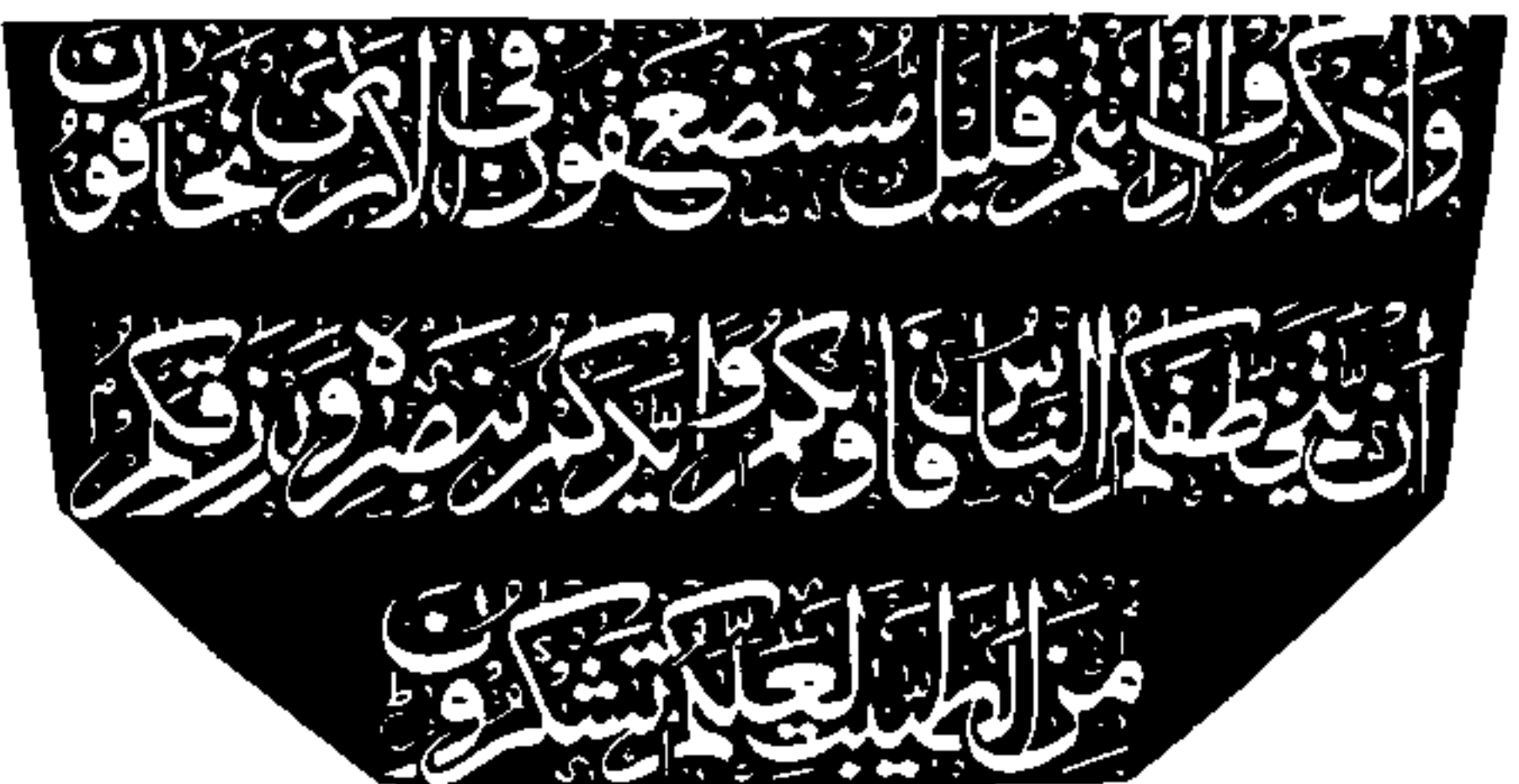
تم میں سے ہر شخص چرواہا یعنی ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت اور ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

آج کل جوبے چینی و اضطراب اور غیر مطمئن حالات دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ ان کا بڑا سبب اسی معاشرتی پہلو سے غفلت شعاری ہے۔ معاشرہ کی بڑی بڑی خرابیاں اور ناقابل علاج برائیاں والدین کے تربیتِ اولاد میں تساہل کا نتیجہ ہیں۔ والدین کی ذرا سی غفلت اور کوتاہی اگے چل کر پوری قوم کے لیے متعدد پرپیچ مسائل کا سبب بن جاتی ہے۔ پھر وہی آئندہ زمانہ میں نئی نسل کی برائیوں کا رونا روتے ہیں۔ حالانکہ بنیادی لحاظ سے یہ سب انہی کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ ابتدائی عمر ہی سے اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرتے اور اس فرض کو پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کرتے تو غلط نتائج ہرگز نہ نکلتے۔

ایک تلخ حقیقت | میرا اندازہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ کوتاہی اور سستی طبقہ علمائے ہمارے ہو رہی ہے جس میں راقم بھی

شامل ہے)۔ یہ حضرات مدارسِ دینیہ کے انتظام و انصرام اور دینی طلباء کی تعلیم و تربیت اور عوام و خواص میں دین کی تبلیغ و اشاعت میں منہمک ہیں۔ قوم کی اصلاح و فلاح کے لیے انھوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں۔ لیکن خود اپنی اولاد اور لواحقین کی دینی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں ان کی توجہ صفر کے برابر ہے (اللہ ما شاء اللہ)۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء و مشائخ جو اپنے وقت میں علم و تقویٰ کے آفتاب و مہتاب بن کر چمکے اور جن کی تعلیم و تربیت سے سینکڑوں اقرار علم و فضل کے زیور سے آراستہ ہوئے۔ آج ان کی اپنی اولاد اور لواحقین دینی علم سے بے بہرہ اور علم و تقویٰ سے کوسوں دور نظر آتی ہے جن کے باپ دادا علومِ دینیہ کے امام مانے جاتے تھے۔ آج ان کی اولاد اس نور سے یکسر محروم و غور ہے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ یہ علماء و مشائخ دوسروں کی تعلیم و تربیت میں تو سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے رہے اور خود اپنی اولاد اور خاندان کی اصلاح و تربیت کی طرف مطلق توجہ نہ دے سکے۔ مقصد اس گزارش کا صرف اس قدر ہے کہ طبقہ علماء کو اپنی اس کوتاہی و غفلت کا نوٹس لینا چاہیے اور دینی و علمی خاندانوں میں خصوصاً علمِ دین سے متعلق جو خلا پیدا ہو رہا ہے اس کے تدارک کے لیے خصوصی توجہ کرنی چاہیے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

مہر۔ کیا ایک بمعنی اور فضول رسم ہے؟

مہر بے معنی اور فضول اخراجات کی دوسری رکوں کی طرح نہیں ہے۔ یہ جہیز کی طرح بھی نہیں ہے کہ جہیز کی حقیقت عرف اس قدر ہے کہ اس کا دینا لینا جائز و مباح ہے۔ ضروری یعنی فرض و واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص جہیز نہیں دیتا نہ مے لیکن مہر کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ اس کی ادائیگی شوہر پر لازم و واجب ہے قرآن مجید میں فرمایا:-

فَاتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ فَرِيضَةً (نسا پ ۵)

جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو ان کے مقرر شدہ مہر انہیں دو

وَ اتَّوَالِحَتَا صَدَقْتَهُنَّ نِكَاحًا (پ ۲)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو

ان آیات سے واضح ہے۔ مہر خالص عورت کا حق ہے۔ جس کی ادائیگی

بہر حال شوہر پر لازم و واجب ہے۔ شریعت اسلامیہ نے مہر کو عورت کا ایک ایسا

اہم حق قرار دیا ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر معین نہ کیا گیا یا مہر کی بالکل نفی کر دی تو

بھی مہر کی ادائیگی شوہر پر لازم و واجب ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا۔ جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ بیوی کو مہر میں کچھ نہ دوں گا تو وہ زانی

مے گا (طبرانی) یعنی اس کا حشر زانیوں کے ساتھ ہوگا۔ یہ وعید شدید بھی مہر

کی شرعی پوزیشن کی وضاحت کے لیے کافی ہے۔ اس لیے مہر کو محض ایک رسم

یا فضول رسم سمجھنا اور کہنا قرآن و حدیث کی رو سے غلط ہے۔ ابعثہ حضور علیہ السلام

نے یہ فرمایا ہے کہ بہتر مہر وہ ہے جو آسان ہو (بہقی) اس ارشاد کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ بہتر یہ ہے کہ مہر کی رقم ایسی مقرر کی جائے جو آسانی سے ادا ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن نے گراں مہر مقرر کرنے کی ممانعت نہیں فرمائی۔ آیت اخذ اھنَّ قِنْطَارًا (نسا۔ ۵) سے گراں مہر کے تقرر کا جواز ثابت وہ واضح ہے۔ حضرت امام دوم خلیفہ رسول سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برسرِ منبر یہ فرمایا کہ عورتوں کے مہر گراں نہ باندھو۔ ایک عورت نے مذکورہ بالا آیت پڑھ کر عرض کی۔ اے ابن خطاب اللہ ہمیں دیتا ہے اور تم منع کرتے ہو؟ اس پر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا۔ عمر تجھ سے ہر شخص زیادہ سمجھ دار ہے۔ اس کے بعد فرمایا جو چاہو مہر مقرر کرو۔ یہ خلیفہ رسول کی انصاف پسندی اور نفس کی پاکی تھی کہ آپ نے اعلان کر دیا کہ جو چاہو جتنا چاہو مقرر کرو۔ میں اپنے مشورہ کو واپس لیتا ہوں — معلوم ہوا کہ اسلام نے گراں مہر مقرر کرنے کی ممانعت نہیں کی۔ اس لیے یہ کہنا کہ بھاری بھر کم مہر کا مطالبہ کوئی شرعی و اخلاقی جواز نہیں رکھتا۔ شریعت اسلامیہ پر افتراء محض کے مترادف ہے اور مہر کو مسرفانہ رسوم و رواج کی فہرس میں شامل سمجھنا سخت زیادتی ہے۔

مہر شرعی کی مقدار | شریعت نے کمی کی طرف مقدار مہر معین کی ہے یعنی مہر دس درہم بھر چاندی سے کم نہیں ہو

سکتا۔ درہم شرعی تین ماشہ ایک رقی اور پانچواں حصہ رقی ہے۔ یعنی ۲ تو لے ماشہ ۴ رقی۔ خواہ اتنی مقدار میں چاندی دے دے یا اس کی مروجہ قیمت۔ کیونکہ چاندی کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ غرض کہ اس مقدار سے کم نہیں ہو سکتا اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ جس قدر فریقین کے درمیان طے ہو جائے۔ شوہر پر اس کی ادائیگی لازم و واجب ہوگی۔ کیونکہ مقدار شرعی سے جس قدر بھی زیادہ معین کیا جائے جائز ہے۔

مہر تین قسم ہے | **اول معجل :-** وہ ہے کہ رخصتی سے پہلے دینا قرار پایا ہو۔ اس کے لیے عورت کو اختیار ہے کہ جب

تک وصول نہ کرے رخصت نہ ہو اور اگر رخصت ہو گئی تو اسے اب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے مہر کا مطالبہ کرے اور اس کی وصول تک اپنے نفس کو شوہر سے روک لے۔ اگرچہ رخصت کو بیس برس گزر گئے ہوں۔

دوم موجل :- جس کی ادائیگی کی میعاد قرار پائی ہو کہ مثلاً دس برس بعد پانچ برس بعد یا پانچ مہینہ بعد یا پانچ دن بعد ادا کیا جائے گا۔ اس میں جب تک وہ میعاد نہ گزرے عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں ہے اور جب میعاد پوری ہو جائے تو ہر وقت مطالبہ کر سکتی ہے۔

سوم موخر :- کہ جس کی ادائیگی کے لیے نہ پیشگی شرط بٹھری ہو نہ کوئی میعاد معین کی گئی ہو۔ یونہی مطلق و مبہم طور پر بندھا ہو۔ یعنی اس میں معجل یا موجل کی تصریح نہ ہو۔ یہ مہر موخر کہلاتا ہے۔ اس صورت میں جب تک شوہر کی موت یا طلاق واقع نہ ہو۔ عورت کو مہر کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

واضح ہو | کہ مہر معجل یا موجل کے لیے شریعت نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی۔ جتنا پیشگی دینا ٹھہرے (معجل) اسی قدر ہوگا۔

باقی کی اگر میعاد قرار پائی ہے تو اتنا موجل قرار پائے گا۔ ورنہ موخر (۱) ایک ہزار روپے کل مہر مقرر ہوا اور یہ قرار پایا کہ پانچ سو معجل اور پانچ سو موجل ہوں گے تو پانچ سو معجل کے متعلق عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرے رخصت نہ ہو اور باقی پانچ سو روپے جو موجل ہیں۔ جب میعاد پوری ہو جائے گی۔ تب عورت کو اس کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

۲۔ ایک ہزار روپے کل مہر مقرر ہوا۔ پانچ سو روپے معجل قرار پائے تو اس صورت

میں عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرے رخصت نہ ہو اور باقی پانچوں کے متعلق مہل یا مہل ہونے کی تصریح نہ ہو تو یہ مؤخر قرار پائیں گے۔ یعنی ان پانچ سو روپوں کا جو کہ مؤخر قرار پائے ہیں کا مطالبہ عورت اس وقت کر سکتی ہے جب کہ شوہر طلاق دے دے یا اس کی موت واقع ہو جائے۔

فائدہ | اگر کسی قوم یا برادری کا یہ عرف ہو جائے (رواج عام) کہ مہل یا مہل کی تصریح نہ ہونے کے باوجود مہر کا کچھ حصہ پیشگی دینا ہوتا ہے تو بلا ذکر اور قرار و تصریح بھی اتنا مہل قرار پائیگا اور باقی بدستور مہل یا مؤخر رہے گا (در مختار و رد المحتار)

مہر میں مال متقوم ہونا ضروری ہے | جو چیز مال متقوم نہیں وہ مہر نہیں ہو سکتی۔ مثلاً

مہر یہ عھدا کہ شوہر عورت کی سال بھر خدمت کرے گا۔ یا اسے قرآن مجید یا علم دین پڑھا دے گا یا حج وغیرہ کرا دے گا تو ان سب صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر مہر میں شراب یا خنزیر کا ذکر کیا تو بھی مہر مثل واجب ہوگا۔ (عالمگیری)

شغار کا حکم | شغار یعنی ایک شخص نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح دوسرے سے کر دیا اور دوسرے نے اپنی لڑکی یا

بہن کا نکاح اس سے کر دیا اور مہر ایک کا مہر دوسرے کے نکاح کو قرار دے دیا تو ایسا کرنا گناہ و منع ہے اور اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر معاف کرنا | عورت کل مہر یا اس کے جُز کو معاف کرے تو معاف ہو جائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ شوہر نے اس

معافی کو قبول کر لیا ہو۔ انکار نہ کیا ہو (رد المحتار)

بلا تعین مہر نکاح درست ہے | اگر بوقت نکاح مہر کا تعین نہ کیا یا مہر کی بالکل نفی کر دی

تو بھی نکاح صحیح و درست ہے۔ اس صورت میں مہر مثل دینا لازم ہوگا۔ اسی طرح بوقت نکاح مہر شرعی مقرر کیا تو بھی نکاح ہو جائے گا اور مہر مثل لازم ہوگا۔ ہاں اگر کسی قوم یا برادری میں مہر شرعی بول کر اس سے کوئی خاص مقدار مراد لی جاتی ہو جو اس قوم یا برادری میں رائج ہے تو جو ان کی اصطلاح معروف و مشہور ہو وہی لازم ہوگی۔ مثلاً کسی قوم میں مہر شرعی کے لفظ سے ایک ہزار روپے مہر مراد لیا جاتا ہے اور یہ بات ان کا عرف بن گئی ہے تو مہر ایک ہزار لازم و واجب ہوگا۔

۳۲ روپے مہر شرعی نہیں ہے | عام طور پر ۳۲ روپے یا اس سے کم و بیش کو مہر شرعی سمجھتے

ہیں یہ غلط ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ شریعت نے صرف کمی کی طرف مہر کی مقدار مقرر ہے۔ یعنی مہر دس درہم ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم نہیں۔

البتہ اگر یہ سمجھ کر مہر باندھا کہ سب سے کم درجہ کا مہر جو شریعت میں مقرر ہے تو اس صورت میں ۴ تو لے سات ماشہ چار رتی چاندی یا اس کی مروجہ قیمت شوہر پر لازم و واجب ہوگی۔ اور اگر یہ سمجھ کر باندھا کہ جو مہر جناب فاطمہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا تو اس صورت میں ڈیڑھ سو تو لے یا اس کی مروجہ قیمت شوہر پر لازم ہوگی اور اگر صرف یہ کہا کہ مہر شرعی مگر کوئی معنی ذہن میں نہیں تھے۔ خالی ایک لفظ بول دیا تو ایسی صورت میں شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر مثل کی تعریف | یہ ہے کہ اس عورت کے وھدیاں میں جو عورت اس کی ہم عمر اور صورت و شکل، حسن

و جمال اور فضل و کمال میں اس عورت کی مانند ہو اور جو اس کا مہر باندھا ہو وہ مہر مثل ہے۔

مہر زیادہ کرنا | شوہر کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی کر دے۔ مثلاً بوقت نکاح طرفین کی رضا مندی سے

پانچ سو روپے مہر مقرر ہوا۔ شوہر نے پانچ سو اور زیادہ کر دیا تو اب دین مہر ایک ہزار روپے قرار پائے گا۔ مہر زیادہ کرنے کے لیے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جو زیادتی کر رہا ہے وہ معلوم معین ہو اور عورت اسی مجلس میں اس کو قبول کر لے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عورت نکاح میں ہو (اگرچہ یہ شرط مختلف فیہ ہے)

حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے | حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے۔

گناہ نہیں۔ کیونکہ دولت آنے جانے والی چیز ہے۔ ایک شخص اگر آج غریب ہے تو کل امیر ہو سکتا ہے مگر حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا مناسب نہیں۔ البتہ فی زمانہ مہر ایسی معقول رقم کا ہونا چاہیے کہ شوہر پر کچھ دباؤ تو ہو۔ وہ اگر غلط اور ظالمانہ قدم اٹھائے تو اسے یہ تر محسوس ہو کہ اتنی بڑی رقم مجھے مہر کی ادا کرنا ہوگی۔

بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی | بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی حسب

قواعد شرعیہ اس کے وارثوں کو کی جانی ضروری ہے۔ ہاں اگر بیوی کے تمام وارثان جب کہ عاقل بالغ ہو مہر معاف کر دیں تو معاف ہو جائے گا۔ اگر تمام وارثان عاقل بالغ ہوں کچھ معاف کرتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے تو جو معاف کر دیں ان کا معاف ہو جائیگا۔ جو معاف نہ کریں ان کا حصہ دینا شوہر پر لازم رہے گا۔ اسی طرح جو وارث نابالغ ہیں۔ ان کا حصہ بھی شوہر کو ادا کرنا لازم و واجب ہے۔

ذکرِ نکر

حاضر جوابی | شیخ الحدیث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز
۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ محدث بھی تھے۔ مفکر بھی، فلسفی
بھی تھے اور نہایت حاضر جواب بھی۔ ان کے علمی و دینی لطائف میں سے چند یہ ہیں:-
۱۔ مسٹر مشکاف نامی کوئی انگریز حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں دلی کے کسی بڑے
عہدے پر متعین تھا۔ اس کے ہاں ایک پادری آکر ٹھہرے۔ مسٹر مشکاف نے پادری صاحبؒ
سے کہا کہ: "شاہ صاحب کو ہر آؤ تو جانیں، اگر ہر آؤ تو تمہیں دو ہزار روپے دوں گا۔ ورنہ
تم دو ہزار روپے مجھے دینا۔" پادری صاحب راضی ہو گئے اور اپنے مسٹر مشکاف کے ساتھ
شاہ صاحب سے مناظرہ کرنے۔ شاہ صاحب نے فرمایا:- "کیسے جو کہنا ہے؟" پادری صاحبؒ
نے کہا:- میں اپنی بات کا جواب معقول چاہتا ہوں۔ منقول اور کتابی نہیں چاہتا۔" شاہ صاحبؒ
نے فرمایا:- "منظور ہے، کسی کتاب کا نام نہیں لوں گا؟" پادری صاحب نے پوچھا کہ یہ
کیا ماجرا ہے کہ آپ نے پیغمبر اللہ کے محبوب ہیں اور امام حسین ان کے نواسے تھے جنہیں وہ
بے حد چاہتے تھے۔ پھر اللہ نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ محبوب کا محبوب شہید کر دیا گیا۔ نہ اللہ
ہی نے خود پروا کی اور نہ اللہ کے محبوب نے اسے توجہ دلائی؟" شاہ صاحب نے فرمایا:-
ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ دلائی تھی لیکن اللہ نے جواب دیا۔ میاں تمہیں اپنے
نواسے کی پڑی ہے۔ یہاں کم بختوں نے میرے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو سول پر چڑھا دیا۔
مجھے ذرا اس فکر سے تو فارغ ہو لینے دو۔"

۲۔ دہلی کارڈینٹ شاہ صاحب نے ملنے آیا اور باتوں باتوں میں کہنے لگا۔ جناب
میں نے ایک سوال کئی عالموں سے کیا۔ مگر کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ملتا۔ آپ بھی

غور کیجئے۔ سوال یہ ہے کہ ”ایک مسافر راستہ بھول گیا۔ اس نے دیکھا ایک شخص سانسے پڑا سو رہا ہے اور ایک شخص اس کے برابر بیٹھا ہے، اب مسافر سوتے سے راستہ دریافت کرے یا جاگتے سے؟“ شاہ صاحب سوال کی تہ کو پہنچ گئے۔ سوتے سے ریزڈنٹ کی مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور جاگتے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ شاہ صاحب نے فوراً جواب دیا۔ راستہ سوتے سے پوچھنا ہوگا۔ وہ جاگنے والا خود اس انتظار میں بیٹھا ہے کہ سونے والا اُٹھے تو اس سے راستہ پوچھے۔ مسافر کو چاہیے کہ وہ بھی سونے والے کے اُٹھنے کا انتظار کرے۔

۳۔ ایک شخص نے عرض کی کہ ”مخل رقص و سرود میں انسان رات بھر جاگتا رہتا ہے۔ لیکن اللہ کی عبادت میں نیند آنے لگتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟“ شاہ صاحب نے فرمایا دوپٹنگ ہوں، ایک پر کانٹے بچھے ہوں اور ایک پر پھول، نیند کس پر آئیگا۔ اس نے عرض کیا۔ ”پھول والے پٹنگ پر۔“ فرمایا۔ ”بس رقص و سرود کی مخل کانٹوں والے پٹنگ کے مثل ہے، اور اللہ کی عبادت پھول والے پٹنگ کی۔“

۴۔ ایک انگریز عربی فارسی جاننے والا جامع مسجد میں آیا۔ شاہ صاحب جامع مسجد میں دُعا کر رہے تھے۔ وہ انگریز دُعا سننے لگا اور تھوڑی دیر بعد بلند آواز سے اس نے یہ شعر پڑھا۔

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اعلیٰ است

کہ ایں بزیر زمیں دفن و ایں بہ اوج سماست

حضرت شاہ صاحب نے اسی وقت جواب میں یہ شعر پڑھ دیا۔

بگفتش کہ نہ ایں حجت قوی باشد

حباب بر سر آب و گہر تیر دریا است

۵۔ شیعوں کے ایک بڑے عالم تشریف لاتے اور فرمایا۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنتی ہونے کی بھی آپ کے پاس کوئی دلیل ہے؟ شاہ صاحب نے پرچھا۔ ”آپ نے فلاں کتاب پڑھی ہے؟“ شیعہ عالم نے جواب دیا۔ ”ہاں کیوں نہیں۔ بڑی مستند کتاب ہے۔“ کہا۔ ”اس کتاب میں لکھا ہے کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی جیلہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ نبوت کو چوم لیا تھا اور اس چومنے کی وجہ سے وہ جنتی ہو گیا۔“ شیعہ عالم نے کہا۔ ”صحیح ہے۔“ شاہ صاحب نے فرمایا۔ ”جب یہ بات ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنتی ہونے میں کیا شبہ ہے۔ انہوں نے ایک بار سے زیادہ مہرِ نبوت کو دیکھا ہو گا اور چوما ہو گا۔ وہ رسول اللہ کی بیوی تھیں۔“

۶۔ ایک انگریز نے شاہ صاحب سے سوال کیا کہ ”ہماری قوم کے سینکڑوں آدمی ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ایک رنگ اور ایک روپ کے نظر آئیں گے۔ آپ کی قوم میں کوئی گورا، کوئی کالا، کوئی سانولا اور کوئی کسی طرح کا کیوں ہے؟“ فرمایا ”گدھے سب یکساں ہوتے ہیں اور گھوڑے مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔ کوئی کیت کوئی کالا کوئی سفید اور کوئی بادامی۔“

اس نے مکہ کا محاصرہ کیا۔ منجیقین نصب کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ حرمِ پاک جہاں خونِ خرابہ اور قتل و غارت گری کو اللہ کے مقدس رسول نے حرام قرار دیا تھا۔ حجاج بن یوسف کی بدولت تباہ کاری اور غارتگری کا مرکز بن گیا۔ جب محاصرہ تنگ سے تنگ ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہو گئے اور مسلمان فوج نے خدائی قہر و عذاب سے ڈر کر کعبہ پر سنگباری سے ہاتھ کھینچ لیا تو حجاج خود آگے بڑھا اور منجیقین چلانے لگا۔ پتھروں کی آتش بازی سے خانہ کعبہ کے غلاف جھلس گئے اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے تہذکات جل گئے، سات ماہ سے کچھ زیادہ مدت محاصرہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر خانہ کعبہ کی حرمت کے پیش نظر مقابلے کے لیے باہر نکلے۔ انہوں نے رجز یہ نعرہ بلند کیا۔

اے لوگو! مجھے پہچان لو۔ میں رسول مقبول علیہ السلام کے دستِ راست حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نواسا ان کی مقدس بیوی جناب عائشہؓ کا بھانجا ہوں۔ مجھے اس بات کا شرف بھی حاصل ہے کہ میں ہجرت کر کے آنے والوں میں پہلا نومولود تھا جو مہاجرین میں پیدا ہوا۔ میری والدہ اسماءؓ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں حق و صداقت کی راہ میں اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہ کروں۔ اس کے بعد ابن زبیرؓ نے اتنا سخت حملہ کیا کہ حجاج کی فوج کو دور تک دھکیلتے چلے گئے کہ ناگاہ حجاج کی فوج کے کسی آدمی نے ایک بھاری پتھران کے منہ پر کھینچ مارا۔ کینٹی اور سر سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔

حضرت ابن زبیرؓ کی لاش دیکھتے ہی حجاج نے ان کا سر کٹوا کر خلیفہ عبدالملک کو روانہ کر دیا اور صلیب پر چڑھا دیا۔ تین دن گزر چکے۔ حجاج حضرت ابن زبیرؓ کی مصلوب لاش کے پاس کھڑا لطف اندوز ہو رہا تھا کہ تقریباً سو سالہ نابینا عورت ایک بیٹا عورت کا ہاتھ پکڑ کر وہاں پہنچیں اور ابن زبیرؓ کی لاش پر ہاتھ رکھ کر ٹٹول کر دیکھا۔ پتہ چلا ان کا جوڑ جوڑا لگ ہے۔ پھر نابینا عورت نے دریافت کیا۔ کیا یہ سوار ابھی تک اپنے گھوڑے سے نہیں اُترا اس سے کہو جنگ ختم ہو گئی۔ اب تیرے آجائے۔

حجاج نے اس عجیب و غریب نابینا عورت کے بارے میں سوال کیا؟ یہ کون ہے، بینا عورت نے جواب دیا۔ ابن زبیرؓ کی ماں اسماءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی ہیں۔ حضرت اسماءؓ نے اپنے بیٹے کی لاش کا مطالبہ کیا۔ حجاج نے دینے سے انکار کر دیا حضرت اسماءؓ واپس چلی گئیں۔ اس کے بعد اس نے حضرت اسماءؓ سے کہلوا یا۔ اگر خیریت چاہتی ہو چپ چاپ میرے پاس چلی آؤ۔ ورنہ بالوں سے گھسیٹتی لائی جاؤں گی۔ حضرت اسماءؓ نے جواب دیا میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ اس ظالم سے کہو مجھے بالوں سے گھسیٹ کر بلوائے۔

اس پر حجاج حضرت اسلمہ رضی اللہ عنہما کے پاس خود پہنچا اور کہا او دشمنِ خدا
ابنِ زبیر کی ماں۔ پتا ہے میں نے دشمنِ خدا زبیر کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟
حضرت اسماء کی بے نور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں آپ نے جواب دیا۔
تو نے میرے بیٹے کی دنیا جگاڑی اور میرے بیٹے کی تیری عاقبت خراب کر دی۔ میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک ظالم
پیدا ہو گا۔ جھوٹے مختار بن عبید ثقیفی کو تو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے۔

حجاج حضرت اسماء کی دلیری پر دم بخود رہ گیا پھر ایک عجیب و غریب خواہش
کا اظہار کیا بولا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے نکاح کر لو۔ حضرت اسماء چراغ پا ہو گئیں
فرمایا او ذلیل عاقبت نا اندیش کیلئے ظالم ایک سو سالہ نابینا کو تو نکاح کا پیغام دے کر
اسے ذلیل کرنے کی فکر میں ہے کیا تو اتنا نہیں جانتا کہ عزت و ذلت اللہ تعالیٰ کی
طرف سے ہے۔ تیرے ذلیل کرنے سے میں ذلیل کرنے سے میں ذلیل نہیں ہو جاؤں گی۔
حجاج نے خلاف اُمید نرمی سے جواب دیا۔ نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں البتہ
میں رسول اللہ کی ہم زلفی اور ابوبکر صدیق کی دامادی کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پھر
حجاج نے شقاوت سے ہنستے ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش
کو سول سے اُتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دی، جہاں سے حضرت اسماء نے
اٹھوائی اور اپنی نگرانی میں غسل دلا کر تجیز و مکفین فرمائی۔

حجاج بن یوسف اپنے آباد کردہ شہر واسط میں مقیم تھا۔ عراق کی گورنری پر فائز ہوئے
اسے بیس سال گزر چکے تھے کہ یکایک مکافاتِ عمل کی تلوار میان سے باہر ہوتی حجاج
کے پیٹ میں کیڑے پڑ گئے جو اسے شب و روز دردناک اذیت سے دوچار کرتے اور
حجاج جیسا سنگدل اور غیر معمولی قوت برداشت کا انسان اس تکلیف سے چٹخا چلاتا رہتا
تھا۔ بالآخر اسی مرض کی اذیت سے دنیا سے کوچ کر گیا۔ جب وہ مرا تو متفق المراتے

اعداد و شمار کے مطابق میدانِ جنگ کے سوا حالتِ امن میں اور آبادیوں میں وہ ایک لاکھ پچیس ہزار انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ زنگ چکا تھا۔ واسطہ کے سیاسی قید خانہ میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں حجاج کے ظلم و بربریت سے سردی گرمی سے غیر محفوظ ترین غذا اور بدبودار پانی پر بسک بسک کر جی رہے تھے۔

تو اے لوگو! عبرتِ مظلوم سے نہیں ظالم سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر کسی پر ظلم کر کے تم نے اسے مرقعِ عبرت بنا دیا ہے تو دیکھنے والے آنکھیں مظلوم سے نہیں ظالم سے عبرت پکڑیں گی اور قیامت تک ظالم پر لعن طعن کا سلسلہ جاری رہے گا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مظلوم کی بددعا سے بچو اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔

آیتِ تطہیر

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً (سورہ احزاب پ ۲۲)

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر نا پاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب شہر اکردے۔

علماء کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات مراد ہیں۔ کیونکہ اس آیت کے اول اور بعد ازواجِ مطہرات ہی کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے پانچ آیات یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ سَعَىٰ كَرِّ قُلُوبٍ مَّعْرُوفَاتُكَ وَأَنْتَ أَسْرَفْتَ فِي الْبَيْتِ وَآذَكَ كُنْتَ فِي بَيْتِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ازواجِ مطہرات سے ہی متعلق ہیں۔

سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عکرمہ کا بیان ہے کہ آیت تطہیر سے حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات مراد ہیں۔

قرآن مجید میں بھی اہل البیت سے بیوی کا مراد ہونا واضح ہے — جب عزیز مصر کی بیوی نے جناب یوسف علیہ السلام کو برائی کی طرف بلایا تو آپ دروازے کی طرف بھاگے اس نے آپ کا پیچھا کیا اور آپ کا کرتہ پیچھے سے پکڑ کر کھینچا کہ عزیز مصر دروازے کے پاس مل گیا۔ زلیخا نے اپنی برأت ظاہر کرنے کے لیے حیلہ تراشا اور عزیز مصر سے کہا۔

قَالَتْ مَا حَبَزَ آعُرُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا (سورہ یوسف پارہ ۱۲)

۱۰ حضرت عبداللہ بن عباس جسد اُمت اور مفسر قرآن ہیں۔ حضور کے چچا زاد بھائی ہیں حضور نے آپ کو سینہ سے لگا کر دُعا دی ہے۔ اللہم علمہ الكتاب، اللہم علمہ الحکمة اللہم فقهہ فی الدین۔ الہی ان کو قرآن سکھا، الہی انہیں حکمت سکھا اور اے اللہ انہیں دین کی سمجھ دے (مشکوٰۃ) ایک ثبوت یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ یطہرکم جمع مذکر کی ضمیر ہے جو مردوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اس لیے ازواج مطہرات کا مراد بیبا درست نہیں ہے۔ لیکن جواب یہ ہے کہ اگر قرآن مجید ہی سے ثابت ہو جائے کہ جمع مذکر کی ضمیر مردوں کے لیے آئی درست ہے تو پھر تمنا تشنیع کار کماں سورہ قصص پارہ ۲۰ میں حضرت موسیٰ کے واقعہ میں ہے۔ قَالَ لَا جِلْدَ لَکُمْۤ اَکْثَرًا۔ حضرت موسیٰ نے اپنی بیوی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح سورہ یوسف میں اِنَّہٗنَّ کُنَّ مِنَ الْغَاطِیٰنِ میں غَاطِیٰنِ جمع مذکر ہے جو زلیخا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورہ ہود میں فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ۔ علیکم میں ضمیر جمع منکلم ہے۔ جس سے واضح ہوا قرآن مجید میں جمع مذکر کی ضمیر مردوں کے لیے استعمال ہوتی ہے تو اسی طرح آیت تطہیر میں جمع مذکر کی ضمیر حضور کی ازواج مطہرات کے لیے آئی ہے۔ فافہم

کیا سزا ہے اس کی جس نے تیری گھر والی سے بدی چاہی
اس آیت میں اہل سے مراد بہر حال بیوی ہی ہے۔

جب فرشتے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت مٹانے کے لیے
آئے تو ان کی بیوی نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ میری عمر نوٹے سے متجاوز ہو چکی
ہے اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہو چکے ہیں ان کی عمر ایک سو بیس سال ہو گئی ہے۔

قَالُوا تَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ
أَهْلَ الْبَيْتِ (سورہ ہود، پارہ ۱۲)

فرشتے بولے کیا اللہ کے کام کا اچنبھا کرتی ہو بے شک اللہ کی رحمت اور
اس کی برکتیں تم پر اس گھر والوں پر۔

اس آیت سے بھی واضح ہوا کہ بیبیاں اہل بیت میں داخل ہیں۔ لہذا
اہل بیت سے ازواج کو خارج قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

اسی نوع کے دیگر دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ آیت تطہیر کے لفظ اہل بیت سے
اولاد بالذات تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں۔ یہی
وجہ ہے کہ جن نفوس قدسیہ کا لفظ اہل بیت میں شامل نہ ہونے کا شبہ ہو سکتا تھا۔ حضور
علیہ السلام نے انہیں اہل بیت میں شامل فرما کر اس شبہ کا قلع قمع فرمادیا۔

چنانچہ مسلم شریف میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
کہ جب آیت نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتَنَا وَكُلَّ الْمُسْلِمِينَ نَدْعُهُمْ نَدْعُهُمْ نَدْعُهُمْ
علیہ وسلم نے جناب علیؑ، سیدہ فاطمہؑ و حسن و حسین کو بلایا اور فرمایا:-

فَقَالَ اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي

اے الہی یہ میرے اہل بیت ہیں (مشکوٰۃ)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ اہل بیت سے حضرت علیؑ

بھی داخل ہیں اور جناب علی مرتضیٰ شیر خدہ اور سیدہ عقیقہ طیبہ طاہرہ فاطمہ اور شہزادہ کونین امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اور قرآن و حدیث سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہی امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے۔
آیتِ تطہیر سے اہل بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اہلبیت نبوت کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ وہ گناہوں سے بچیں اور تقویٰ و پرہیزگاری رہیں۔

دل کا فتویٰ

حضرت و ابصہ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بحضور نبوی حاضر

ہوا تو میرے سوال

فَقَالَ جِئْتُ تَسْأَلُ عَنِ السِّبْرِ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ اسْتَفْتِ قَلْبَكَ
السِّبْرُ مَا أَطْمَأْنَنْتَ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأْنَانَ إِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْإِثْمُ مَا
حَاكَ فِي النَّفْسِ وَمَا تَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ

(دارمی و احمد)

کرے سے قبل ہی آپ نے فرمایا۔ تم نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کرنے آئے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں! حضور نے فرمایا۔ اپنے دل سے فتویٰ لے۔ نیکی وہ ہے جس سے تیرا جی مطمئن ہو اور جس کی طرف دل کا اطمینان ہو اور گناہ وہ ہے جو تیرے جی میں کھٹکے اور سینہ میں تردد پیدا کرے۔ اگرچہ لوگ اس کا فتویٰ دے دیں اور تجھے بھی اس کام کے کرنے کو کہیں۔ حضرت زراس بن سہمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے

حضور سے

عَنِ السِّبْرِ وَالْإِثْمِ فَقَالَ السِّبْرُ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

فِي نَفْسِكَ كَرِهْتَ أَنْ يَطْلُبَ عَلَيْكَ النَّاسُ (مسلم شریف)
نیک اور برائی کے متعلق سوال کیا تو حضور نے فرمایا نیک اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ
ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور لوگوں پر تیرے اس فعل کا ظاہر ہونا تجھے بُرا معلوم ہو۔
ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ انسان کا دل فطری طور پر حق شناس ہے۔
دل کا فتویٰ اور ضمیر کی آواز صحیح و درست ہوتی ہے بشرطیکہ قلب بیدار ہو اور ضمیر زندہ
ہو۔ اور قلب بیدار ہوتا ہے آخرت کے تصور سے۔ جب عقیدہ یہ ہو
کہ آخرت کی باز پرس سے بچنا ممکن نہیں۔ اس دن تو ہر حرکت و سکون کا محاسبہ
ہوتا ہے۔ وہ دن تو ایسا ہوگا کہ آنکھ چندھیائے گی۔ چاند کی روشنی جاتی رہے گی۔ ٹیس و
قمر ملا دیئے جائیں گے۔ (سورہ قیامہ) آسمان پھٹ جائیگا۔ تارے جھرجھجائیں گے۔ سمندر
بہا دیے جائیں گے۔ قبریں کُریدی جائیں گی۔ (سورہ انفطار)

عِلِمَتْ نَفْسٍ مَا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ (انفطار)
(اس دن) ہر جان جان لے گی جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا
يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ (انفطار)
اس دن کوئی جان کسی جان کا کوئی اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہے
يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُكُ لَا وُزْرَ إِلَيَّ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ
الْمُسْتَقَرُّ (سورہ قیامہ)

اس دن آدمی کہے گا کہ ہر بھاگ جاؤں ہرگز نہیں۔ کوئی پناہ نہیں۔ اس دن تیرے
رب ہی کی طرف جا کر ٹھہرنا ہے۔

اس دن مجرم آزد کرے گا۔ کاش اللہ کی پڑا اور اس کے عذاب سے چھٹنے کے
بدلے میں بیوی، بچے، بھائی، کنبہ اور جو کچھ زمین میں ہے لے لیا جائے اور یہ چیزیں اسے
بچالیں۔

كَذَّابًا لِّظُلْمٍ نَّزَاعَةً لِّلشَّرِّ (المعارج)

ہرگز نہیں وہ تو بھڑکتی آگ ہے کھال اُتار لینے والی ، بھلا رہی ہے ،
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
شَرًّا يَرَهُ (زلزال)

جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر بُرائی کرے
اسے دیکھے گا۔

تو جب یہ عقیدہ ہو ، یہ تصور ہو ، آخرت پر ایمان کامل ہو تو پھر دل بیدار ہوتا
ہے۔ حق و ناحق میں تمیز کرتا ہے۔ حق کے حق میں فتویٰ دیتا ہے اور باطل کے باطل
ہونے کا اظہار و اقرار کرتا ہے۔

هَذَا فِي حَقِّ مَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ وَنَوَّرَ قَلْبَهُ (المعات)

مکافاتِ عمل

از روئے لغت کسی چیز کو اس کے محل (جگہ) میں نہ رکھنے کا نام ظلم ہے۔ اسی
لیے اس لفظ کے معنی کی وسعت میں کفر و شرک ، قتلِ ناحق ایسے سنگین جرائم سے لے
کر ایک ادنیٰ اور حقیر سی کوتاہی بھی آجاتی ہے۔ خواہ اس کوتاہی کا تعلق زندگی کے کسی
بھی شعبہ سے ہو ، اچھے اور بُرے اعمال کے ثمرات و اثرات اور نتائج اس دنیا میں
بھی ضرور سامنے آتے ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا :-

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ يُعْذِرُ عَنْ
كَثِيرٍ

جو ہمیں مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔ یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

یہ بھرنی صرف آخرت کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ دنیاوی زندگی سے بھی اس کا گہرا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی سنت ہے کہ وہ اس دنیا میں بھی اچھے یا بُرے عمل کی جزا یا سزا دیتا ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ ہم چاہے دنیا میں کسی کے ساتھ کیسا ہی غلط اور ظالمانہ برتاؤ کریں، کتنے ہی سنگین اور بھیانک گناہوں کا ارتکاب کریں۔ صرف آخرت ہی میں اس کی باز پرس ہوگی۔ دنیا میں اس کا کوئی اچھا یا بُرا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ایسا خیال دراصل ضمیر کے مُردہ ہونے اور احساس کے مرجانے کی علامت ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں ہمیں مختلف اوقات میں جو حادثات و مصائب پیش آتے ہیں وہ دراصل ہمارے اعمال کا نتیجہ ہی ہوتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ضمیر کے مُردہ ہو جانے کی وجہ سے ہم ان آلام و مصائب کے اصل سبب کا احساس نہ کریں۔

غیر ضروری کو ضروری سمجھنا

واضح ہو کہ متعدد ایسے اعمال ہیں جن کا کرنا باعثِ رحمت و ثواب ہے۔ بہت کام ایسے ہیں جو جائز ہیں۔ جن کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر گناہ نہیں۔ بعض متشدد اور خانہ ساز تقویٰ کے مرہن افراد کسی مستحب کام کے نہ کرنے والے پر اعتراض و تنقید کرنے نظر آتے ہیں اور کسی مستحب کام کے کرنے کی تلقین و تبلیغ کے معاملہ میں سخت غلو و تشدد سے کام لیتے ہیں۔ ایسے عجیب، واعظ اور علماء دراصل مغزِ شریعت سے ناواقف ہیں۔ فقہاء احناف یہ تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی امرِ مستحب کو فرض واجب

سمجھنے لگے یا کسی امر مستحب کو فرض و واجب کا درجہ دے تو جان لو کہ اس پر شیطان کا داؤ
چل گیا۔

علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ:-

وَفِيهِ اِنَّ مَنْ اَصْرَّ عَلَى اَمْرٍ مِنْهُ يُؤَيِّدُ وَجْعَهُ عَزْماً مَا وَلَّاهُ يَسْمَلُ
بِالْوَخْصَةِ فَقَدْ اَصَابَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ مِنْ اَوْضُلُولٍ فَكَيْفَ مَنْ اَصْرَّ
عَلَى بِدْعَةٍ اَوْ مُنْكَرٍ (بحوالہ مرقاة)

اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب کو ضروری سمجھے اور رخصت پر عمل نہ
کرے تو شیطان کا داؤ اس پر چل گیا کہ شیطان نے اسے گمراہ کر دیا جب کسی مستحب کو
ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا
حال ہوگا؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی
نماز میں شیطان کا حصہ نہ رکھے یعنی اس بات کو ضروری نہ سمجھے کہ امام کے لیے سلام کے
بعد داہنی طرف بیٹھنا ہی ضروری ہے۔ کیونکہ میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو
بائیں طرف بیٹھتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بعد از سلام امام کو دہنے طرف
بیٹھنے کو ضروری و لازمی سمجھنا زیادتی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی
ہے کہ جیسے کسی جائز و مستحب کام کو فرض و واجب کا درجہ دے دینا غلط ہے۔ اسی طرح
کسی جائز و مستحب کام کرنے والے کو محض اس بدگمانی کی بنا پر روکنا اور اس پر تنگی کرنا
کہ وہ اس جائز یا مستحب کام کو ضروری و لازمی سمجھ کر ہی کر رہا ہے، یہ بھی زیادتی ہے۔

بعض لوگ مسلمانوں میں رائج افعال کو جو فی نفسہ جائز یا مستحب ہیں، اس بنیاد پر
روکتے اور بدعت ہوئے کا فتویٰ دیتے ہیں کہ یہ کلام مسلمان فرض یا واجب سمجھ کر کرتے ہیں

مثال کے طور پر:-

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کا رواج ہے۔ نماز کے کھڑے ہونے کی اطلاع دینے کے لیے درود و سلام پڑھنے کا رواج ہے یا نماز کے بعد ذکر بالجہر کا رواج ہے۔ اب ان جائز افعال کو محض اس بدگمانی کی بنیاد پر بدعت قرار دینا کہ لوگ انہیں فرض و واجب سمجھ کر کرتے ہیں، یہ دراصل نیت پر حملہ اور نیت پر فتویٰ ہے اور شریعت میں فتویٰ ظاہر پر ہوتا ہے اور یہ بات واقعہ کے بھی خلاف ہے کہ مسلمان مذکورہ بالا امور کو فرض و واجب کا درجہ دیتے ہیں۔

ہاں اگر کوئی واضح طور پر اپنے اس خیال کا اظہار کرے کہ میرے نزدیک کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا، نماز کے بعد ذکر بالجہر یا بوقت اذان درود و سلام پڑھنا فرض واجب و ضروری ہے تو بے شک یہ نظریہ قابل تردید و اصلاح ہے۔ لیکن جو لوگ صرف جواز کے قائل ہوں، ان امور کو فرض و واجب نہ سمجھیں، ایسے افراد کو بدعتی قرار دینا حق و صداقت کا خون کرنا ہے۔

علاوہ ازیں یہ ضابطہ شرعی ہے کہ کسی بھی کام کو حرام و ناجائز قرار دینے کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ فقہار حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ جو کام مسلمانوں میں رواج پا گئے ہوں جب تک ان خاص کاموں کی ممانعت کتاب و سنت سے واضح نہ ہو انہیں حرام و ناجائز یا بدعت قرار دینا درست نہیں ہے۔ چنانچہ شمس الائمہ علامہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :-

إِنَّ مَا تَعَارَفَهُ النَّاسُ لَيْسَ فِي عَيْنِهِمْ نَصٌّ يُبْطِلُهُ فَهُوَ جَائِزٌ

(مبسوط ج ۱۲ ص ۴۲)

جو کام لوگوں میں متعارف ہوں اور خاص اس کام کے بطلان و حرمت پر کوئی نص نہ ہو تو وہ جائز ہے۔

عَدَمُ النَّصِّ لَا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ السُّقُوعِ شَمَّ لَوْ سَلِمَ لَا يُلْزَمُ مِنْهُ

عَدُّهُ الْجَوَازِ (فتح القدیر)

یعنی کسی امر کا منقول نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وقوع ہوا ہی نہیں۔ پھر اگر عدم وقوع فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے عدم جواز لازم نہیں آتا۔ واضح رہے کہ علامہ سرخسی کا بیان کردہ مذکورہ بالا ضابطہ ان کا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی نص قطعی سے مستفاد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں، یہ حلال ہے، یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔

اسی لیے فقہار احناف فرماتے ہیں کہ کسی فعل کے جائز و مباح ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن و حدیث کے اس کام کو منع نہیں فرمایا۔ یعنی جواز کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں کسی کام کو حرام و ناجائز و بدعت قرار دینے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

بزرگان دین کے عرس

بزرگان دین کے اعراس کو یہ کہہ کر بدعت قرار دیا جاتا ہے کہ عرس کرنے والے آکے فرض واجب سمجھتے ہیں اور تاریخ مقرر کر کے ہر سال کرتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز اپنے والد مکرم حضرت شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمہ کا عرس مناتے تھے۔ مولوی عبدالحکیم طہانی نے بھی آپ پر مذکورہ بالا اعتراض کیا اور حضرت حضرت شاہ عبدالعزیز نے ان کے اعتراض کا جو جواب دیا ملاحظہ ہو:-

ایں طعن مہنی است بر جہل احوال مطعون علیہ۔ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ را

یہ پچکس فرض نمی داند۔ آسے زیارتِ قبور و تبرک بقبور صالحین و تلاوتِ قرآن و دعائے خیر و تقسیمِ طعام و شیرینی امرِ مستحسن خوب است بہر اجماع علماء و یقین روزِ عرس آنست کہ اُن روزند کہ انتقالِ ایشان باشد از دارالعمل بدار الثواب (زبدۃ النصاب ص ۵۸) یہ طعن جس پر کیا جا رہا ہے۔ اس کی حالت و بے خبری پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ سوائے فرائضِ مقررہ شرعیہ کے کوئی شخص کسی شے کو فرض نہیں جانتا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ زیارتِ قبور اور صالحین کی قبروں سے برکت حاصل کرنا، قرآنِ مجید کی تلاوت، دعائے خیر، تقسیمِ طعام و شیرینی با اتفاقِ علماءِ کرام مستحسن اور خوب کام ہے اور روزِ عرس کے متعین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دن (اس بزرگ) کے دارالعمل سے دارالثواب کی طرف انتقال کی یاد تازہ کرتا ہے۔

جتنے کہ مانعین کے امام مولوی اسماعیل دہلوی مصنف تقویت الایمان نے بھی صراطِ مستقیم میں (باد جو تذرو نیاز و اسواس کو ناجائز قرار دینے کے) یہ لکھا ہے۔ پس در خوبی این قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ ہا و اسواس و تذرو نیاز اموات شک و شبہ نیست (صراطِ مستقیم ص ۵۵)

یعنی فاتحہ عرس اور اموات کے لیے تذرو نیاز میں اس قدر بیان کردہ خوبی و اچھائی میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

البتہ یہ ظاہر ہے کہ بزرگانِ دین کے عرسوں کو کھیل تماشا نہ بنایا جائے اور کوئی کام شریعت کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے رقص و سرود کی مجالس، مستورات کا بے حجاب و بے نقاب آنا یا قبروں کو سجدہ کرنا یا قبور کا طواف کرنا وغیرہ وغیرہ۔ رہا ہر سال کسی بزرگ یا کسی مسلمان کی قبر پر جانا، فاتحہ پڑھنا، ایصالِ ثواب کرنا جائز و مباح ہے فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب رد المحتار میں ہے:-

نَوِي عَنْ أَبِي شَيْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

يَا أَيُّهَا قُبُورُ الشُّهَدَاءِ بِأَحَدٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْطٍ (ردالمحتار)
ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں
شہداءِ اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ :-
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سال کے شروع میں قبورِ شہداء پر تشریف لاتے اور فرماتے :-
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَالْخَلَفَاءُ الْأَوَّلُونَ
هَكَذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (کبیر ج ۱)
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اور خلفاء
اربعہ صدیق و فادق عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

میٹ کے گھر کا کھانا ناجائز و ممنوع ہے

دیہات اور خصوصاً برادری والوں میں یہ رسم ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے
تو میٹ کے روز و وقت سے عزیز و اقارب، دوست احباب اس کے ہاں جمع
ہو جاتے ہیں۔ پھر کچھ دوسرے تیسرے دن واپس ہوتے ہیں اور بعض چالیسویں تک
قیام کرتے ہیں اور اس مدت میں ان عزیز و اقارب کے قیام و طعام کا انتظام ہاتھام
اہل میٹ کو کرنا پڑتا ہے اور اس طرح اہل میٹ صرف کثیر کے زیر بار ہوتے
ہیں۔ بلکہ بعض اوقات قرض لے کر عزیزوں کے مصارفِ قیام و طعام کو پورا کرتے
ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو برادری میں مطعون و بدنام ہوتے ہیں۔ ناک کھٹنے کا خطرہ ہوتا ہے
لیکن اسلام کی نظر میں یہ رسم ناجائز و ممنوع ہے اور اس کے ناجائز ہونے پر متعدد حدیثیں
ناطق ہیں۔ فقہاءِ احناف نے تصریح فرمائی ہے :-

وَيُكْرَهُ اتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ، مِنَ الطَّعَامِ مِنْ أَهْلِ الْمَيْتَةِ لِأَنَّ
شُرْعَ فِي السُّؤْدِ لَا فِي الشُّؤْدِ وَهِيَ بِذَعَةٍ مُسْتَقْبِكَةٍ (فتح القدير)
اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی منع ہے کہ شرع نے ضیافت
خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت ثنیہ ہے۔

فقہ حنفی کی معتبر کتاب مراقی الفلاح، خلاصہ، سرآجیہ، ظہیریہ، تاتاریہ، عالمگیری
وغیرہ میں بھی اس ضیافت کو ناجائز لکھا ہے اور مراجعہ کے الفاظ یہ ہیں:-

لَا يُبَاحُ اتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ عَنْهُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فِي الْمُصِيبَةِ
اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی جائز نہیں ہے

اسی بات درست ہے کہ مصیبت کے لیے تین دن بیٹھ سکتے ہیں۔ جب کہ کسی امر
منوع کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ جیسے مکلف قرش بچھانا اور میت والوں کی طرف سے کھانے
کا اہتمام کرنا جامع آرمز میں ہے۔

وَيُكْرَهُ الْجُلُوسُ لِلْمُصِيبَةِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَقَلَّ فِي الْمَسْجِدِ وَ
يُكْرَهُ اتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ وَكَذَا أَكْلُهَا
كَمَا فِي مَخِيرِ الْفَتَاوَى

یعنی تین دن یا کم تعزیت کے لیے مسجد میں بیٹھنا منع ہے اور ان دنوں میں ضیافت
بھی ممنوع ہے اور اس کا کھانا بھی ممنوع ہے۔

پھر اگر یہ ضیافت وارثوں کے مال سے ان کی اجازت کے بغیر کی جائے تو اور بھی
زیادہ امر سخت اور شدید حرام ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:-

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا — الْبَخ

بہ شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹ میں انگارے
بھرتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ وارثوں میں تقسیم اور نابالغ بچے بھی ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں مذکورہ بالا ضیافت تقسیموں کے مال کو ظلم و جور سے کھانا اور برباد کرنا ہے اور یہ حرام و ناجائز ہے۔ ہاں اگر میت کو ایصالِ ثواب کے لیے کھانا وغیرہ غریبوں میں تقسیم کیا جائے تو جائز ہے۔ بشرطیکہ کوئی عاقل بالغ اپنے مالِ خاص سے کرے اور اگر ترکہ سے ایصالِ ثواب کیا جائے۔ تو اگر تمام وارث بالغ ہیں تو ان کی اجازت سے کر سکتے ہیں۔ بلا اجازت و ثواب جائز نہیں۔ اور اگر وارثوں میں نابالغ بھی ہیں تو بھی ترکہ سے ایصالِ ثواب جائز نہیں ہے۔

۱۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اِنْ اَتَّخَذُوا لِمَيِّتٍ طَعَامًا لِّلْفُقَرَاءِ كَانَ حَسَنًا اِلَّا اَنْ يُّكُوْنَ فِي الْوَرَثَةِ صَغِيرٌ كَانَ فَلَا يَتَّخِذُوا ذَالِكَ مِنَ التَّرَكَّةِ اور مہندیہ، خانیہ، تمار خانیہ میں ہے۔ اِنْ اَتَّخَذَ طَعَامًا لِّلْفُقَرَاءِ كَانَ حَسَنًا اِذَا كَانَتْ الْوَرَثَةُ بِالْعَيْنِ فَاِنْ كَانَتْ فِي الْوَرَثَةِ صَغِيرٌ لَمْ يَتَّخِذُوا ذَالِكَ مِنَ التَّرَكَّةِ مِنْهُ

والد پر اولاد کا حق

حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اولاد کا والد پر حق یہ ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھا ادب سکھائے (بہیقی) قیامت کے دن تمہارے ناموں اور تمہارے باپوں کے ناموں سے بلایا جائے گا۔ لہذا اچھے نام رکھا کرو (ابوداؤد) اللہ تعالیٰ کو سب سے پیارا نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہے (مسلم) اچھے نام کا مطلب یہ ہے کہ از روئے لغت اس کے معنی اچھے ہوں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نام تبدیل فرمادیا کرتے تھے۔ ایک عورت کا نام عاصیہ تھا۔ حضور نے اس کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ اسی طرح ایک شخص کا نام حُزن تھا۔ حضور نے اس کا نام سہل رکھ دیا۔ (مشکوٰۃ شریف)



گرگٹ، کے قتل کرنے پر ثواب

بلاوجہ اور بلا ضرورت جانوروں کو ایذا دینا ممنوع اور گناہ ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عَذِبَتْ اِمْرَاةٌ فِيْ هِرَّةٍ (بخاری) ایک عورت کو اس لیے عذاب دیا گیا کہ اس نے بلی کو باندھ دیا۔ نہ اسے خود کھانے کو دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ خود حشرات الارض سے اپنا پیٹ بھر لیتی۔ نیز نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اَرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ تم زمین والی مخلوق پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحمت فرمائے گا۔ اسلام چونکہ دینِ رحمت ہے۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے یہ ہدایت فرمائی کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ ایذا رسانی اور بے رحمی کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ اس لیے جانوروں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرنا حرام اور گناہ ہے جیسے جانوروں کو لڑانا، ان کی ہمت اور طاقت سے زیادہ کام لینا یا بوجھ لادنا یا انھیں بھوکا پیاسا رکھنا جائز نہیں۔ البتہ وہ جانور جو موذی ہیں۔ جو جان و مال کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یا ایسے جانور جو کھیتی باغ وغیرہ کو نقصان پہنچاتیں۔ انھیں ہلاک کرنا جائز ہے۔ بلی اگر نقصان پہنچائے تو اسے تیز چھری سے ذبح کر دینا چاہیے۔ انڈا مار کر مارنا جائز نہیں۔ اس طرح ٹڈی حلال جانور ہے۔ کھانے کے لیے مار سکتے ہیں۔ ٹڈی بغیر ذبح کے حلال ہے۔ ٹڈی اگر کھیتوں کو نقصان پہنچائے تو اسے تلف کرنا جائز ہے۔ چونٹی اگر ایذا پہنچائے تو اسے مارنا جائز ہے۔ مگر جلانا ظلم ہے۔ چونٹی کو بلاوجہ مارنا ممنوع و مکروہ ہے۔ اسی طرح کھٹل، پسو، مچھر، سانپ، بچھو، چیل، کوتا، چوہا، گرگٹ، چھپکلی وغیرہ ایذا دینے والے جانوروں کو ہلاک کر دینا جائز ہے۔ مسلم و بخاری شریعت کی صحیح حدیث میں دُزخ جسے گرگٹ کہتے ہیں۔ جو چھپکلی سے بڑا ہوتا ہے۔ اس کی دُم بھی لمبی ہوتی ہے۔ زنگ بھی بدلتا ہے۔ اس کے مارنے کے متعلق ہدایت ہے۔

موجود ہے۔ حضرت ام شریک سے روایت ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے

۱۔ اَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزْغِ وَهَذَا كَانَ | گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا۔ اس لیے کہ وہ
يَنْفُخُ عَلَى ابْنِ هِشْمٍ (بخاری) | حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پھونکیں مارتا تھا
۲۔ حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ

کے مارنے کا حکم دیا

اَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزْغِ وَهَذَا كَانَ | اور آپ نے اس کو فاسق نافرمان
فَوَيْسِقًا (مسلم) | قرار دیا۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ جس نے گرگٹ کو پہلی ضرب میں

مَنْ قَتَلَ وَزْغًا فِي اَوَّلِ ضَرْبَةٍ | قتل کیا تو اس کے نامہ اعمال میں سو
كُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ | نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دوسری ضرب
وَفِي الثَّانِيَةِ دُونَ ذَلِكَ | میں اس سے کم اور تیسری میں اس
وَفِي الثَّلَاثَةِ دُونَ ذَلِكَ | سے کم۔ (مسلم)

جب حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو مرو دینے آگ میں ڈالا تو گرگٹ میلوں
دور بیٹھا آگ کی طرف پھونکیں مارتا تھا۔ تاکہ آگ تیز ہو کہ حضرت ابراہیم کو نقصان
پہنچاتے۔ اگرچہ اس کی پھونک ایک بے معنی اور عبث فعل تھا۔ مگر اس کی اس
حرکت سے اس کی اس کیفیت کا اظہار ہوتا کہ وہ دشمن خلیل ہے اور حضور سرور عالم
نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تصریح فرمائی۔ كَانَ يَنْفُخُ عَلَى ابْنِ هِشْمٍ
جس سے واضح ہوتا ہے کہ جانوروں بلکہ جنات و پتھروں میں بھی شور ہوتا ہے اور
جانوروں میں بھی انبیاء کرام سے محبت کرنے یا ان سے عداوت رکھنے والے ہوتے
ہیں جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اُحَدِّثْ بَہَاؤُہِمْ
محبت کرتا ہے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ عبیر پہاڑ ہم سے

بغض رکھتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عَنْ قَيْلٍ أَرْبَعٌ مِنَ الذَّوَابِ الضَّلَّةُ
وَالْقَلْبَةُ قَدْ أَهْذَتْ هَذِهِ وَالصَّوْدُ
نہی علیہ السلام نے چوہنٹی، شہد کی
کھنکھن، ہڈ اور ممولہ کے مارنے سے
منع فرمایا۔

ترگرگٹ کے قتل کرنے کی ہدایت کی علت حضور علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمائی۔
کہ وہ مار مڑودی کی طرف پھونکیں مارتا تھا۔ یعنی اس کا یہ فعل حضرت ابراہیم علیہ السلام
سے بغض و عداوت کا مظاہرہ قرار پاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اس کو پہلے ضرب میں
مارنے والے کو سونکیوں کا ثواب ملے گا۔ اس کے برخلاف ہڈ پرندہ کو مارنے سے
حضور علیہ السلام نے منع فرمایا۔ کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا
گیا تو ہڈ اپنی لمبی چوڑی میں پانی لٹا اور دوسرے آگ میں ڈال دیتا تھا تاکہ آگ بجھ
جائے۔ اللہ کے ایک مقدس نبی سے ہڈ پرندہ کی اس نیاز مندی کا صلہ اسے یہ ملا کہ
حضرت سلیمان علیہ السلام کی مصاحبت کا شرف اسے حاصل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین
کو اس کے لیے ٹیٹھے کی طرح کر دیا۔ اس کی نظر زمیں کی تہ تک پہنچ جاتی ہے اور وہ
یہ بتا دیتا کہ زمین کے کس حصہ میں پانی موجود ہے۔ قرآن مجید کی سورہ نمل میں بھی ہڈ
کا ذکر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ مَا لِي لَا أَرَى الْهَيْدُ هَذَا۔ معلوم
ہوا کہ جانور جو غیر مکلف ہیں۔ اگر ان سے بھی انبیائے کرام علیہم السلام سے محبت
و عقیدت کا کوئی فعل عمل میں آجائے تو ان کا انجام اچھا ہوتا ہے اور اگر ان سے
کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے۔ جس سے انبیاء کرام کی توہین و تنقیص اور بغض و عداوت
کا اظہار ہوتا ہو تو بآجودان کے خیر مکلف ہونے کے وہ مبغوض و مردود ہو جاتے ہیں اور
ایسے جانوروں کو قتل کرنے پر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ انہی بنا پر ترگرگٹ کا
قتل کرنا باعثِ اجر و ثواب ہو گیا۔ یہ بھی واضح ہوا کہ جب جانوروں کی یہ کیفیت ہے تو
انسان جو صاحبِ عقل و فہم ہے۔ اگر معاذ اللہ اس سے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان
میں بے ادبی ہو جائے تو اس کی سنگینی کا کیا عالم ہو گا۔

حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام

اس مسئلہ پر غور و فکر سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ مانی ہوئی باتیں چار قسم کی ہیں :-

اول :- ضروریاتِ دین - جن کا منکر کافر ہوتا ہے اور جس کا ثبوت قرآنِ عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی قطعیات الدلالات و اضحیٰ الافادات سے ہوتا ہے۔ ایسا کہ اس میں شبہ کو گنجائش اور نہ تاویل کو راہ۔

دوم :- ضروریاتِ مذہب اہل سنت و جماعت - جن کا منکر گمراہ قرار پاتا ہے اور اس کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔ اگرچہ باحتمال تاویل باب تکفیر مسدود ہو۔ یعنی اس کے منکر کو کافر نہیں کہیں گے۔

سوم :- ثبوتاتِ محکمہ - جن کا منکر بعد و ضروح امر خاطی و آثم قرار پاتا ہے۔ ان کے ثبوت کو دلیل قطعی کافی ہے۔ جب اس کا مفاد اکبر راستے کے جانب خلاف کو مطروح و مضحمل کر دے۔ اس کے ثبوت کے لیے حدیث احاد صحیح یا حسن کافی۔

چہارم :- ظنیاتِ محتملہ - جن کے منکر کو صرف محظی کہہ سکتے ہیں۔ ان کے لیے ایسی دلیل قطعی کافی جس نے جانب خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو۔ ان ضابطوں کی روشنی میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے متعلق مسئلے تین ہیں اور ان کا حکم شرعی بھی علیحدہ ہے۔ کیونکہ بات جس مرتبہ کی ہو دلیل بھی اسی

مرتبہ کی چاہیے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے :-

مسئلہ اول :- اتنی بات قطعی یقینی ضروریاتِ دین ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نہ قتل ہوئے اور نہ سول دیے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہود کے مکر سے بچا کر آسمان پر اٹھالیا۔ جو شخص اس کا منکر ہو وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ بات قرآن مجید کی نصِ قطعی سے واضح و ثابت ہے، ارشادِ خداوندی ہے :-

وَيَكْفُرُ بِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا وَ
قَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا
صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ
مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا تَبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا
بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا وَ إِنِّ مِنْ أَهْلِ
الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ
عَلَيْهِمْ شَهِيدٌ ه (سورہ نسا۔)

اور ہم نے یہود پر لعنت کی بسبب ان کے کفر کرنے اور مریم پر بڑا بہتان اٹھانے اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا اور بات یہ ہے انھوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی۔ بلکہ ان کے لیے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا اور وہ جو اس کے بارہ میں اختلاف کر رہے ہیں۔ ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں۔ مگر یہ ہی گمان کی پیروی اور اب تک انھوں نے اس کو قتل نہ کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالبِ حکمت والا ہے اور کوئی کتاب ایسا نہیں جو اس (عیسیٰ) کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لاتے اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰ) ان پر گواہ ہوگا۔ ان آیات میں یہود کے اس دعویٰ کی تکذیب کی گئی ہے کہ جناب عیسیٰ بن مریم

کو شہید کیا گیا۔ قرآن مجید نے تصریح کی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نہ قتل ہوئے اور نہ
سول دیئے گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح وسلامت آسمان پر اٹھالیا۔

لے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انتقال کے بعد دوبارہ کسی نبی کا دنیا میں آنا ممکن ہے
کسی نبی کا انتقال، دوبارہ دنیا میں اس کی تشریف آوری کو محال نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید
میں فرمایا :-

أَوَكَلَّا لَدِي مَرَّةً عَلَى قَرْبَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرْسِهَا قَالَ
أَتَىٰ يَحْيَىٰ هَلِ هَٰذَا اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَإِنَّمَا قَدَّمَ اللّٰهُ مَا شَاءَ
شَرَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَفَرْتُمْ لَقَدْ كُنْتُمْ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ
قَالَ بَلْ لَقِيتَ مِمَّا عَامِرٌ فَلَا تَنْظُرُ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ
لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلَنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ
وَانْظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهُمَا لَٰكِنَّمَا تَتَّبِعُ
فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ
یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ گری ہوئی تھی اپنی چھتوں پر۔ بولا کہاں جلائے
گا اللہ بعد اس کی موت کے۔ سو اچھے موت دی اللہ نے سو برس پھر اُسے زندہ کیا اور فرمایا
تو یہاں کتنا ٹھہرا، بولا میں ٹھہرا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا بلکہ تو یہاں ٹھہرا سو برس۔
اب دیکھ اپنے کھانے اور پینے کو (جو دو روز میں جو چاہئے کی چیز تھے وہ اب تک) نہ جوڑے
اور دیکھ اپنے گدھے کو (جس کی بڑیاں تک گل تھیں) اور تاکہ ہم تجھے نشانی بنائیں لوگوں کے
لینے (کہ اللہ تعالیٰ یوں مردوں کو جلاتا ہے) اور دیکھ ان بڑیوں کو کہ ہم کیونکر انہیں اٹھاتے،
پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ جب یہ سب اس کے لیے ظاہر ہو گیا (اور اس کی آنکھوں
کے سامنے ہم نے اس کے گدھے کی گل ہوئی بڑیوں کو درست فرما کر گوشت پہنا کر زندہ کر دیا)

مسئلہ ثانیہ | جناب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا قرب قیامت میں آسمان سے اترنا، دنیا میں دوبارہ تشریف آوری راسِ عہد کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے لیا یعنی دینِ محمدی کی امداد و اعانت کرنا، یہ مسئلہ ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت سے ہے اور اس کا منکر گمراہ و بد مذہب ہے۔ کیونکہ نزولِ عیسیٰ کا ثبوت احادیثِ متواترہ و اجماعِ حق سے بھی ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کی چند احادیث یہ ہیں:-

۱۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

كَيْفَ أَتْتُمَا إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فَيُحْكُمُ وَ إِمَامُكُمْ مِنْكُمْ
کیسا حال ہوگا تمہارا جب تم میں ابنِ مریم نزول کریں گے اور تمہارا امام تمہیں ہی

بولا میں جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کے بعد ربِ جل و علانے سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے رب سے عرض کی۔ مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے جلاتے گا۔ حکم ہوا چار پرندے اپنے ادب پر ہلائے۔ پھر انہیں ذبح کر کے متفرق پہاڑوں پر ان کے اجزاء رکھ دے۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا۔ اسی کے پر اور خون اور گوشت قیمتیہ کر کے سب خط ملط کئے اور اس مجموعِ مخلوط کے حصے کر کے متفرق پہاڑوں پر رکھے حکم ہوا، اب انہیں بلاتیرے پاس دوڑتے چلے آئیں گے۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نیا بچہ میں کھڑے ہو کر آواز دی۔ ملاحظہ فرمایا کہ ہر جانور کے گوشت پرست، پروں کا رینہ ریزہ ہر پہاڑ سے اڑ کر ہوا میں باہم ملتا اور پورا پرندہ بن کر زندہ ہو گیا ان کے پاس دوڑتا آرہا ہے تو جب چرند پرند مکرر دنیا میں پھر پٹنے اور عزیر یا ارمیا علیہما الصلوٰۃ والسلام سو برس موت کے بعد دنیا میں پھر تشریف لا کر ہادی خلق ہوئے۔ تو اگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بالقرن انتقال بھی فرمایا ہو تو یہ ان کے دوبارہ تشریف لانے اور ہدایت فرماتے سے کیا مانع ہو سکتا ہے۔

سے ہوگا۔

۲۔ حدیث صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں، جامع ترمذی و سنن نسائی و سنن ابن ماجہ میں حضرت صدیقہ بن اسید غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتَّى تَرَوْا قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ فَذَكَرَ
الدُّخَانَ وَالْجَحَالَ وَالْدَّابَّةَ وَطُلُوعَ الشَّمْسِ عَنْ
مَغْرِبِهَا وَنُزُولَ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ وَيَاجُوجَ وَمَاجُوجَ۔
یشک قیامت نہیں آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ
لو ازاںجملہ ایک دھواں اور دجال اور دابۃ الارض اور آفتاب کا مغرب سے طلوع
کرنا اور عیسیٰ بن مریم کا اترنا اور یا جوج و ما جوج کا نکلنا۔

۳۔ منہام احمد و صحیح مسلم میں حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے
ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ذکر میں فرمایا:-

يَأْتِي بِالشَّامِ مَدِينَةً بِفَلَسْطِينَ بَابَ لُدٍّ فَيَنْزِلُ عِيسَى
عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَيَقْتُلُهُ وَيَمْكُثُ عِيسَى فِي
الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ مَسْنَةً إِمَامًا عَدْلًا وَحَكَمًا مُقْسِطًا۔

وہ ملک شام میں شہر فلسطین دروازہ شہر لُد کو جاتیگا۔ عیسیٰ علیہ الصلاۃ
والسلام زمین میں چالیس برس رہیں گے۔ امام عادل و حاکم منصف ہوکر۔

۴۔ منہ و صحیح مذکورین میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے
ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لَا تَنَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ
إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ فَيَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ أَكْرَمَةٌ تَعَالَى لِهَذَا أُمَّةٌ
ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ حق پر قتال کرتا تا قیامت غالب رہیگا۔ پس
عیسیٰ بن مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام اُتریں گے۔ امیر المؤمنین اُن سے کہیگا آئیے
ہمیں نماز پڑھائیے وہ فرمائیں گے نہ۔ تم میں بعض بعض پر سردار ہیں۔ بسبب اس
امت کی بزرگی کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

۵۔ سند احمد و صحیح مسلم و جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ میں مطولاً اور سنن ابی
داؤد میں مختصراً حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال لعین کا ذکر فرمایا کہ وہ شام و عراق کے درمیان سے
نکلے گا۔ چالیس دن رہے گا۔ پہلا دن ایک سال کا ہوگا اور دوسرا ایک مہینے کا۔
تیسرا ایک ہفتے کا۔ باقی دن چلیے ہوتے ہیں۔ اس قدر جلد ایک شہر سے دوسرے
میں پہنچے گا جیسے بادل کو ہوا اڑائے لیے جاتی ہو۔ جو اُسے مانیں گے اُن کے لیے
بادل کو حکم دے گا، برسے لگے گا۔ زمین کو حکم دے گا، کھیتی جم اٹھے گی، جو نہ
مانیں گے اُن کے پاس سے چلا جائیگا۔ ان پر قحط ہو جائے گا۔ تہی دست رہ جائیں
ویرانے پر کھڑا ہو کر کہے گا۔ اپنے خزانے نکال۔ خزانے نکل کر شہر کی مکھوں کی
طرح اس کے پیچھے ہو لیں گے۔ پھر ایک جوان گھٹے ہوتے جسم کو بلا کر تلوار سے دو
ٹکڑے کرے گا۔ دونوں ٹکڑے ایک نشانہ تیر کے فاصلے سے رکھ کر مقتول آواز دے
گا۔ وہ زندہ ہو کر چلا آئیگا۔ دجال لعین اس پر بہت خوش ہوگا اور ہنسے گا۔

فَبَيْنَمَا كَذَلِكَ إِذْ بُعِثَ اللَّهُ الْمَسِيحُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيٍّ دَمِشْقِ بَيْنَ
مَهْرٍ وَذَيْنِ وَاصِعًا كَفَيْهِ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَئِنِ إِذَا طَاطَأَ
رَأْسَهُ قَطَرُوا إِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جَنَانٌ كَالْمُلُوكِ فَلَا يَحِلُّ

لِكَافِرٍ يَجِدُ رَيْحَ نَفْسِهِ إِلَّا مَاتَ وَنَفْسُهُ يَنْتَهَى طَرْفُهُ
فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يَذْرُكَهُ بِبَابٍ لَدَى فَيَقْتُلُهُ

دجال لعین اسی حال میں ہوگا کہ اللہ عزوجل مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجے گا۔ وہ دمشق کی شرقی جانب منارۃ پسید کے پاس نزول فرمائیں گے۔ دو کپڑے ورس وزعفران سے رنگے ہوئے پہنے دو فرشتوں کے پردوں پر ہاتھ رکھے جب اپنا سر جھکائیں گے، بالوں سے پانی ٹپکنے لگے گا اور جب سر اٹھائیں گے موتی سے جھڑنے لگیں گے۔ کسی کافر کو حلال نہیں کہ اُن کے سانس کی خوشبو پائے اور مر نہ جائے اور ان کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اُن کی نگاہ پہنچے گی۔ وہ دجال لعین کو تلاش کر کے بیت المقدس کے قریب جو شہر لُذ ہے۔ اس کے دروازے کے پاس اسے قتل فرمائیں گے۔

اس کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے زمانے میں یا جوج و ماجوج کا ٹکنا، پھر اس کا ہلاک ہونا بیان فرمایا۔ پھر اُن کے زمانے میں برکت کی افراط، یہاں تک کہ انار اتنے اتنے بڑے پیدا ہوں گے کہ ایک انار سے ایک جماعت کا پیٹ بھرے گا۔ چھلکے کے سایہ میں ایک جماعت آجائے گی۔ ایک اونٹنی کا دودھ آدمیوں کے گرد ہوں کو کافی ہوگا۔ ایک گائے کے دودھ سے ایک قبیلے اور ایک بکری کے دودھ سے ایک قبیلے کی شاخ کا پیٹ بھر جائیگا۔

۶۔ سند احمد و صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

يَخْرُجُ النَّجَالُ فِي أُمَّتِي فَيَمَكْتُ أَرْبَعِينَ سَنَةً فَيَبْعَثُ اللَّهُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَطْلُبُهُ فَيُهْلِكُهُ۔

دجال میری امت میں نکلے گا۔ ایک چارہ ٹھہرے گا۔ پھر اللہ عزوجل عیسیٰ بن

مریم کو بھیجے گا۔ وہ اسے ڈھونڈ کر قتل کریں گے۔

۷۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میرے اور عیسیٰ کے بیچ میں کوئی نبی نہیں اور بے شک لَبِيسَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ نَبِيٌّ يَغْنِي عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَوَاقَّةٌ نَازِلَةٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَاعْرِفُوا رَجُلًا مَوْبُوعٌ إِلَى الْحَمْرَةِ وَالْبَيَاضِ مُمَصَّرَتَيْنِ كَانَ رَأْسُهُ يُقَطَّرُ وَإِنْ لَمْ يُصِيبْهُ بَلَلٌ فَيُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَيَذُقُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخِزْيُرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيُهْلِكُ اللَّهَ فِي زَمَانِهِ أَلْمَلَكُ كُلُّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ وَيُهْلِكُ الْمَسِيحَ الدَّجَالَ فَيَمُوتُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يَتَوَفَّى فَيُصَلَّى عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ

وہ اترنے والے ہیں۔ جب تم انہیں دیکھنا پہچان لینا۔ وہ میانہ ہیں۔ رنگ سُرخ و سپید، دو کپڑے ہلکے زر و رنگ کے پینے ہوئے گویا ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اگرچہ انہیں تری نہ پہنچی ہو۔ وہ اسلام پر کافروں سے جہاد فرمائیں گے۔ صلیب توڑیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ اٹھا دیں گے۔ اُن کے زمانہ میں اللہ عز و جل اسلام کے سوا سب مذہبوں کو فنا کر دے گا۔ وہ مسیح و جال کو ہلاک کریں گے۔ دنیا میں چالیس برس رہ کر وفات پائیں گے۔ مسلمان ان کے جنازے کی نماز پڑھیں گے۔

۸۔ امام احمد اور طبرانی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکرِ دجال بیان کر کے فرمایا:۔

ثُمَّ يَجِيءُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ مِنْ قِبَلِ الْمَغْرِبِ مُصَدِّقًا مُحَمَّدًا

صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَى مِلَّتِهِ يَفْتُلُ الدَّجَالُ
شَعْرَانِمَا هُوَ قِيَامُ السَّاعَةِ

اس کے بعد عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام جانب مغرب سے آئیں گے
محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہوئے اور انہیں کی ملت پر۔ پس
دجال کو قتل کریں گے۔ پھر آگے قیامت ہی قائم ہونا ہے۔

۹۔ معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد ذکر دجال فرمایا :-

يَلْبِثُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ يَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا
لِحُكْمِهِ عَلَى مِلَّتِهِ إِمَامًا مَهْدِيًّا وَحُكْمًا عَدْلًا فَيَقْتُلُ الدَّجَالَ

وہ تم میں رہے گا۔ جب تک اللہ چاہے۔ پھر عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ
والسلام اُتریں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہوئے۔ حضور کی ملت
پر امام راہ پائے ہوئے اور حاکم عدل کرنے والے وہ دجال کو قتل کریں گے۔

۱۰۔ طبرانی کبیر میں اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :-

يَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ عِنْدَ الْمِنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيٍّ دِمَشْقَ

عیسیٰ بن مریم دمشق کی شرقی جانب منارۃ پیید کے پاس نزول فرمائیں گے

۱۱۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

لِيَهْبِطَنَّ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ حُكْمًا وَإِمَامًا مُقْسَطًا وَلِيَعْلَمَنَّ

فَجَا حَاجًا أَوْ مُقْتَمَرًا وَلِيَأْتِيَنَّ قَبْرِي حَتَّى يُسَلِّمَ عَلَيَّ

وَلَا دُؤْنَ عَلَيْهِ

خدا کی قسم ضرور عیسیٰ بن مریم حاکم و عادل ہو کر اتریں گے اور ضرور شام عام کے رستے حج یا عمرے کو جائیں گے اور ضرور میرے سلام کے لیے مزار اقدس پر حاضر آئیں گے اور ضرور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔

۱۲۔ ابو نعیم حلیہ اور ابو سعید نقاش فرماتے عراقیین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

طُوبَى لِعَيْشٍ بَعْدَ الْمَسِيحِ يُوقِذُنُ لِلْسَّمَاءِ فِي الْقَطْرِ وَيُوقِذُنُ لِلْأَرْضِ فِي الْخَبَاتِ حَتَّى لَوْ بَدَتْ حَبْكُ عَلَى الصَّفَا لَنَبَتْ وَ حَتَّى يَمُوتَ الرَّجُلُ عَلَى الْأَسَدِ فَلَا يَضُرُّهُ وَ يَطَاءُ عَلَى الْحَيَّةِ فَلَا تَضُرُّهُ وَلَا تَشَاحُحُ وَلَا تَحَاسِدُ وَلَا تَبَاغُضُ۔

عوشی اور شادمانی ہے اس عیش کے لیے جو بعد نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوگا۔ آسمان کو اذن ہوگا کہ برے اور زمین کو حکم ہوگا کہ اُگے۔ یہاں تک کہ اگر تو اپنا دانہ پتھر کی چٹان پر ڈال دے تو وہ بھی جُم اٹھے گا۔ یہاں تک کہ آدمی شیر پر گزرے گا اور وہ نقصان نہ پہنچائے گا اور سانپ پر پاؤں رکھ دے گا اور وہ اُسے مضرت نہ دے گا۔ نہ آپس میں مال کا لالچ رہے گا، نہ حسد نہ کینہ۔

۱۳۔ امام رازی و ابن عساکر بطریق عبد الرحمن بن ایوب بن نافع بن کیسان عن ابیہ عن جده رضی اللہ تعالیٰ عنہ، راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

يَنْزِلُ عَيْسَى بْنُ مَرْيَمَ عِنْدَ بَابِ دَمَشْقٍ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ لِسِتِّ سَاعَاتٍ مِنَ النَّهَارِ فِي ثَوْبَيْنِ هُمُشَوَقَيْنِ كَأَنَّمَا يَخْجُرُ مِنْ رَأْسِهِ اللَّوْلُؤُ۔

عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام دروازہ دمشق کے نزدیک سپید منارے کے پاس چھ گھڑی دن چڑھے رنگین کپڑے پہنے اتریں گے۔ گویا ان کے بالوں سے موتی جھڑتے ہیں۔

۱۴۔ ابن الجوزی کتاب الوفا میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

يُنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُولَدُ لَهُ وَيَمُوتُ خَمْسًا وَارْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوتُ فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِي قَبْرِى فَأَقُومُ أَنَا وَعِيسَى بْنُ مَرْيَمَ مِنْ قَبْرِى وَاحِدٍ بَيْنَ آبَى بَكْرٍ

عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام زمین پر اتریں گے۔ یہاں شادی کریں گے۔ انکے اولاد ہوگی۔ پینتالیس برس رہیں گے۔ اس کے بعد ان کی وفات ہوگی۔ میرے ساتھ مقبرہ پاک میں دفن ہوں گے۔ روز قیامت میں اور وہ ایک ہی مقبرے سے اس طرح اٹھیں گے کہ ابو بکر و عمر ہم دونوں کے داہنے بائیں ہوں گے۔

۱۵۔ جناب ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-
وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ اَنْ يَنْزَلَ فَيَكْرُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخَنَازِيرَ وَيَضَعُ الْجُزْيَةَ وَيُفِيضُ الْمَالَ حَتَّى لَا يَقْلَهُ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ السَّحْبَةُ الْوَاحِدَةُ حَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَقْرَؤْ أَنْ شِئْتُمْ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بیشک فرد نزدیک آتا ہے

کہ ابنِ مریم تم میں حاکمِ عادل ہو کر اُتریں۔ پس صلیب کو توڑ دیں اور خنزیر کو قتل کریں اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے (یعنی کافر سے سوا اسلام کے کچھ قبول نہ فرمائیں گے) اور مال کی کثرت ہوگی۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ تمام دنیا اور اس کی سب چیزوں سے بہتر ہوگا۔ یہ حدیث بیان کر کے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تم پتا ہو تو اس کی تصدیق قرآن مجید میں دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰ کی موت سے پہلے سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔

۱۶۔ صحیح مسلم میں انہیں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں یقیناً قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ رومی نصاریٰ عماق و دابق میں اُتریں کہ ملک شام کے دو موضع ہیں) ان کی طرف مدینہ طیبہ سے ایک لشکر جائے گا جو اس دن بہترین اہل زمین سے ہوں گے۔ جب دونوں لشکر مقابل ہوں گے، رومی کہیں گے ہمیں ہمارے ہم قوموں سے لڑ لینے دو جو ہم میں سے قید ہو کر تمہاری طرف گئے (اور مسلمان ہو گئے ہیں)۔ مسلمان کہیں گے نہیں واللہ ہم اپنے بھائیوں کو تمہارے مقابلہ میں تنہا چھوڑیں گے۔ پھر ان سے لڑائی ہوگی۔ لشکر اسلام سے ایک تہائی بھاگ جائیں گے اللہ تعالیٰ کبھی انہیں توبہ نصیب نہ کرے گا اور ایک تہائی مارے جائیں گے۔ اللہ کے نزدیک یہ بہترین ثمداء ہوں گے اور ایک تہائی کو فتح ملے گی۔ یہ کبھی فتنے میں نہ پڑیں گے۔ پھر یہ مسلمان قسطنطنیہ کو (کہ اس سے پہلے نصاریٰ کے قبضے میں آچکی ہوگی) فتح کریں گے۔ وہ غنیمتیں تقسیم کرتے ہی ہوں گے۔ اپنی تلواریں و زخماں زیتون پر لٹکا دی ہوں گی کہ ناگاہ شیطان پکارے گا کہ تمہارے گھروں میں دجال آگیا۔ مسلمان پلیٹیں گے اور یہ خبر جھوٹی ہوگی۔ جب شام میں آئیں گے۔ دجال نکل آئیگا۔

فَبَيْنَمَا هُمْ يَمْدُونَ لِلْقِتَالِ يُسَوِّفُ الصَّفْعَ إِذَا مَقِيمَةُ الصَّلَاةِ فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَاتَّاهُمْ فَأَذَاهُ عَدُوُّ اللَّهِ

كَذَابَ كَمَا يَنْدُوبُ الْمَلْعُ فِي الْمَاءِ فَلَوْ تَرَكَهُ لَذَابَ حَقٌّ
يَهْلِكُ وَلَكِنَّ اللَّهَ بِيَدِهِ فَيُزِيلُهُمْ مَرَّةً فِي حُرِّيَّتِهِ
اسی اثنائیں کہ مسلمان و جال سے قتال کی تیاریاں کرتے صفیں سنوارتے ہوئے
گئے کہ نماز کی تکبیر ہوگی۔ عیسیٰ بن مریم نزول فرمائیں گے۔ ان کی امامت کریں گے وہ
خدا کا دشمن و جال جب انھیں دیکھے گا۔ ایسا گلنے لگے جیسے نمک پانی میں گھل جاتا
ہے۔ اگر عیسیٰ رسول اُسے نہ ماریں جب بھی گل گل کر ہلاک ہو جائیگا۔ مگر اللہ تعالیٰ
ان کے ہاتھ سے اُسے قتل کرے گا۔ مسیح مسلمانوں کو اس کا خون اپنے نیزے میں
دکھائیں گے۔

مسئلہ ثالثہ | یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ پر
اب تک موت طاری نہ ہوئی۔ زندہ ہی آسمانوں پر اٹھالیے گئے اور بعد نزول
دنیا میں ساٹھ سال تشریف رکھ کر پھر وفات پائیں گے۔ یہ مسائل آخری دو قسموں
سے متعلق ہیں۔ جس کا منکر بعد وضوح امر خاطی و آثم قرار پاتا ہے۔ کیونکہ ان مسائل
کا ثبوت دلیل عقلی سے ہوا ہے اور جانبِ خلافت کی گنجائش بھی ہے۔
بہر حال جناب عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے
متعلق اس آیه کریمہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔

وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ

۱۔ البتہ یہ مسئلہ ضروریاتِ مذہب اہل سنت سے ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
بحیاتِ حقیقی زندہ ہیں۔ وعدہ الہیہ کی تصدیق کے لیے ایک آن کے لیے ان پر موت طاری ہوئی
ہے۔ پھر ہمیشہ حیاتِ حقیقی وابدی ان کو حاصل ہے۔ جیسا کہ اہل سنت نے اس مسئلہ کو محقق
فرمایا ہے۔ (رفاعہم)

یعنی اللہ عزوجل نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ میں تجھے اپنے پاس مَلا لوں گا اور دنیا سے بغیر موت دینے کے اٹھا لوں گا۔ بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا ہی قولِ جہور ہے اور قولِ جہور معتمد و منصور اور اس کا مقابل سا قضا و نامعتبر۔

امام ابوالسعود فرماتے ہیں :-

الصَّحِيحُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى رَفَعَهُ، مِنْ غَيْرِ وَفَاةٍ وَلَا تَوَدُّ مَرَكَمًا
قَالَ الْحَسَنُ وَابْنُ زَيْدٍ هُوَ اخْتِيَارُ الطَّبْرِيِّ وَهُوَ الصَّحِيحُ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ (مفہم شرح مسلم - تفسیر ارشاد سلیم)

صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو زندہ بیدار اٹھالیا۔ نہ ان کا انتقال ہوا نہ اس وقت سوتے تھے۔ جیسا کہ امام حسن بصری اور ابن زید کے تصریح کی۔ امام طبری نے اسی کو اختیار کیا اور حضرت عبد اللہ بن عباس سے صحیح روایت یہی ہے۔

ہَمُضُكَ = اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی برکتوں کا مہینہ

توحید و رسالت یعنی کلمہ شہادت نماز روزہ، حج، زکوٰۃ، اسلام کے ارکان

اور اس کی بنیاد ہیں اور اسلامی طرزِ حیات کی تعمیر اور نشوونما میں ان پانچوں ارکان کو خاص دخل ہے۔ کتاب و سنت میں ان ارکانِ خمسہ کی تاثری خصوصیات اور ان کے احکام و مسائل صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ انہیں ارکانِ اسلام میں سے رمضان المبارک کے روزے بھی ہیں جو ہر عاقل و بالغ مرد و عورت پر فرض کیے گئے ہیں۔

حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ رمضان میں پانچ حرف ہیں ہر حرف سے ایک مضمون کی طرف اشارہ ہے (ر) سے رمضان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی (م) محبت اللہ، اللہ کی محبت (من) سے ضمان اللہ، اللہ کی ضمانت (الف) سے اُلفت (ن) سے نوال۔ یعنی یہ مہینہ اللہ تعالیٰ سے جو دو کرم نوازش و رضا سے حاصل کرنے کا مہینہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لَوْ يَعْلَمُ الْعِبَادُ مَا فِي رَمَضَانَ
لَتَمَنَّتْ أُمَّتِي أَنَّ السَّنَةَ
كُلَّهَا رَمَضَانُ (بیہقی)

اگر لوگوں کو فضائل و برکات کا علم ہو جاتا
تو میری امت آرزو کرتی کہ سارا سال ہی
رمضان ہو۔

فائدہ :- علمائے کرام نے رمضان کی متعدد وجوہ تسمیہ بیان کی ہیں۔

۱۔ رمضان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اسی لیے شہر رمضان بولتے

ہیں یعنی اللہ کا مہینہ

۲۔ رمضان رمض سے مشتق ہے۔ جس کے معنی جلانے کے ہیں۔ چونکہ اس ماہ میں روزہ داروں کے گناہ جلا دیئے جاتے ہیں۔ اسی لیے اس ماہ مبارک کا نام رمضان ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس نے رمضان کے روزے ایمان اور طلبِ ثواب کے لیے رکھے۔ اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

۳۔ رمض کے معنی موسم بہار کی بارش کے بھی آتے ہیں تو جیسے موسم بہار کی بارش سے فضا گر و غبار سے صاف ہو کر نکھر جاتی ہے۔ زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی ماہ رمضان میں رحمت و مغفرتِ خداوندی کی بارش سے دلوں کے زہم اور گناہوں کی سیاہیاں دور ہو جاتی ہیں۔ رحمتِ الہی متوجہ نمائش ہوتی ہے اور رشید و ہدایت اور اصلاحِ نفس کا سامان مہیا ہوتا ہے۔

سورہ بقرہ میں روزہ کے متعلق ارشادِ باری ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ تم میں تقوٰے پیدا ہو۔۔۔ یعنی نفس کو مغلوب و مقہور کرنے اور اس کی ناجائز خواہشوں کو دبانے کے لیے کوئی دوسرا عمل روزہ کی مثل نہیں ہے۔ حضور سید عالمؐ نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِلَّا الصَّوْمُ فَإِنَّهُ لِي وَ أَنَا
أَجْزِي بِهِ (بخاری و مسلم)

مگر روزہ وہ تو خاص میرے لیے ہے۔
میں ہی اس کا اجر و ثواب دوں گا۔

رمضان المبارک برکتوں اور رحمتوں کا
مہینہ ہے۔ نبی علیہ السلام فرماتے

رمضان برکتوں اور رحمتوں کا خزانہ ہے

ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے۔
إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فَتُحْتِ ابْوَابُ
الْجَنَّةِ وَ تُغْلَقُ ابْوَابُ
جَهَنَّمَ (بخاری و مسلم)

ترجست کے دروازے کھول دیئے
جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند
کر دیئے جاتے ہیں۔

نیز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رمضان کے مہینہ میں منادی حق
پکارتا ہے

وَيُنَادِي مَنَادِيَا غِيَا الْخَيْرِ
أَقْبِلْ وَيَا غِيَا الشَّرِّ أَقْصِرْ
وَلِلَّهِ شَقَاؤُ مِنَ النَّارِ وَ ذَالِكُ
كُلِّ لَيْلَةٍ
(ترمذی و ابن ماجہ)

کہ اے نیکی اور خیر کے طالب قدم بڑھا
اور اے بدی اور بدکاری کے شائق رُک
جا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے
بندوں کو دوزخ سے رہائی دی جاتی ہے
اویسب رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے
ہیں کہ ماہِ شعبان کی آخری تائخ کو رسولِ کریم

ماہ رمضان کے متعلق حضور کا خطبہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم کو خطبہ دیا۔ جس میں آپ نے فرمایا۔

لوگرا تم پر ایک عظمت و برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ اس مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس مہینہ کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے اور اس کی راتوں میں نفل عبادت (یعنی تراویح کو مقرر فرمایا۔ جو کوئی اس مبارک مہینہ میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی نیکی کرے گا۔ یعنی سنت یا نفل یا صدقہ و خیرات) کرے گا تو اس کو فرضوں کے برابر ثواب ملے گا اور رمضان المبارک میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستر فرضوں کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس شخص نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو اس کے لیے مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا فیجہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائیگا۔

بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی ہو۔ بھنور نبوی صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص کو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غریباً اس ثوابِ عظیم سے محروم رہیں گے) آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو دودھ کی تھوڑی سی نسی یا صرف پانی کے ایک گھونٹ سے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے۔ نیز آپ نے فرمایا۔

مَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللَّهُ مِنْ حَوْضِي شَرْبَةٍ لَا يَطْمَأَحَتِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرُ أَوَّلِهِ رَجَعَهُ وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوكِهِ فِيهِ غَفَرْتُ لَهُ وَأَعْتَقْتُهُ مِنَ النَّارِ

اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے۔ جو آدمی اس مہینہ میں اپنے غلام (یا نوکر) کے کام میں کمی کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی ملے گی۔

رمضان میں حضور تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے | حضرت ابن عباس رضی اللہ

سرور انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے مگر رمضان المبارک میں آپ کی یہ کریمانہ صفت اور زیادہ ترقی کر جاتی تھی۔ رمضان کی ہر رات میں جبریل امین آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے۔

فَلَيْسَ سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ
الْمُرْسَلَةِ
تو حضور علیہ السلام ان دنوں تیز ہوا سے
بھی زیادہ سخی ہو جاتے۔
(بخاری و مسلم)

قرآن مجید کے نزول کی ابتداء رمضان میں ہوئی۔ حضرت جبریل امین رمضان کی ہر شب میں بحضور نبوی حاضر ہو کر آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تھے۔ سال کے بارہ مہینوں میں دور کے لیے رمضان کے مہینہ کا انتخاب اسی مناسبت سے ہے کہ زمین پر قرآن کے نزول کی ابتداء رمضان میں ہوئی اور جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال قرآن کا دور دوبارہ ہوا۔

فصل و رحمت کا مہینہ

نے فرمایا :-

جنت کا ایک دروازہ ہے "ریان" قیامت کے دن اس دروازہ سے صرف روزہ دار ہی داخل ہو سکتے ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی اس سے داخل نہیں ہو سکتا۔ پکارا جائے گا۔ روزہ دار کہاں ہے اور روزہ دار کھڑے ہو جائیں گے (جنت میں اس دروازے سے صرف روزہ ہی داخل ہو سکے گا)

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ
الرِّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ
أَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ آيَتِ
الصَّائِمِينَ فَيَقُومُونَ لَا
يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ

رَيَّان - ریحی سے مشتق ہے جس کے معنی سیرابی کے ہیں حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص ریان دروازہ سے داخل ہوگا۔ وہ کبھی پیاس محسوس نہیں کریگا۔

یہ دروازہ صرف روزہ داروں کے لیے مخصوص ہوگا۔

محدثین نے ریان دروازہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اس کی طرف کثرت سے نہیں جاری ہیں اور اس کے قریب پھل پھول شگوفے، چمن نگاہوں کو تازگی اور دلوں کو سرور بخشنے والے بکثرت ہیں۔ اس لیے اس کو "ریان" کہتے ہیں یا یہ وجہ ہے کہ جو وہاں تک پہنچے گا اس سے روزِ قیامت کی تشکی زائل ہو جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آدمی کا ہر نیک عمل اسی کے لیے ہے۔ مگر روزہ، وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور روزہ کتنا ہوں کی سپر ہے اور جب تم میں کوئی روزہ رکھے تو فحش باتیں نہ کرے، نہ غل مچاتے۔ اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو کہہ دے میں روزہ اُدا آدمی ہوں۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ روزہ دار کو دو خوشیاں ہیں۔ ایک روزہ افطار کرتے وقت اور دوسری بقایا الہی کے موقع پر جبکہ روزہ کا ثواب حاصل کر کے خوش ہوگا۔

حدیثِ نہد میں روزہ کی عظمت کا بیان ہے کہ روزہ کا ثواب اللہ تعالیٰ خود عطا فرمائے گا اور یہ کہ روزہ دار کو بہر حال صبر و ضبط سے کام لینا چاہیے۔ برائیوں، فضول و لغویاتوں، لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثُ وَلَا يَصْخَبُ فَإِنْ سَاءَتْهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي بِأَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ وَأَلَذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوفٌ فِيهِمُ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ لِلصَّائِمِ فَرْحَانٍ يُفْرَحُهُمَا إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ

۲۔ روزہ دار کو بوقتِ افطار روزے کے پورا ہونے کی خوشی ہوتی ہے اور دوسری خوشی تقاریبِ الہی کے وقت ہوگی جب کہ روزہ بارگاہِ الہی میں شرفِ قبول فرمائے گا اور ثواب عطا فرمایا جائے گا۔

کحل عمل ابن آدم: مطلب یہ ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک عطا فرمایا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:-

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ
أَمْثَلِهَا

جو اللہ تعالیٰ کے حضور ایک نیکی لے کر
آئے گا اس کے لیے ۱۰ گنا اجر ہے اور جو
بدی لے کر آئے گا تو اس کو اتنا ہی بدلہ
دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہے۔

(سورہ انعام)

سورہ نسا میں فرمایا:-

وَاِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضْعِفْهَا وَ

يُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا
(سورہ نسا)

اور اتنا عطا فرماتا ہے کہ بندہ کے وہم و گمان میں نہیں ہوتا اور یہ اس کا فضل خاص ہے جس کو چاہے نواز دے۔ تو عام اعمالِ خیر کے لیے تو یہی طریقہ ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو عطا فرمایا جاتا ہے۔ لیکن روزہ کے متعلق ارشادِ باری یہ ہے:-

إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي
اگرچہ تمام عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ مگر روزہ کے متعلق خاص طور پر یہ فرمانا "روزہ میرے لیے ہے" اس کی چند وجوہ ہیں۔

۱۔ تمام عبادات میں ریا و سمع ہو سکتا ہے کیونکہ ان عبادات کی کوئی نہ کوئی ظاہری صورت ہوتی ہے۔ جیسے نماز میں سجدہ رکوع قیام، حج میں طواف کعبہ وغیرہ

زکوٰۃ میں مال کا غریب کو دینا کہ نماز پڑھنے والا، حج کرنے والا، زکوٰۃ دینے والا پہچانا جاتا ہے۔ مگر روزہ کی ظاہری صورت نہیں ہے۔ اس کا تعلق تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہے جو روزہ رکھتا ہے وہ مخلص ہی ہے۔ کیونکہ ریاکار چھپ کر کھاپی کر روزہ کا اظہار کر سکتا ہے تو روزہ بہر حال ایک مخلصانہ عبادت ہے۔ اس لیے فرمایا۔ یہ تو میرے لیے ہے اور اَنَا اجْزِی بِہ۔ اور میں ہی اس کا ثواب عطا فرماؤں گا۔ اَنَا اجْزِی معروف کے معنی یہ ہوں گے کہ روزہ کا ثواب براہ راست میں خود دوں گا۔ کتنا دوں گا تو اس کو مقرر نہیں فرمایا اور اجْزِی مجھول پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ تمام عبادت کا ثواب جنت ہے۔ مگر روزہ ایک ایسی مخلصانہ عبادت ہے کہ اس کا ثواب میری ذات ہے۔ بندہ کو روزہ کے ثواب میں مل جاؤں گا۔ غور کیجئے لغاری الہی کے مقابل بھی کوئی ثواب یا درجہ ہے؟

۲۔ قیامت کے دن دوسری عبادتوں کا ثواب اہل حقوق کو دیا جاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ قرضخواہ مقروض سے سات سو نمازیں قرض کے عوض میں حاصل کر سکے گا (شامی) لیکن روزہ کسی حق والے کو نہ دیا جائے گا کہ روزہ تو خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

۳۔ کفار و مشرکین قربانی، حج، خیرات، سجدہ وغیرہ بتوں کے لیے کرتے ہیں۔ مگر کوئی کافر بت کے لیے روزہ نہیں رکھتا۔ کافر روزہ رکھتا بھی ہے تو صفائی نفس کے لیے تاکہ بتوں کا قرب حاصل ہو سکے تو روزہ ایسی عبادت ہے جو غیر اللہ کے لیے نہیں کی جاتی (مرقات و اشعۃ اللمعات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے

رمضان کے روزے ایمان اور طلبِ ثواب کے لیے رکھے۔ اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح رمضان کی

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اٰیْمَانًا وَّ اِحْسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ

۱۰ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَكَ
مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبٍ وَ ذَنْبُهُ
(بخاری و مسلم)

راتوں میں ایمان و احتساب کے ساتھ
قیام (تراویح) پڑھی۔ اس کے بھی سب
پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

حضرت عبد بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ
والتسلیم نے فرمایا۔

الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يُشْفَعَانِ
لِلْعَبْدِ
روزہ اور قرآن دونو بندے کی سفارش
کریں گے۔

روزہ بارگاہِ الہی میں عرض کرے گا۔ اے میرے پروردگار میں نے اس بندے کو
کھانے پینے اور نفس کی خواہش پوری کرنے سے روکے رکھا تھا۔ آج میری سفارش
اس کے حق میں قبول فرما اور قرآن عرض کرے گا الہی! میں نے اس کو رات کے سونے
اور آرام کرنے سے روکے رکھا تو آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔

فَشَفِّعْنِي فِيهِ فَيُشَفَّعَانِ
چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش
اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائیگی۔

افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے | افطار میں جلدی کرنے کا مطلب یہ ہے
کہ جب سورج کے مغروب ہو جانے کا

یقین ہو جائے فوراً افطار کر لیا جائے۔ مغروب کے بعد دیر نہ کی جائے۔ یہ کہ مغرب سے
قبل افطار کر لیا جائے۔ مغرب کی نماز پڑھ کر افطار کرنا بدابست حدیث کے خلاف ہے
اسی طرح تاروں کے روشن ہو جانے تک افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے کہ اس وقت
یہودی افطار کرتے ہیں۔ جلدی افطار کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بندگی و

عجز کا اظہار اور اس کی دی ہوئی اجازت کو قبول کرنا ہے (مرقات)

ترغدی کی حدیث میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے

بندوں میں مجھے

أَحَبُّ عِبَادِي إِلَىَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا وہ بہت پیارے ہیں جو افطار جلدی کریں
ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نمازِ مغرب سے پہلے چند کھجوروں سے
روزہ افطار فرماتے تھے۔ يَفْطُرُو قَبْلَ آتِ يَصِلِيَّ۔ جس سے واضح ہوا کہ
روزہ دار کو نمازِ مغرب سے قبل افطار کرنا چاہیے۔ یہی سنت ہے۔ حضور نے فرمایا۔
لَا يَزَالُ الدِّينُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ دین غالب رہے گا جب تک لوگ جلدی
النَّاسُ الْفِطْرَ لِأَنَّ الْيَهُودَ افطار کرتے رہیں۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ
وَالنَّصَارَى يُؤَخِّرُونَ افطار میں تاخیر کرتے ہیں۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ سورج کے غروب ہوتے ہی فوراً
فوائد و مسائل | افطار کر لیا جائے۔ تاخیر نہ کی جائے۔ آیت فُتِّرَ آتَمُوا
الضِّيَاءَ إِلَى اللَّيْلِ سے افطار میں جلدی کی تاکید ہوتی ہے۔ کیونکہ آیت میں فی اللیل
نہیں فرمایا۔ بلکہ إِلَى اللَّيْلِ فرمایا۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ روزے کو رات میں
داخل نہ کرو بلکہ رات آتے ہی فوراً روزہ افطار کر لو۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب رات
وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ ههنا ادھر سے رُخ کرے اور دن ادھر سے
وَأَذْبَعَ النَّهَارُ مِنْ ههنا وَغَرَبَتِ پیٹھ موڑے اور سورج غروب ہو جائے
الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ تو روزے کے افطار کا وقت ہو گیا۔

مطلب حدیث یہ ہے۔ سورج کے غروب ہو جانے کے بعد فوراً روزہ افطار
کر لینا چاہیے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ نمازِ مغرب سے پہلے روزہ افطار کیا جائے۔
نمازِ مغرب کے بعد افطار کرنا سنت کے خلاف ہے اور یہ کہ تین یا پانچ کھجوروں سے
افطار کرنا مسنون ہے۔

کھجور سے روزہ افطار کرنا حضور علیہ السلام کی سنت ہے۔ نیز خالی پیٹ میٹھی
چیز کھانا صحت کے لیے مفید ہے۔ خصوصاً نظر کے لیے۔ اسی لیے حضور نے فرمایا کہ
روزہ کھجور سے افطار کرو۔ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ۔ کہ اس میں برکت ہے۔

صَوْمٌ وَصَالٌ | عَنْ أَبِي سَعِيدٍ نَالِ الْخُذْرِيَّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَوَاصِلُوا
 فَأَيْكُمْ أَنَا دَأَنُ يُوَاصِلُ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ قَالُوا فَإِنَّكَ تَوَاصِلُ
 يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنْ أَبَيْتُ لِي مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِي
 وَسَاقٍ يَسْقِينِي -

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے ملا کر رزے مت رکھو۔ اگر کسی کا ارادہ ہی وصال کا ہو تو سحری کے وقت تک وصال کر سکتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ تو وصال کرتے ہیں۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ رات کے وقت ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور پلانے والا مجھے سیراب کرتا ہے۔

قوائد و مسائل | اس حدیث سے واضح ہوا کہ ۱۔ بلا سحر و انظار متواتر
و مسلسل روزے رکھنا مطلوب و محمود نہیں۔ ۲۔ عبادت
و ریاضت میں میانہ روی کو اختیار کرنا چاہیے۔ اپنی طرف سے زیادتی و شدت
نہیں کرنی چاہیے ۳۔ فتنہا ہر۔ حضور نے صوم وصال سے منع فرمایا۔ علامہ
کرمانی نے فرمایا۔ یہ نہی تحریمی ہے یا تنزیہی۔ اس میں اختلاف ہے۔ والظاهر
الاقول اور ظاہر یہ ہے کہ نہی تحریمی ہے۔ ۴۔ سیدنا امام اعظم، ابو حنیفہ، شافعی
مالک و سہل فقہ کی ایک جماعت نے صوم وصال کو مکروہ قرار دیا ہے (یعنی)
وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِي الْمَوْطَأِ الْوَصَالُ
مَكْرُوهٌ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ
عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ
امام محمد نے موطا میں فرمایا کہ صوم وصال
مکروہ ہے۔ امام اعظم کا بھی یہی قول ہے

واضح ہو کہ صوم وصال یعنی بلا سحر و افطار متواتر و مسلسل روزے رکھنا ممنوع ہے

یہ اس لیے بھی کہ رات کا روزہ شروع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رات تک روزہ پورا کرو۔۔۔ نیز عبادت و ریاضت میں سختی و شدت شارع علیہ السلام کو مطلوب نہیں ہے اور حضور علیہ السلام کا صوم وصال رکھنا۔ یعنی مسلسل اور متواتر بلا سحر و افطار روزے رکھنا، تو اس کا جواب خود حضور نے ارشاد فرما دیا کہ میرا معاملہ دوسرا ہے۔ تم میں میری مثل کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں۔ اس لیے صوم وصال حضور کی خصوصیات سے قرار پائے گا اور عام لوگوں کے لیے ممنوع۔

۵۔ فاکلفو من الاعمال النعم سے واضح ہوا کہ عبادت و ریاضت میں اپنی طرف سے سختی و شدت اسلامی شریعت میں مشروع نہیں ہے۔ آدمی کو اسی قدر عبادت کرنی چاہیے جس کو نشاط کے ساتھ ہمیشہ کرتا رہے۔ ان احادیث میں ان تقویٰ بازوں اور خانہ ساز متقیوں کے لیے بھی سبق ہے۔ جو شریعت اسلامیہ میں اپنی طرف سے زیادتی، شدت اور سختی کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

حضور کی بشریت | ۱۔ ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ جب صحابہ کرام کو حضور نے صوم وصال سے منع فرمایا تو انہوں نے

عرض کی حضور آپ تو وصال فرماتے ہیں۔ تو حضور نے اس کے جواب میں فرمایا:-
وَإِنِّي كُنْتُ مِثْلَكُمْ إِفْطًا
أَطْعَمُ وَأُسْقِي
میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ مجھے
کھلایا پلایا جاتا ہے۔

وَ كُنْتُ كَأَحَدِكُمْ إِفْطًا
أَطْعَمُ وَأُسْقِي
میں تم میں سے کسی طرح نہیں ہوں۔ مجھے
کھلایا اور سیراب کیا جاتا ہے۔

وَ إِنِّي كُنْتُ كَهَيْئَتِكُمْ
إِنِّي أَبِيتُ لِي مَطْعِمًا وَسَاقٍ
تَسْقِيْنِ
میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں رات
اس طرح گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا
کھلاتا ہے اور پلانے والا پلاتا ہے۔

وَ إِنِّي كُنْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِفْطًا
يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيْنِ
میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے میرا
رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

وَاَيْتُكُمْ مِّثْلِي اِنِّي اَبِيتُ
يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيْنِي
وَاَسْتَكْهَيْتُكُمْ اِفْ
اَبِيتُ لِي مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِي

(بخاری ج ۱، ص ۶۶۳/۶۶۵)

تم میں میرا مثل کون ہے؟ میں رات گزارتا
ہوں مجھے میرا رب کھلا اور پلا دیتا ہے
میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں رات
گزارتا ہوں۔ ایک کھلانے والا مجھے کھلا
دیتا ہے اور پلانے والا مجھے پلا دیتا ہے۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان جوابات میں اپنی بشریت کے متعلق
واضح طور پر تشریح فرمادی کہ اگرچہ میں انسان ہوں، بشر ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کی
مخلوق ہوں مگر میری بشریت عام لوگوں کی بشریت کی طرح نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ ایتکو
مثلی کے مخاطب کون ہیں؟ صحابہ کرام علیہ الرحمۃ والرضوان کہ جن کے مرتبہ و مقام کی
عظمت کا یہ عالم ہے کہ عام لوگ تو عام لوگ ہیں۔ غوثِ قطب، اوتادِ ابدال، علماء و
صلحاء و اولیاء بھی ان کی ہابری نہیں کر سکتے۔ حضور ان کو مخاطب بنا کر فرما رہے
ہیں۔ "اَيْتُكُمْ مِّثْلِي" تم میں میرا مثل کون ہے؟ لشت کا احد منکر تم میں کوئی بھی میری
طرح نہیں ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ

بشر ضرور ہیں پر داخلِ انام نہیں

شمارِ دائۂ تسبیح میں امام نہیں

چنانچہ صحابہ کرام باگاہِ نبوت میں عرض کیا کرتے تھے :-

قَالُوا اِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

اللہ (بخاری ج ۱، ص ۶۶۳)

اس لیے یہ کہنا حق و صواب ہے کہ حضور سرورِ کائنات نور مجتہم صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذاتِ مطہرہ سے ہماری و برابری کا دعویٰ کرنا اعلیٰ درجہ کی گمراہی و بے دینی ہے۔ اللہ
تعالیٰ ہم سب کو حضور کی تعظیم و توقیر کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔

عبادت و ریاضت، تسبیح و تہلیل اور مشاہدہ حق حضور کی طبیعتِ ثانیہ

مکمل۔ مگر رمضان اور رمضان کے آخری عشرہ میں خصوصی طور پر دن رات عبادتِ الہی میں

مصروف رہتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا۔ تو حضور علیہ السلام اپنے تہبند کو مضبوط باندھ لیتے اور راتوں کو عبادت الہی

شَدَّ مِيزَدَهُ وَ اَخْيَا لَيْلَهُ وَ
اَيَقَظَ اَهْلَهُ (مشکوٰۃ) کے لیے جاگتے اور اپنے گھروالوں کو بھی جاگاتے تھے۔

نیز جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ مزید فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام **لیلۃ القدر** جس قدر رمضان کے آخری عشرہ میں (طاعت و عبادت) کے لیے

کوشش فرماتے تھے۔ اتنی سی دوسرے عشرے میں نہ فرماتے تھے۔ (مسلم)
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔
یہ مہینہ تم میں آیا ہے۔ اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر و افضل ہے۔
تو جو شخص اس کی برکتوں سے محروم رہا۔ وہ تمام بھلائیوں سے محروم رہا اور اس (رات) کی
برکتوں سے وہی محروم رکھا جاتا ہے

وَلَا يُحْرَمُ خَيْرًا هَا إِلَّا كَلًّا
جو بالکل بد نصیب ہو۔

(ابن ماجہ)

مَحْرُومٌ

نیز آپ نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کو
تلاش کرو (بخاری) جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی۔
اگر مجھے شب قدر معلوم ہو جائے تو اس میں کیا کروں؟ فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ
اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي (ترمذی)

نیز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شب قدر میں جبریل فرشتوں کی
جماعت کے ساتھ آتے ہیں اور ہر اس مسلمان کے لیے دعاِ مغفرت کرتے ہیں جو
یُصَلُّونَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ
کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے
اَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللَّهَ
ذکر میں مشغول رہتا ہے۔

(بیہقی)

عَزَّ وَ جَلَّ

رمضان کے آخری عشرہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف بھی فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ

اعتکاف سنت کفایہ ہے

اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا

كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ
مِنْ رَمَضَانَ حَقًّا
تَوَفَّيَاهُ اللَّهُ

فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام رمضان کے
آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔ یہاں
نہم کہ (اسی طریقہ) پر آپ نے وصل

آپ بیس رمضان کو غروب آفتاب کے وقت اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں
جلوہ فرما ہوتے اور دن رات عبادت الہی و مشاہدہ حق میں مصروف رہتے اور رمضان
کی تیس یا اسیس کو چاند ہونے کے بعد مسجد سے باہر آ جاتے۔ یہ اعتکاف سنت کفایہ
ہے۔ اگر اس شہر کے سب لوگ ترک کر دیں تو سب سے مطالبہ ہوگا اور اگر ایک نے
بھی کر لیا تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے۔

جود و سخا اور فیاضی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت تھی مگر رمضان المبارک
میں کلام الہی کی تلاوت اور قرآن مجید کا دور آپ کے لیے بہار و نشاط کا باعث ہو جاتا تھا
اس لیے اس ماہ مبارک میں آپ کی صفت جود و عطایا میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا تھا۔
حضور عزیزوں اور مسکینوں کی امداد و اعانت فرماتے تھے اور اپنی اُمت کو بھی رمضان کے
آخری عشرہ میں صدقہ فطر کی ادائیگی کی آپ نے تلقین فرمائی ہے۔

صدقہ فطر | ایک شخص کو بھیجا کہ وہ مکہ کی گلیوں میں یہ اعلان کرے کہ صدقہ فطر

ہر صاحب نصاب (مسلمان) پر واجب ہے خزاہ

اِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى

كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى حُرٍّ اَوْ

نَابِلٍ هَرِيًّا بَالِغٍ

(ترمذی)

عَبْدٍ صَغِيرٍ اَوْ كَبِيرٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام نے

صدقہ فطر اس لیے مقرر فرمایا کہ بحالتِ روزہ نواور یہود و کلام جو روزہ دار ہے سرزد ہوا، اس سے روزہ کی طہارت ہو جائے اور مساکین کے لیے خوراک کا انتظام بھی (البومادو)

لَيْلَةُ الْقَدْرِ

چمن و ہریں وہ رات بہت ہی مقدس و متبرک ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی آخری وحی قرآن مجید کا نزول ہوا۔ ہزار ماہ کی عبادت و ریاضت اس ایک رات میں ہونے والی عبادتوں اور ریاضتوں سے سبقت لے گئی۔ صدیاں گزر گئیں مگر اس رات کی برکتوں اور رحمتوں میں نہ کوئی فرق پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ ہر سال جب لیلۃ القدر آتی ہے تو اپنے دامن میں وہی سعادتیں اور برکتیں سمیٹ کر لاتی ہے جو اسے صدیوں پہلے وحی الہی (قرآن مجید) کے نزول کے سبب مرحمت ہوئی تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

إِنَّ أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۚ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۚ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ مَّوْبِدٍ ۚ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ

سورہ قدر مدنی ہے۔ اس میں ایک رکوع ۵ آیتیں ۳۰ کلمے اور ۱۱۲ حروف ہیں۔

اس سورہ مبارکہ کا خلاصہ مفہوم یہ ہے۔ قرآن مجید کا لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یکبارگی نزول شبِ قدر میں ہوا۔ پھر وہاں سے حسبِ حکمتِ الہی حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۳ سال کی مدت میں بحضور نبوی لاتے رہے۔ جتنا قرآن نازل ہوتا حضرت جبریل امین حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا دور فرماتے جس سال حضور کا وصال ہوا اس سال دوبار قرآن مجید کا دور ہوا (بخاری)

سورہ بقرہ میں ارشاد باری ہے کہ قرآن کا نزول رمضان المبارک میں ہوا اور سورہ قدر

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

میں فرمایا کہ قرآن مجید لیلة القدر میں نازل ہوا۔ جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ لیلة القدر رمضان المبارک ہی کی راتوں میں سے ایک رات ہے اسی لیے حضور سرورِ عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

تَحَرُّوا اللَّيْلَةَ الْقَدْرَ فِي الْعِشْرِ الْأَوَّلِ وَالْآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (بخاری)

لیلة القدر کو رمضان کی آخری راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اس مضمون کی حدیثیں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام سے بھی مروی ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ لیلة القدر رمضان کے آخری عشرہ کی ایک طاق رات ہے۔ یعنی رمضان کی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ تیسویں رات۔ اگرچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلة القدر کی صحیح صورت حال کا علم تھا۔ مگر آپ نے رات کے تعین کو مبہم رکھا اور صرف یہ تصریح فرمائی کہ رمضان کے آخری عشرہ میں لیلة القدر کی جستجو کی جائے۔ عدم تعین میں حکمت یہ ہے کہ اگر لیلة القدر کی اس طرح تعین کر دی جاتی کہ وہ فلاں خاص رات ہے تو لوگ صرف اسی ایک رات میں عبادت و ریاضت کا خاص اہتمام کرتے۔ اس لیے لیلة القدر کو مبہم رکھا گیا تاکہ امت محمدیہ علی صابہما النجیۃ رمضان کے آخری عشرہ کی تمام راتوں کو عبادت اور ذکر الہی میں مشغول رہ کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کے حاصل کرنے کی سعی کرے۔ البتہ اکثر مفسرین، محدثین اور اولیاءِ امت کا تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ لیلة القدر رمضان المبارک کی تائیسویں رات ہے۔ صحابی رسول حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زہر ابن حبیش نے جو اکابرین تابعین سے ہیں۔ یہ سوال کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد تو یہ ہے۔ جو کوئی پورے سال کی راتوں میں عبادت کریگا اسے شب قدر نصیب ہو ہی جائے گی تو اس کے جواب میں حضرت ابی ابن کعب نے

بہر حال لیلة القدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی کوئی بھی رات ہو۔ بہتر و افضل یہ ہے کہ اس سارے عشرہ کی ہر رات میں خصوصیت کے ساتھ عبادت الہی کی جائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عبادت کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ جناب عائشہ صدیقہ طیبہؓ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:-

يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْوَاحِدِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ (مسلم)
کہ حضور علیہ السلام رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت میں وہ مجاہدہ فرماتے اور وہ مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں فرماتے تھے۔

بیز فرماتی ہیں:-

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرَ شَدَّ مِئْذَرَهُ وَأَحْيَا لَيْلَهُ وَأَيَّظَ أَهْلَهُ

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح مستعد ہو جاتے۔ رات کو جاگتے اور اپنے گھروالوں کو بیدار کرتے معلوم ہوا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں خصوصی طور پر ذکر و فکر و عبادت الہی میں (بخاری) مشغول ہونا، نہ صرف خود بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی جگانا اور انہیں عبادت کی طرف توجہ دلانا باعث برکت و موجب رحمت ہے۔

اس کو شب قدر اس لیے کہتے ہیں کہ اس شب میں سال بھر کے احکام نافذ کیے جاتے ہیں اور ملائکہ کو سال بھر کے وظائف و خدمات پر مامور کیا جاتا ہے۔ شب قدر میں نیک عمل کرنا ہزاروں راتوں کے عمل سے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایم گزشتہ کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو تمام رات عبادت کرتا تھا اور تمام دن جہاد میں مصروف رہتا تھا۔ اسی طرح اس نے ہزار مہینے گزار دیے۔ مسلمانوں کو اس کی عبادت

وریاضت پر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضور کرشب قدر عطا فرمائی اور سورۃ قدر نازل کی کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (ابن جریر) اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیبِ کرم پر کرم ہے کہ آپ کے امتی شب قدر کی ایک رات عبادت کریں تو ان کا ثواب پچھلی امت کی ہزار ماہ عبادت کرنے والوں سے زیادہ ہو۔ اس رات فرشتے اترتے ہیں اور زمین میں جو بندہ کھڑا یا بیٹھا یا دلہی میں مشغول ہوتا ہے اس کو سلام کرتے ہیں اور اس کے حق میں دُعا و استغفار کرتے ہیں۔

حضرت انس سے مروی ہے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب لیلة القدر ہوتی ہے تو:-

نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّونَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ
جبریل امین علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اترتے ہیں اور ہر اس کھڑے اور بیٹھے ہوئے کو دُعا دیتے ہیں جو اللہ عزوجل کا ذکر کر رہا ہو۔

اُم المؤمنین جناب عائشہ صدیقہ عظیمہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی فرمایا۔ حضرت ابن مسعود کا مقصد اس بات سے یہ بتانا تھا کہ لوگ کسی ایک رات ہی عبادت پر قناعت نہ کریں۔ ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہی ہوتی ہے۔

یا رسول اللہ اگر میں یہ جان لوں کہ لیلة القدر کونسی رات ہے تو اس میں کیا پڑھوں۔ حضور نے فرمایا۔ بارگاہِ الہی میں یہ عرض کرو:-

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تَحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ (ابن ماجہ، ترمذی)
الہی تو معاف فرماتے والا ہے۔ معافی کو پسند فرماتا ہے۔ مجھے معافی دے دے۔

الغرض لیلة القدر ایک نہایت ہی مقدس و متبرک ساعت ہے۔ جس میں رحمت

الہی مروجہ فائز ہوتے ہے۔ کریم کارسار بندہ نوازی و بندہ پردی پر مائل ہے۔ اجاہت و عا کے لیے دعوت عام ہے۔ رحمت و مغفرت کے در کھلے ہوئے ہیں اور منادی حق ندادے رہا ہے :-

لَا تَقْذَبُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اس لیے اس رات کو عبادت و ریاضت، تلاوت قرآن مجید، نوافل ذکر الہی اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اندس پر درود و سلام عرض کرنے میں گزارے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی بخشش و مغفرت طلب کیجئے۔ عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان کے استحکام و سلامتی کے لیے بارگاہ رب العالمین میں پُر خلوص دعائیں کیجئے نوافل پڑھنے کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔ خوش دل اور اطمینان کے ساتھ جس قدر نقل پڑھے جاسکیں پڑھیے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جبریل ابن

سلام کہتے ہیں

حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ یہ حضرت جبریل ہیں۔ تم کو سلام کہتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ان پر سلام اور اللہ کی رحمت۔ حضور وہ دیکھتے تھے جو میں نہ دیکھتی تھی۔



کتاب التراويح

روایت مستعملی میں "کتاب التراويح" کے الفاظ مروی ہیں۔ تراویح و ترویجات ترویج کی جمع ہے۔ ترویجہ کے اصل معنی جلسہ کے ہیں۔ اس کو ترویجہ اس لیے کہنے لگے کہ چار رکعت کے بعد سنانے کے لیے بیٹھتے ہیں۔ پھر مجازاً ہر چار رکعت کو ترویجہ کہنے لگ گئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان میں قیام کیا۔ اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (بخاری)

۱۔ رمضان میں قیام کرنے والے کے تمام پچھلے گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ معاف ہو جائیں گے۔

۲۔ امام نووی نے فرمایا۔ علامہ کا مشہور معروف قول یہ ہے کہ صغیرہ معاف ہو جائیں گے۔ امام الحرمین نے بھی اسی کو قطعاً اختیار کیا اور مذہب اہلسنت بھی یہی ہے بہر حال اتنی بات واضح ہے کہ رمضان کی راتوں میں قیام (تراویح پڑھنا) باعث برکت موجب رحمت ہے اور رحمت کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

۳۔ علامہ کرمانی کہتے ہیں۔ قیام رمضان سے تراویح مراد ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ امام نووی نے فرمایا۔ قیام سے مراد تو تراویح ہے مگر علامہ کرمانی نے اتفاق کا

دعویٰ کہاں سے کیا ہے؟ بلکہ قیام سے مطلق قیام مراد ہے، حکم ہو یا زیادہ۔

وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَتَعُوْنِي رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ
عَلَى ذَٰلِكَ شَرَعَ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى
ذَٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ
وَصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ حُمْرٍ (بخاری)

ابن شہاب نے کہا کہ پھر حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور
بات یوں ہی رہی۔ اس کے بعد
خلافت ابو بکر اور حضرت عمر کے ابتدائی
دورِ خلافت میں بھی یہی صورت رہی۔

یعنی قیام رمضان کی صورت و کیفیت یہ ہی رہی کہ ہر شخص اپنے طور پر گھر میں
مسجد میں جیسے مناسب ہوتا، تراویح پڑھ لیتا۔ جناب صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہما کے دورِ اول تک یہی صورت رہی تا آنکہ فاروق اعظم نے باقاعدہ باجماعت
پڑھنے کا انتظام فرمایا۔

اور ابن شہاب ہی سے روایت ہے
انہوں نے عروہ بن زبیر سے اور انہوں نے
عبد الرحمن بن عبد القاری سے روایت کی
کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں عمر بن خطاب
رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک
رات کو مسجد میں گیا۔ سب لوگ متفرق اور
منتشر تھے۔ کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور
کسی کے پیچھے بہت سے لوگ اس کی
نماز کی اقتدار کے لیے کھڑے تھے اس
پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا خیال ہے
اگر تمام غازیوں کی ایک لام کے پیچھے جماعت
کر دی جائے تو زیادہ اچھا ہو۔ چنانچہ
آپ نے جماعت بنا کر ابی بن کعبؓ اس کا

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ
الرُّبَيْعِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ
عَبْدِ الْقَارِيَّ أَنَّهُ قَالَ خَرَجْتُ
مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةَ
رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ
أَفْذَاعٌ مُّتَفَرِّقُونَ يُصَلُّونَ
الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيُصَلِّيُ
الرَّجُلُ فَيُصَلِّيُ بِصَلَوَتِهِ الرَّهْمَطُ
فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي أَرَىٰ لَوْ جُمِعَتْ
هَٰؤُلَاءِ عَلَى قَارِيٍّ وَاحِدٍ لَّكَانَ
أَمْثَلُ شَرَعَ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أَبِي
بَنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ
لَيْلَةَ الْاُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ

امام بنادیا۔ پھر دوسری رات میں آپ کے ساتھ ہی نکلا تو لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے (یہ منظر دیکھ کر) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ یہ نیا طریقہ کس قدر بہتر اور مناسب ہے لیکن

رات کا وہ حصہ جس میں یہ سر جاتے ہیں۔ اس سے بہتر اور افضل ہے جس میں یہ نماز پڑھتے ہیں۔ آپ کی مراد رات کے آخری حصہ کی فضیلت اسے تھی۔ کیونکہ لوگ نماز رات کے شروع میں پڑھ لیتے تھے۔

عروہ بن زبیر نے اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور یہ رمضان میں ہوا تھا۔

حضرت عروہ نے خبر دی اور انھیں عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ (رمضان کی نصف شب میں تشریف لے گئے اور مسجد میں نماز پڑھی۔ کچھ صحابہ بھی آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔ صبح ہوئی تو ایک نے دوسرے سے کہا۔ چنانچہ دوسرے صبح پہلے سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ دوسری صبح کو اور چرایا ہوا اور تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ جمع

بِصَلَاةٍ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ وَالَّتِي يَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَفْتَوُمُونَ يُرِيدُ الْخِرَالِيلَ وَكَانَ النَّاسُ يَفْتَوُمُونَ أَوَّلَهُ (بخاری)

● عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ زُبَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى وَسَلَّمَ صَلَّى وَذَلِكَ فِي

رَمَضَانَ

● أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةَ قِن جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ وَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِمْ فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا فَأَجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلُّوا مَعَهُ فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى

فَصَلُّوا بِصَلَوَاتِهِمْ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ
الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ
أَهْلِهِ حَتَّى خَرَجَ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ
فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى
النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ أَهْمَا
بَعْدُ فَإِنَّهُ لَفَرِيخٌ عَلَى
مَكَانِنِكُمْ وَلَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ
تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا
عَنْهَا فَتَعُوذُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ

ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے (اس رات بھی) نماز
پڑھی اور لوگوں نے آپؐ کی اقتدار کی۔ چوتھی
رات یہ علم تھا کہ مسجد میں نماز پڑھنے آنے
والوں کے لیے جگہ بھی باقی نہیں رہی تھی
لیکن اس رات آپؐ تشریف نہ لاتے،
بلکہ صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لاتے۔
جب نماز پڑھ لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے
اور شہادت کے بعد فرمایا۔ اما بعد تمہاری
موجودگی کا مجھے علم تھا لیکن مجھے خوف ہوا
کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ کر دی جاسکے اور پھر

تم اس کی ادائیگی سے عاجز و درماندہ رہ جاؤ۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
ہوتی تو بات جوں کی توں تھی (یعنی نماز تراویح باجماعت نہیں ہوتی تھی)۔

واضح ہو کہ یہ احادیث نماز تراویح کے متعلق ہیں۔ عہد نبوی
فوائد مسائل | میں نماز تراویح تین دن ہوتی۔ اس کے بعد حضورؐ نے اس

کو ترک فرمادیا۔ جس کی وجہ بھی حدیث میں بیان فرمادی کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائیں (کیونکہ
زمانہ تبدل وحی کا تھی) حتیٰ کہ عہد صدیق اکبر و عہد فاروقی کے اول حصہ میں اسی طرح ہوتا
رہا کہ لوگ اپنے طور پر پڑھ لیتے تھے۔ باقاعدہ مسجد میں جماعت نہ ہوتی تھی۔ اس کے
بعد جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ لوگ متفرق ہو کر اور کچھ مجتمع ہو کر
تراویح پڑھ رہے ہیں تو آپؓ نے اس کی جماعت بنادی اور حضرت ابی ابن کعب جو
بہترین قاری تھے۔ انہیں امام مقرر فرمادیا اور اس طرح جب سے لے کر اب تک مسلمان
نماز تراویح باجماعت مسجد میں ادا کرتے ہیں۔

● نعم البدل عنہ ہذا: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تراویح کو بدعت
حسنہ قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ ہر بدعت کو بدعتِ سیئہ قرار دے دینا درست نہیں ہے

ہر نیا کام اگر شریعت کے خلاف نہیں ہے تو ہم از حکم مباح کے درجہ میں ہے۔ ہر نئے کام کو حرام دنا جائز قرار دے دینا زیادتی ہے۔ بلکہ حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی علیہ رحمۃ اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس زمانہ میں مختلف وضع قطع و ڈیزائن کے ملبوسات کھانے پینے اور رہنے کے نئے نئے انداز اور طریقے شرعاً بدعت نہیں قرار پاتے۔ علامہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں :- فلا تتناول البدعة من حيث معاها الشرعی شیئاً من انواع العادات اصلا جمع عادة۔ وهو مکل امر یقصد به حصول غرض دنیوی کالملا لبس المخرعة فی هذا الزمان والمساکن۔ والمآکل والمشارب مما اتخذہ الناس انواعاً منوعة فلا یسأل فی الشرع بدعة۔ لانه لیس فی الدین بل فی الدنیا وشرط البدعة فی الشرع ان یکون فی الدین حدیقه۔ ص ۱۳۷ اور آیت قل من حرم زینة الله التي اخرجکم من تحت عرشه علامہ تحریر فرماتے ہیں :-
فیه دلیل علی أنّ الاصل فی المطامع والملابس وانواع التجملات

الاباحة۔
عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ
أَخْبَرَهُ أَنَّ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ
كَانَتْ صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ
مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي
غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً
يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ
حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ شَيْئًا
يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ

حضرت ابرہم بن عبدالرحمن سے مروی
ہے۔ انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے
حضرت عائشہ سے پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی رمضان میں (رات میں) نماز
کیونکر تھی؟ تو انہوں نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں
سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آپ
پہلے چار رکعتیں پڑھتے۔ پس تو ان سے
حسن اور طول کے بارے میں نہ پوچھو۔ پھر
چار رکعتیں پڑھتے اور ان کے بھی حسن

حُسْنِهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ ثُمَّ يَصَلِّي
ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا
رَسُولَ اللَّهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُؤْتِيَ
فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَلَيَّ تَنَامَانَ
وَلَا يَنَامُ قَلْبِي (بخاری)

اور طول کے بارے میں نہ پوچھو۔ پھر
تین رکعتیں (وتر کی) پڑھتے۔ حضرت
عائشہ کہتی ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول
اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو
جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ!
میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

اس حدیث سے غیر مقلد یہ استدلال کرتے ہیں کہ تراویح آٹھ رکعت ہیں کیونکہ
اس سے واضح ہوا۔ حضور علیہ السلام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت ادا کرتے
تھے۔ ان رکعتوں میں تین وتر ہوتے تھے اور آٹھ نفل۔ رمضان میں یہ آٹھ باجماعت
تراویح شمار ہوتے تھے اور غیر رمضان میں بغیر جماعت کے وہی آٹھ رکعت تہجد قرار پاتی
تھیں۔ لیکن یہ استدلال بھی درست نہیں اور مذکورہ بالا حدیث سے تراویح کا آٹھ
رکعت ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ تہجد و تراویح
کی نمازیں الگ الگ ہیں۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تہجد کی نماز ہجرت سے پہلے ابتداء
اسلام میں فرض ہوئی تھی۔ جیسا کہ حدیث ابو داؤد (باب صلوٰۃ اللیل ج ۱ ص ۱۹۱ نوٹ بخشور)
سے ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت تک رمضان کے روزے اور تراویح کی مشروعیت
کا کوئی جواز نہ تھا۔ صحابہ کرام رمضان اور غیر رمضان میں نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ پھر
سُلمہ میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو حضور علیہ السلام نے شعبان کے
آخری دن کے خطبہ میں فرمایا:-

جَعَلَ اللَّهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً وَ
قِيَامَهُ تَطَوُّعًا بَيْتِي (مشکوٰۃ ص ۱۷۱)

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے کو
فرض کیا اور اس کے قیام کو نفل قرار دیا۔

اور حدیث ابوسلمہ کے الفاظ یہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
کُتِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ صِيَامُهُ وَ
سُنَّتُ لَكُمْ قِيَامُهُ (ابن ماجہ ص ۱۵۱)

مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے
روزے فرض کیے اور میں نے تمہارے

یہ اس کا قیام مسنون کیا۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں۔ اگر قیام رمضان سے نماز تہجد مراد ہوتی تو وہ رمضان شریف سے پہلے ہی شروع ہوتی۔ رمضان سے اس کا کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان سے صلوٰۃ تہجد مراد نہیں ہے بلکہ وہی خاص نماز تراویح مراد ہے۔ جو رمضان کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں مشروع نہیں ہوتی۔ اسی طرح حدیث دوم میں حضور علیہ السلام کا اس کو مسنون قرار دینا بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قیام رمضان سے نماز تہجد مراد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے اللہ کے حکم سے مشروع ہو چکی تھی۔ بلکہ نماز تراویح مراد ہے۔ ثابت ہوا کہ نماز تہجد اور نماز تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔

تہجد صرف اس نماز کو کہتے ہیں جو نماز عشا پڑھ کر سونے کے بعد بیدار ہو کر پڑھی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ نماز تہجد سو کر اٹھنے کے بعد آخر شب یا نصف شب میں پڑھی ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نماز تہجد کے لیے (اذا سمع الصارخ۔ بخاری ج ۱ ص ۱۵۲) مرغ کی آواز سن کر اٹھتے تھے۔ یہ حدیث اس دعویٰ پر نص صریح ہے کہ حضور نے نماز تہجد ہمیشہ آخر شب میں ادا فرمائی ہے نیز اسود کا مضمون ہے کہ حضور علیہ السلام اول اللیل میں آرام فرماتے۔ ویقوم آخرہ اور آخرات میں اٹھ کر نماز پڑھتے۔

طبرانی نے حجاج بن عمرو کی حدیث بروایت نیر بن العباس روایت کی جس کے

الفاظ یہ ہیں :-

کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ تم جب بھی رات میں صبح تک نماز پڑھ لیا کرو تو تہجد کی نماز ادا ہو جائے گی۔ جزیئ نیست تہجد وہ نماز ہے جو سونے کے بعد ہو۔ یہ یقین مزید فرمایا۔ پھر کہا۔ حضور کی نماز اس طرح

ایحسب احدکم اذا قام من اللیل یصلی حتی یمسح ان قد تہجد انما التہجد بعد رقدہ (یہ جہتین دفعہ ہے) قلک حکات صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

ہوتی تھی۔ یعنی خواب سے بیدار ہو کر نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے۔ (یعنی ج ۲ ص ۶۲)
اس حدیث میں الصلوة بعد رقدہ کی تکرار محض تاکید کے لیے ہے۔ ان
الفاظ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ تہجد کے لیے سو کر اٹھنا ضروری ہے۔ نیند
کیے بغیر اگر کوئی شخص تمام رات صبح تک نماز پڑھتا رہے تو اس کی نماز تہجد نہ ہوگی۔
نیز حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ:-

حضور علیہ السلام جب شب کے درمیانی
مکان اذا قام الى الصلوة
من جوف الليل۔
شب میں صلاۃ تہجد کے اٹھتے تھے۔

اس حدیث میں صلوۃ سے مراد تہجد ہی ہے۔ کیونکہ یہی حدیث بخاری نے
بایں الفاظ روایت کی ہے اذا قام من الليل يتہجد اور ابن خزیمہ نے اذا قام
للتہجد کے الفاظ سے روایت ہے۔ غرضیکہ ان روایات سے واضح ہے کہ نماز
تہجد وہی ہے جو عشاء کے بعد خواب سے بیدار ہو کر پڑھی جائے اور یہ کہ حضور علیہ السلام
نے نماز تہجد ہمیشہ جوفِ لیل سے قبل کبھی ادا نہیں فرمائی۔

۲۔ حضور علیہ السلام نے نماز تراویح ہر دفعہ اول شب میں شروع فرمائی ہے۔

عن ابی ذر۔ قال سمنا مع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فلم یقر بنا
شیئا من الشهر حتی بقی سبع
فقام بنا حتی ذهب ثلث اللیل فلما
كانت السادسة لم یقر بنا فلما
كانت الخامسة قام بنا حتی ذهب
شطر اللیل فقلت یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم لئن فلتنا
قیام هذه اللیلة فقال ان الرجل
اذا صلی مع الامام حتی ینصرف

حضرت ابو ذر سے روایت ہے کہ ہم نے
حضور کے ساتھ روزے رکھے تو حضور نے
ہمارے ساتھ رمضان میں قیام نہ فرمایا حتیٰ
کہ دہائیس دن والے رمضان کے سات
دن رہ گئے تو حضور نے ہمارے ساتھ قیام
شب کو قیام فرمایا حتیٰ کہ ایک تہائی رات
گزرتی۔ پھر جب چھٹی رات یعنی چوبیسویں
شب ہوئی تو ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا
پھر جب اسی حساب سے پانچویں شب ہوئی
یعنی پچیسویں تو حضور نے ہمارے ساتھ

حب له قیام لیلة فلما مكنت
الرابعة لم یتم بنا فلما مكنت
الثالثة جمع اهله ونسائه والناس
فقام بنا حتی خشینا یفوتنا
الفلاح قلت ما الفلاح قال
السحور ثم لم یتم بنا بقية
الشهر

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

قیام فرمایا۔ حتی کہ نصف شب گزر گئی۔
پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ کاش
اس رات کے قیام کو ہمارے لیے زیادہ
فرماتے۔ حضور نے فرمایا۔ جب کوئی شخص
ام کے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ نماز
پڑھتا ہے تو اس کے لیے تمام رات کا
قیام لکھا جاتا ہے۔ پھر جب اسی حساب سے
چوتھی رات یعنی چھبیسویں شب آئی تو حضور

نے ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا۔ اس کے بعد بحساب تیسری شب مذکور آئی۔ تو حضور نے
اپنی ازواج مطہرات اور اہل و عیال اور صحابہ کرام کو جمع کیا اور ہمارے ساتھ قیام کیا۔ حتیٰ
کہ ہم ڈرے کہ ہم سے فلاح فوت نہ ہو جائے۔ میں نے کہا۔ فلاح کیا ہے؟ کہا سحری۔ پھر
بقیہ مہینہ حضور نے ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ رمضان شریف
کی ان تینوں راتوں میں حضور علیہ السلام نے اول شب میں نماز تراویح شروع فرمائی۔ پہلی
رات میں تہائی حصہ گزرنے پر فراغت ہوتی۔ دوسری رات میں نصف شب گزر جانے پر
اور تیسری رات اول سے آخر تک نماز پڑھنے میں گزاری۔ جس سے ثابت ہوا۔ حضور نے
نماز تراویح تینوں راتوں میں اول وقت ہی میں ادا فرمائی ہے۔ گو فراغت کبھی نصف
شب میں ہوتی اور کبھی تمام شب میں اور تہجد کے متعلق احادیث سابقہ سے واضح
ہے کہ حضور نے ہمیشہ آخری شب میں ادا کی ہے۔ نماز تہجد حضور نے ساری رات کبھی
نہیں پڑھی۔ چنانچہ عائشہ نے تصریح فرمائی۔ ولا اعلم نبی اللہ قرء القرآن کله
فی لیلۃ ولا صلی لیلۃ الی الصبح (مسلم) میں نہیں جانتی کہ حضور نے ایک رات
میں کبھی سارا قرآن پڑھا ہو اور نہ یہ جانتی ہوں کہ حضور نے کسی رات میں صبح تک نماز
پڑھی ہو۔ فافہم

نماز تہجد حضور نے عمر شریف میں کبھی ایک مرتبہ بھی اول شب میں ادا نہیں فرمائی

ہے۔ بلکہ ہمیشہ سونے کے بعد بیدار ہو کر جو فجر لیل یا آخر شب میں ادا فرمائی ہے۔ اور نماز تراویح حضور نے ہمیشہ اول لیل میں پڑھی ہے۔ اگرچہ فراغت کبھی نصف شب میں ہوئی اور کبھی تمام شب میں۔ مگر نماز تراویح کا آغاز حضور نے ہمیشہ ہر دفعہ اول رات میں ہی فرمایا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جناب عائشہ کی یہ حدیث نماز تراویح کے متعلق نہیں ہے۔ اس لیے کہ نماز تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہے اور حدیث زیر بحث میں رمضان اور غیر رمضان کی نماز کا ذکر ہے۔ رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز تراویح نہیں بلکہ نماز تہجد ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ حضرت عائشہ حضور کی نماز تہجد کو بیان فرما رہی ہیں۔ نماز تراویح کو نہیں۔ لہذا اس حدیث سے نماز تراویح کا آٹھ رکعت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس حدیث میں تو صرف نماز تہجد کا بیان ہے۔ نیز ہمارے اس دعویٰ کی تائید و توثیق اسی حدیث کے ان جملوں سے بھی ہوتی ہے حضرت عائشہ نے عرض کی :-

اتمام قبل ان توتر
حضور کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جلتے ہیں؟

حضور نے جواب دیا :-

تنام عینی ولا ینام قلبی
اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں،
دل نہیں سوتا۔

اور یہ بات مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ ان گیارہ رکعتوں میں تین وتر اور آٹھ نفل ہوتے تھے اور یہ آٹھ اور تین یعنی پوری گیارہ رکعتیں حضور ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ تو جب وتر سے قبل حضور کا سو جانا اس حدیث سے ثابت ہوا تو وہ آٹھ نفل جو وتر کے ساتھ حضور پڑھتے تھے ان سے پہلے بھی حضور کا نیند فرمانا ثابت ہو گیا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضور کی یہ گیارہ رکعت والی نماز تراویح نہیں بلکہ تہجد اور وتر کی نماز تھی۔ اس لیے کہ نیند سے بیدار ہو کر جو نماز پڑھی جاتے وہی نماز تہجد ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اسی گیارہ رکعت والی حدیث کے

متعلق فرماتے ہیں :-

روایت معمول پر نماز تہجد سببت کہ
در رمضان وغیر رمضان یکساں بود۔ غالباً
بعد دہانہ رکعت مع الوتری رسد۔ دلیل
بریں حمل آں است کہ راوی اپنی حدیث ابو
سلمہ است و تتمہ اپنی روایت می گوید قانت
عائشہ اتنام قبل آں تو تراخ وظاہر است
کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد متصور می
شود نہ در غیر آں۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۱۹)

(مقتبات)

حضرت عائشہ کی گیارہ رکعت والی روایت
نماز تہجد پر معمول ہے۔ اس لیے کہ رمضان
تہجد رمضان اور غیر رمضان میں یکساں
تھی جس کا عدد وتر کے ساتھ غالباً گیارہ
تک پہنچتا تھا اور اس روایت کے تہجد پر
معمول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ راوی حدیث
ابو سلمہ اس روایت کے تتمہ میں کہتے ہیں
کہ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ وتر پڑھنے سے
پہلے سو جاتے ہیں؟ حضور نے فرمایا ہماری

آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا (اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا) اور ظاہر
ہے کہ وتر سے پہلے سونا صلوٰۃ تہجد ہی میں متصور ہو سکتا ہے نہ اس کے غیر میں۔
نیز علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی گیارہ رکعت والی نماز کو صلوٰۃ تہجد اور وتر ہی قرار

دیا ہے۔

غرضیکہ حدیث زیر بحث کے آخری حصہ سے بھی یہ امر روز روشن کی طرح واضح
ہو گیا کہ اس حدیث میں جس نماز کا ذکر ہے وہ نماز تراویح نہیں بلکہ صلوٰۃ تہجد ہے۔
لہذا اس حدیث سے آٹھ رکعت تراویح کے سنون ہونے کا استدلال درست نہیں
اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضور کی نیند ناقض وضو نہیں۔ علامہ ابن
عربی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ نیند ہی ایک آفت ہے۔ جس کی وجہ سے نفس کو جو

لہ علامہ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں۔ وظہری ان الحکمة فی عدم الزیادة علی
احدی عشرة ان التہجد والوتر مختص بصلوة اللیل (فتح البای ج ۱ ص ۱۱۹)

اقلیم بدن پر حکومت ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ عزوجل نے حضور اس سے محفوظ رکھا ہے۔ آپ کی صرف آنکھوں پر نیند طاری ہوتی قلب اقدس ہمیشہ بیدار رہتا۔

نذکرہ بالا حدیث جس سے غیر مقلد وہابی آٹھ رکعت تراویح کا استدلال کرتے ہیں۔ ان کے بھی خلاف جاتی ہے۔ کیونکہ اگر اس سے بالفرض آٹھ تراویح ثابت مانی جائے تو تین رکعت وتر کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔ لیکن وہابی حضرات ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ گویا ان کا یہ حال ہے کہ حدیث کی ایک بات کا اقرار کر رہے ہیں، دوسری بات کا انکار۔

دوم یہ کہ اگر اس حدیث میں نماز تراویح مراد ہے اور حضور نے آٹھ تراویح پڑھی تھی تو جناب عمر نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا؟ اور تمام صحابہ کرام نے اس حکم کو قبول کیا؟ خود حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ نے کیوں نہیں صحابہ سے یہ فرمایا کہ حضور تو آٹھ پڑھتے تھے اور تم بیس پڑھتے ہو یہ تو سنت کے خلاف ہے۔

سوم۔ اگر غیر مقلد حضرات کے نزدیک بیس رکعت تراویح پڑھنا بدعت سیئہ اور خلاف سنت ہے تو پھر خلفاء راشدین و ائمہ دین جو بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے ان کے متعلق ان کا کیا فتویٰ ہوگا۔ کیا معاذ اللہ وہ بھی بدعتی تھے اور نعوذ باللہ خلاف سنت کام کیا کرتے تھے۔ سوچئے! کہ آپ کے اس بے جا غلو و تشدد کی زد میں وہ محترم ہستیاں بھی آ جاتی ہیں۔ جن کا ایمان و تقویٰ اور متبع سنت ہونا آفتاب سے زیادہ واضح و ثابت ہے۔

تراویح بیس رکعت ہی مننون ہے | اگرچہ یہ مسئلہ فاضل فروعی ہے مگر حیرت ہے کہ بعض لوگ

یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ کہ بیس رکعت تراویح پڑھنا بدعت مذمومہ ہے۔ اس کے جواب میں سب سے پہلے تو یہ کہ دینا کافی ہے کہ نذکرہ بالا دعویٰ کرنے والے انشاء اللہ العزیز قیامت تک کسی صریح صحیح غیر مجروح

حدیث و آثار صحابہ کرام و اقوال ائمہ دین سے رمضان میں نماز تراویح کا آٹھ رکعت ہونا اور بیس رکعت تراویح کا بدعت مذمومہ ہونا ثابت نہیں کر سکتے۔

ثانیاً۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت عہد نبوی و عہد خلفاء اربعہ و اقوال ائمہ کرام سے واضح و ثابت ہے۔

عہد نبوی | حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام رمضان میں بیس رکعت تراویح ادا فرماتے تھے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً

(بیہقی ج ۲ ص ۲۹۶)

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۷۔

سائب فرماتے ہیں کہ لوگ زمانہ ۷ میں ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھتے تھے اور سو سے زائد آیتوں والی سورتیں پڑھتے اور حضرت عثمان کے زمانہ میں شدت قیام کی وجہ سے لاکھوں پر ٹیکس لگاتے تھے۔

(سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۲۹۶۔ قیام اللیل)

سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۲۹۶۔ قیام اللیل)

سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۲۹۶۔ قیام اللیل)

بیس رکعت تراویح پڑھانے

(الجواہر النقی ج ۲ ص ۴۹۵)

ابن ابی کعب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے آپ کو رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا تو آپ نے لوگوں کو

عہد فاروقی و عثمانی | عن السائب

قال كانوا يقومون على عهد عمر في شهر رمضان بعشرين ركعة قال وكانوا يقرون بالمئين وكانوا يتكثرون على عصيتهم في عهد عثمان من شدة القيام

عہد علی مرتضیٰ | میں علی مرتضیٰ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو

ان علیا امر رجلا یصلی بهم

فی رمضان عشرين ركعة

(یعنی جلد ۳ ص ۵۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۹۵)

امام تراویح ابی ابن کعب | عن ابی

ابن کعب ان عمر بن الخطاب امره

ان یصلی باللیل فی رمضان فصلی
بہد عشرین رکعة ابن منیع

اجماع صحابہ کرام | اجمع
الصحابۃ
علی ان التراويح عشرون رکعة

امام سرخی حنفی فرماتے ہیں :-

امام ابو حنیفہ | انما عشرون
سوی الموتر

عندنا۔

بیس تراویح پڑھائیں۔
کنز العمال ج ۲، آثار السنن ج ۲ ص ۵۵
شیخ الاسلام امام ابن حجر فرماتے ہیں۔
صحابہ کرام نے اس پر اتفاق کیا کہ تراویح
بیس رکعت ہیں۔ (مجموع فتاویٰ عبدالحی
ج ۱ ص ۳۱۲ مطبوعہ مکتبہ مرقاۃ ج ۳ ص ۹۴)

ہمارے (یعنی حنفیوں کے) نزدیک تراویح
بیس رکعت ہیں سوائے وتر کے (مبسوط
امام سرخی ج ۲ ص ۱۴۴ مطبوعہ مصر)

امام مالک | امام اہل مدینہ کے نزدیک اصل تراویح بیس رکعت ہیں۔ مگر چونکہ
اہل مکہ ہر ترویجہ (چوگانہ) کے بعد طواف کعبہ کیا کرتے تھے۔

اس لیے اہل مدینہ نے مکہ والوں کے طواف کی جگہ چار چار رکعت نوافل پڑھا لیے جن
کی تعداد سولہ بنتی ہے تراویح میں ملا کر چھتیس رکعتیں ہوتیں بعض فقہاء امام مالک سے
بیس تراویح نقل کرتے ہیں اور بعض ۳۶ رکعات۔

المالکیۃ قالوا عدد التراويح
عشرون رکعة (انفق علی المذاہب ص ۳۲ ج ۱
الاربعہ مصر)

امام شافعی اہل مکہ | مروزی
فرماتے ہیں

قال الامام الشافعی واجب الی عشرون
وکذا لک یقومون بمکة رقیام اللیل مروزی

امام احمد بن حنبل | نے فرمایا۔
قال الحنابلہ

التراويح عشرون ولا باس

مالکیوں نے فرمایا کہ تراویح کی تعداد بیس
رکعت ہے۔
امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں بیس رکعت
تراویح کو پسند کرتا ہوں اور بیس تراویح ہی
اہل مکہ بھی پڑھتے ہیں۔
رہایت المحتاج علی شرح المنہاج فقہ شافعی ج ۱
امام ابن حنبل نے فرمایا۔ تراویح بیس رکعت ہیں
اور بیس سے زیادہ میں بھی کوئی مرجع نہیں
امام احمد نے اس کی تصدیق فرمائی ہے اور

بالزيادة نصاي عن الامام احمد
وبه قال

امام عبد الوهاب شعرائ قولہ
حنيفة والشافعي واحمد ان صلوة
التراويح في شهر رمضان
عشرون ركعة مع قول مالك في
احد الروايات انها ستة و
ثلاثون ركعة

اور یہی ان کا قول ہے۔
رقتلانی شرح بخاری ج ۲ ص ۲۲۶
امام ابو حنیفہ، شافعی و احمد کا قول یہ
ہے کہ تراویح ماہ رمضان میں بیس
رکعت ہیں۔ امام مالک کا قول ایک
روایت میں ۳۶ رکعت ہیں۔

(میزان الشریعہ الکبری ج ۱ ص ۱۴۸،
رحمة الامة فی اختلاف الامة ج ۵
مطبوعہ مصر)

امام ترمذی نے تصریح فرمائی ہے کہ اکثر اہل علم اس پر عامل ہیں جو علی تحفہ و
حضرت عمر سے مروی ہے اور ان کے علاوہ نبی کریم کے اصحاب

وغیرہما من اصحاب النبی صلی
اللہ علیہ وسلم عشرين ركعة وقول
سفيان الثوري وابن المبارك و
الشافعي وهكذا ادرکت ببلدنا مكة
يصلون عشرين ركعة

(ترمذی ج ۱ ص ۱۱۹)

سے بیس رکعت تراویح ہی
روایت کی گئی ہیں۔ امام سفیان ثوری ابن
مبارک امام شافعی کا قول بھی بیس رکعت
تراویح ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ غلہ
میں میں نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح
پڑھتے پایا۔

الغرض صدر اول سے لے کر آج تک صحابہ و تابعین و آئمہ کبار کا بیس تراویح پر

عمل ہے۔

والذي استقر الامر واشتهر من
الصحابة والتابعين ومن بعد
هما اجمعين والعشرون عن الصدق
الاول الى الان (ما ثبت من السنة)

اور وہ جس پر صحابہ و تابعین اور ان کے
بعد والوں کا فیصلہ قرار پایا اور مشہور ہوا
صدر اول سے لے کر آج تک وہ بیس
رکعت تراویح پڑھنا ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں :-

بیس تراویح مشرق و مغرب کے مسلمانوں کا عمل ہے۔

عليه عمل الناس شرقاً و غرباً (۱۶۰ ص ۲۶)

حتیٰ کہ علامہ ابن تیمیہ نے بھی یہ تصریح کی ہے :-

امام ابو حنیفہ و شافعی اور احمد کا مذہب

والتراویح ان صلاھا کما مذہب

یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ امام

ابی حنیفہ و الشافعی و احمد عشرين

مالک کا مذہب یہ ہے کہ ۳۶ رکعات ہیں

رکعة و کما مذہب مالک ستة

(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ۴۷)

و ثلاثین رکعة الخ

بلکہ تراویح کا بیس رکعت ہونا اتنا واضح و ثابت ہے کہ نواب صدیق حسن خان

بھوپالی کو بھی یہ کہنا پڑا :-

یعنی ابی ابن کعب کی قدر نماز تراویح

و در قدر صلوة ابی اختلاف است۔ از

میں اختلاف ہے۔ گیارہ سے لے کر

یا زودہ تا بست و بست و یک بست و

۲۰ اور ۲۳ رکعات تک۔ بہر حال مرفوع

و بالجملہ عددے معین او مرفوع نیامدہ

حدیث میں تراویح کی معین تعداد نہیں

و تکثیر نفل و تطوع سودمند است۔ پس

آئی اور نوافل کو زیادہ کرنا فائدہ مند ہے۔

منع از بست و زیادہ چیزے نیست

پس بیس رکعت تراویح یا زیادہ سے منع

کرنا کوئی چیز (یعنی فضول، غلط) ہے۔ (سورۃ الجادی ص ۴۴ مطبوعہ بھوپال)

انصاف کیجئے! بیس رکعت تراویح پر صحابہ و تابعین و ائمہ دین کا عمل ہے۔ اس

حقیقت کے باوجود بعض لوگ بیس رکعت تراویح کو بدعت مذمومہ قرار دے رہے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضد و تعصب سے ہر مسلمان کو بچائے اور حق قبول کرنے کی توفیق رفیق

عطا فرمائے۔

مسائل عید الفطر

عید کی سنتیں | غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، عمدہ لباس پہننا، عید گاہ کو پیادہ پا جانا، ایک راہ سے جانا اور دوسری راہ سے واپس ہونا، عید الفطر میں عید گاہ جانے سے قبل کوئی شیریں چیز کھجور وغیرہ کھانا (اسی بنا پر ہمارے ملک سویاں مروج ہیں کہ کھانا شیریں ہو اور سنت بھی ادا ہو جائے) اور عید لا ضحیٰ میں قبل نماز کچھ نہ کھانا۔

مباحات اور مستحبات | صدقہ کی کثرت کرنا، باہم ملنا، مبارک باد دینا، خوشی کا اظہار کرنا، مصافحہ اور معاف کرنا،

عید کی نماز کا وقت | عید کی نماز کا وقت آفتاب کے بعد نیزہ بلند ہونے سے زوال تک ہے۔ اگر نماز پڑھنے میں زوال کا وقت آگیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز عیدین | عید کی دو رکعت نماز ہر عاقل و بالغ مقیم و تندرست پُر شہر میں واجب ہے۔ گاؤں میں عید اور جمعہ کی نمازیں جائز نہیں۔ مگر وہ بڑے گاؤں یعنی قصبے جو شرعاً شہر کا حکم رکھتے ہیں۔ ان میں جمعہ اور عید دونوں کی نمازیں جائز ہیں۔ جمعہ اور عید دونوں کی نمازوں کی صحت اور ادا کی شرطیں ایک ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور عیدین میں سنت۔ دوم جمعہ میں خطبہ نماز سے قبل ہے اور یہاں نماز کے بعد اگر کسی نے عید کی نماز کے بعد خطبہ پڑھا یا نماز سے قبل پڑھ لیا۔ دونوں صورتوں میں نماز

ہو گئی مگر یہ شخص گناہگار ہوا۔

نیت کی میں نے دو رکعت
ترکیب نماز عید الفطر | نماز عید الفطر واجب کی چھ زائد تکبیریں

کے ساتھ اس امام کے پیچھے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے۔ پھر کانوں تک ہاتھ لے جا کر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے اور شمار پڑھے۔ پھر دو مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جا کر تکبیر کہتے ہوئے چھوڑ دے۔ تیسری مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جا کر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے اور بطریقِ معهود ایک رکعت پڑھے۔ دوسری رکعت میں بعد قرأت قبل رکوع تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جا کر تکبیر کہتا ہوا چھوڑ دے۔ چوتھی مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جائے۔ بغیر تکبیر کے رکوع کرے اور حسب دستور نماز پوری کرے۔ نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے۔ تمام مقتدی سنیں اور خاموش رہیں۔ خواہ خطبہ کی آواز پہنچے خواہ نہ پہنچے۔ بعد خطبہ دعا مانگیں۔ سلام، مصافحہ و معالفت کریں۔

ہر صاحبِ نصاب پر اپنی اور اپنے بچوں کی طرف سے
صدقہ فطر | ۲ سیر تین چھٹانک گندم واجب ہے۔ گندم کی قیمت بھی

دے سکتے ہیں۔ اس کا مصرف جو زکاة کا ہے (۲) نابالغ اور مجنون مالکِ نصاب پر صدقہ فطر واجب ہے۔ ان کا سرپرست ان کے مال سے ادا کرے (۳) صدقہ فطر ادا کرنے سے روزہ میں جو خلل واقع ہو اس کی تلافی ہو جاتی ہے (۴) عورت مالکِ نصاب ہو تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے (۵) صدقہ فطر فجر عید کی طلوع کے بعد واجب ہوتا ہے۔ جو اس سے پہلے مر گیا۔ اس سے صدقہ واجب نہیں اور جو اس سے پہلے پیدا ہوا اس کا صدقہ واجب ہے (۶) روز عید سے پہلے بھی صدقہ فطر دینا جائز ہے۔ وہ بوڑھا یا مریض جس سے روزہ ساقط ہو گیا ہے۔ عند فطر اس پر بھی واجب ہے۔ (۷) مستحب یہ ہے کہ فطرانہ عید گاہ جانے سے پہلے

پہلے ادا کر دیا جائے۔

سوال کے روتے | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے عید الفطر کے چھ روزے رکھ لیے تو اس کو پورے سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ ان روزوں کو متفرق رکھنا افضل ہے اور اگر متواتر چھ روزے رکھ لیے تو عرج نہیں۔



گناہوں کا علاج | حضرت شبلی قدس سرہ العزیز نے ایک حکیم سے کہا۔ مجھے گناہوں کا مرض ہے اگر اس کی دوا بھی آپ کے پاس ہو تو عنایت کیجئے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سامنے میدان میں ایک شخص تنکے چھننے میں مصروف تھا۔ جو تجھ سے نو لگاتے ہیں وہ تنکے چھننے ہیں

اس نے سر اٹھایا اور شبلی کو مخاطب کر کے کہا۔ شبلی بیاں آؤ میں اس کی دوا

بتاتا ہوں۔ جو یہ ہے :-

”حیا کے پھول، صبر و شکر کے پھل، عجز و نیاز کی جڑ، غم کی کونپل، سچائی کے درخت کے پتے، ادب کی چھال، حسن و اخلاق کے بیج یہ سب لے کر ریاضت کے باون دستہ میں گونٹنا شروع کرو اور اٹک پشیمانی کا عرق ان میں روز ملتے رہو۔ ان سب دواؤں کو دل کی دچھی میں بھر کر شوق کے چولہے میں پکاؤ۔ جب پک کر تیار ہو جائے تر صفائے قلب کی صافی میں چھان لینا اور شیریں زبان کی شکر ملا کر محبت کی تیز آنچ دینا۔ جس وقت تیار ہو کر اترے تو اس کو خوفِ خدا کی ہوا سے ٹھنڈا کر کے استعمال کرنا۔“

حضرت شبلی نے نگاہ اٹھا کر دیکھا وہ دیوانہ نہ تب ہر چکا تھا۔

وہ جو بیچتے تھے دولٹے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

خاتونِ جنت

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز از سیدت حضرت زہرا عزیز
جناب مریم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہونے کی نسبت سے مقدس
و محترم ہیں لیکن جناب خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تین نسبتوں سے شرف حاصل ہے
نور چشمِ رحمتہ للعالمین آں امامِ اولین و آخرین
جناب فاطمہ حضور سید المرسلین جو کہ اولین و آخرین کے امام اور رحمتہ للعالمین ہیں، کی آنکھوں کا نور
و دل کا سرور ہیں۔

بانوئے آں تاجدارِ حلِ آتی مرتضیٰ شیرِ خدا مشکلِ کُشا
دوسری نسبت یہ ہے کہ آپ تاجدارِ حلِ آتی، مولا علی مشکلِ کُشا شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کی مقدس بیوی ہیں
مادرِ آں مرکزِ پُرکارِ عشق مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق
تیسری نسبت یہ ہے کہ آپ مرکزِ پُرکارِ عشق اور کارواں سالارِ عشق شہزادۂ کونین سیدنا امام حسین
سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں۔

مزرعِ تسلیم را حاصلِ بتولِ مادران را اسوۂ کاملِ بتول
تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل، دنیا کی ماؤں کے لیے اسوۂ کامل اور مسلمان عورتوں کے لیے روشنی
کا عینار جناب خاتونِ جنت سیدہ عقیقہ حضرت بتول ہی ہیں۔ (اقبال)

پارہ ہائے صحیفِ غنچہائے قدس
آپِ تطہیر سے جس میں پڑے جے
غون خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر
اس بتولِ جگر پارہ مصطفیٰ
جس کا آنچل نہ دیکھا ماہ و مہر نے
سیدہ زاہرہ، طیبہ طاہرہ

اہل بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام
اس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
جملہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام
اس روانے نزاہت پہ لاکھوں سلام
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت بریلوی

نبی بے مثال کا شاہکار

سب سے بہتر سے جو رسول مجھ
حسب تصدیق حیدر کراڑ
ملک و حکمت عطا ہوئے جس کو
جس کا سینہ خزینہ اسرار
وہ یگانہ امام ربانی
مرجع استناد و استظهار
ہے تو صدیق از روئے تنزیل
تجھ سے ہے باغ لالہ کی بہار
سب سے پہلا خلیفہ ارشد
خارجہ خواجگان باستقرار
شان ہے حق و صدق و رفیق تری
تو ہے یعقوب ملت مختار
معرفت میں کتاب و سنت کی
ہے وہ اک بحر ذخر و زخار
شرح اتم الکتاب سرتاپا
شک ہو تو فانظر والی الآثار
وہ کہ محبوب شافع معشر
وہ کہ مقبول ایزد دادار
چھ بیان اس کی افضلیت کا
ایک امر ضروری الانظار

ساطع الثور ، واضح الآثار
شانی الثنین اذ ہما فی الثار
ایک صادق تھا دوسرا صدیق
ماہ توار و کوکب زہار
تیسرا ساتھ تھا خدا ان کے
مہربان و مہین و ستار
کون تھا دوسرا من القاس
پُر دل و پُر وقار و پُر اسرار
وہ عطا کا سحاب دریا پاش
وہ سخاوت کا ابر گوہر بار
جس نے آواز دوست سنتے ہی
بے تامل ٹٹا دیا گھر بار
ختم صدق مقال و حسن عمل
اس پہ بعد محمد مختار
وہ جلال و جمال کی تصویر
نبی بے مثال کا شہکار
وہ کہ خیر البریۃ بعد نبی
ثانی نوح و قبر و بدر و غار
وہ اسیران بدر کا شافع
صاحب الوحی کا شیر و مشار

و علیہ السلام والا کرام

ابداً قبح و شام یل و نہار

عبد العزیز خالہ

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

مقامِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضراتِ خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں اصدق الصادقین سید الملتحقین امام العارفین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق و صداقت کی وہ مشعلِ تاباں ہیں جو حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کے مظہرِ اتم اور آپ کی سیرت و کردار کے کامل نمونہ تھے۔ آپ کا قلب تجلیاتِ جمالِ نبوت کا ہر آن جلوہ گاہ بنا رہا اور آپ نے آفتابِ نبوت سے بے واسطہ فیض حاصل رہا۔

آپ کا نام نامی اسمِ گرامی عبد اللہ صدیق و عتیق لقب اور کنیت ابوبکر ہے۔ حاکم، ابن سعد اور ابویعلیٰ نے روایت کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ ایک مکان میں جلوہ فرما تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آتے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا :-

مَنْ مَسْرَّةً أَنْ يَنْظُرَ إِلَيَّ
عَتِيقٌ مِنَ النَّاسِ فَلْيَنْظُرْ
إِلَى أَبِي بَكْرٍ

جسے زمین پر دوزخ سے آزاد کیے ہوئے
کو دیکھنا ہو وہ ابوبکر کو دیکھ لے۔

آپ کا دوسرا لقب صدیق ہے۔ اسلام سے قبل بھی آپ کا صدق مشہور تھا قبائل عرب آپ کی دیانت و امانت اور حسنِ معاملہ کے معترف تھے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ صبحِ شبِ معراج سے آپ لقبِ صدیق سے ممتاز ہوئے۔ کفار نے جب واقعہِ معراج سنا تو حضرت صدیق اکبر کے پاس آئے۔ کہنے لگے اب حضور کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا :-

لَقَدْ صَدَقَ وَإِنِّي لَأُصَدِّقُ
(حاکم و مستدرک)

حضور نے سچ فرمایا اور میں اس کی
تصدیق کرتا ہوں۔

سید ابن منصور نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام معراج سے واپسی پر مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا، میری قوم میری تصدیق نہیں کرے گی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا، ابوبکر تصدیق کریں گے کیونکہ وہ صدیق ہیں۔

جناب امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں :-
إِنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ اسْمَ أَبِي بَكْرٍ
مِّنَ السَّمَاءِ الصِّدِّيقِ
نہا کہ قسم اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا نام صدیق
آسمان سے نازل فرمایا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مزید فرمایا :-
"ابوبکر وہ شخصیت ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے بزبان جبرائیل علیہ السلام و بزبان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صدیق رکھا۔ وہ نماز میں حضور اکرم علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تو ہم اپنی دنیا کے لیے ان سے راضی ہیں" (حاکم و مستدرک)

مکہ کے پہاڑ ثبیر پر حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جلوہ فرماتے تھے۔ پہاڑ لرزنے لگا۔ حضور علیہ السلام نے پہاڑ پر ٹھوکر ماری اور اسے مخاطب کر کے فرمایا :-

أَسْكُنْ ثُبَيْرٌ فَإِنَّمَا عَلَيَّكَ
نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ (بخاری) صدیق اور دو شہید عمر و عثمان ہیں۔
سبحان اللہ! جس ہستی مقدس کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم صدیق قرار دیں۔ اس کے صدیق ہونے میں کس شبہ ہو سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام کی زبان تو مرضی الہی کی ترجمان ہے۔

نبوت کے بعد درجہ بھی صدیق ہی کا ہے مِنَ الْجَبِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ
لہذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونے کی بنا پر خلیفہ بلا فصل ہونا اور افضل امت ہونا بالکل واضح ہے۔

حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ مرضِ وفات میں حضور علیہ السلام نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ ابو بکر کو اور اپنے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہم کو بلا لو تاکہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں ایک حکم نامہ لکھوا دوں۔

فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَمَنَّيَ مُتَمَنٍّ
وَيَقُولُ قَائِلٌ أَنَا وَلَا يَأْتِي
اللَّهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ

مجھے ڈر ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کر لے اور کہنے والا کہے کہ میں مستحق (خلافت ہوں) اور اللہ تعالیٰ اور مومنین نہیں جانتے مگر ابو بکر کو۔

(مسلم شریف)

حکیم الامت حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے خلفاء راشدین کی اسلام میں آئینی و دستوری حیثیت کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے :-

”ایام خلافت تئمۂ ایام نبوت بودہ است گویا در ایام نبوت حضرت پیغمبر

صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان اقدس مے فرمود و در ایام خلافت ساکت

نشستہ بدست و سر اشارہ می فرماید۔ (ازالۃ التحارج ۱ ص ۲۵)

(خلافت راشدہ کا دور دور نبوت کا تتمہ تھا۔ گویا دور نبوت میں حضور علیہ السلام صراحتہً زبانِ اقدس سے (احکامِ شرع) بیان فرماتے تھے اور دور خلافت میں حضور غامضی سے جلوہ فرما سر اور ہاتھ کے اشاروں سے سمجھاتے ہیں۔)

سروہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ

حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔ حضرت امام باقر کا ارشاد

میں نے حضرت ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تلوار کا قبضہ چاندی کا ہونا جائز ہے؟ آپ نے جواب دیا جائز ہے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنی تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوایا تھا۔ سروہ نے کہا آپ بھی ابو بکر کو صدیق کہتے ہیں؟

اس پر امام باقر اپنی جگہ سے اچھلے اور کعبہ کی طرف چہرہ کر کے فرمایا۔ کیا اچھے صدیق تھے۔ کیا اچھے صدیق تھے۔ کیا اچھے

فَوَثَّبَ وَثْبَةً وَاسْتَقْبَلَ الْقَبْلَةَ
وَقَالَ نِعْمَ الصِّدِّيقُ نِعْمَ
الصِّدِّيقُ نِعْمَ الصِّدِّيقُ

فَمَنْ لَّمْ يَقُلْ لَهُ الصَّدِيقُ فَلَا
صَدَقَ اللَّهُ لَهُ فِي الدُّنْيَا
وَلَا فِي الْآخِرَةِ

صدیق تھے۔ جو شخص ابوبکر کو صدیق نہ
نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرت میں
تصدیق نہ کرے۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں :-

۱۔ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ
عنہ کا صدیق ہونا اور صدیق کا تمام امت سے افضل ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ قواعد مقررہ
منصوصہ قرآن سے ثابت ہے کہ انبیاء کے بعد مرتبہ صدیقین کا ہے اور صدیق تمام امت
سے افضل ہوتا ہے۔

۲۔ سائل کے سوال کا ہاں یا نہیں میں جواب دے دینا کافی تھا۔ مگر حضرت امام باقر
نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فعل کو دلیل بنا کر جواب دیا جس سے واضح ہوا کہ امام
باقر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسائل کا شرعی فیصلہ کرنے کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
عنہ کا قول و عمل حجت و سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کے
ساتھ ان کے لقب صدیق کا بھی ذکر فرمایا۔ حالانکہ صرف نام لینا ہی کافی تھا۔ جس سے
 واضح ہوا کہ حضرت امام باقر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایسی محبت و عقیدت تھی
کہ آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لقب صدیق کے بغیر ان کا نام لینا گوارا نہ ہوا۔

۴۔ جب امام باقر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کو صدیق کہا تو سائل کو تعجب ہوا۔ اس نے
امام سے سوال کیا۔ آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں؟ اس پر امام کو اس قدر غصہ آیا کہ آپ
اپنی جگہ سے اُچھل پڑے اور تین مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صدیق ہونے
کو بیان فرمایا۔ نہ صرف یہ بلکہ یہاں تک فرما دیا کہ جو ابوبکر کو صدیق نہ کہے، دنیا و آخرت میں
اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔

علامہ طبرسی آیۃ مبارکہ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ
هُمْ الْمُتَّقُونَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

الَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ (رَسُولُ
اللَّهِ) وَصَدَّقَ بِهِ (أَبُوبَكْرٍ)
(تفسير مجمع البيان) ص ۳۲ ج ۲

حق و صداقت کو لانے والے سے مراد حضور
علیہ السلام کی ذات ہے اور اس کی
تصدیق کرنے والے سے ابوبکر مراد ہیں۔

أَفْضَلُ صَدِيقِ أَكْبَرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ

اہل سنت و الجماعت کا اجماع ہے
کہ انبیائے کرام کے بعد سب سے

افضل و بزرگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر
رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :-

كُنَّا فِي نَزْوٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا
كُنَّا نَقُولُ وَدَسُّوا اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَفْضَلَ أُمَّةٍ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بَعْدَهُ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ
ثُمَّ عُثْمَانُ رَجُلَانِ ابْنِ دَاوُدَ

ہم حضور کے زمانہ میں کسی کو حضرت ابوبکر
کے برابر شمار نہیں کرتے تھے۔

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات
میں یہ کہتے تھے کہ حضور کے بعد امت
میں سب سے افضل ابوبکر ہیں۔ پھر
عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم۔

چاندنی رات، بقی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حریم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
میں جلوہ فرما تھے۔ ایسے میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ عقیقہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
نے عرض کی۔ یا رسول اللہ آسمان کے ستاروں جتنی بھی کسی کی نیکیاں ہیں؟ حضور نے
جواب دیا۔ ہاں عمر کی ہیں، عرض کی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں کی کیا کیفیت ہے؟ حضور
نے فرمایا :-

جَمِيعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةِ
وَاحِدَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ أَبِي بَكْرٍ

عمر کی تمام نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی
کے برابر ہیں۔ (مشکوٰۃ)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر نبی کے دو وزیر آسمان کے فرشتوں
میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں۔ فرشتوں میں میرے دو وزیر جبرائیل

میکائیل علیہم السلام ہیں۔

اور اہل زمین سے میرے دو وزیر ابوبکر
و عمر ہیں۔

أَمَّا وَزِيرَايَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ
فَأَبُو بَكْرٌ وَعُمَرُ (ترمذی)

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کو م اللہ
وجہ الکریم نے اپنے مکتوب بنام امیر

حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ کا فیصلہ

معاویہ میں تحریر فرمایا :-

اور اسلام میں سب سے افضل اور اللہ
اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص
رکھنے میں سب سے بڑے کر (جیسا کہ تم نے کہا)
کیا (خليفة صديق ہیں اور خليفة کے خليفة
فاروق ہیں۔ مجھے اپنی جان کی قسم تحقیق
ان دونوں کا مقام اسلام میں بڑا ہے اور
بہ تحقیق ان کی وفات سے اسلام کو سخت
زخم لگا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت
نازل فرمائے اور ان کو ان کے اچھے کاموں

وَكَانَ أَفْضَلُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ كَمَا
زَعَمْتَ وَأَنْصَحُهُمُ لِلَّهِ وَ
لِرَسُولِهِ الْخَلِيفَةُ الصِّدِّيقُ
وَالْخَلِيفَةُ الْفَارُوقُ وَ
لَعَمْرِي إِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ
لَعَظِيمٌ وَإِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا
لَجَرَحٌ فِي الْإِسْلَامِ شَدِيدٌ
يَرْحَمُهُمَا اللَّهُ وَجَزَاهُمَا
بِأَحْسَنِ مَا عَمَلَا

کا ثواب عطا فرمائے۔ (شرح نہج البلاغہ علامہ ابن ہشیم مطبوعہ ایران ج ۲)

حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

میں ابوبکر و عمر کے فضائل کا منکر نہیں
ہوں لیکن ابوبکر عمر سے افضل ہیں۔
(اجتہاج طبرسی ص ۲۴)

لَسْتُ بِمُنْكَرٍ فَضْلَ أَبِي بَكْرٍ وَ
لَسْتُ بِمُنْكَرٍ فَضْلَ عُمَرَ وَ
لَكِنْ أَبُو بَكْرٍ أَفْضَلُ مِنْهُ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ
عنہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد

کے حق میں فرماتے ہیں :-

ہمّا اِمامانِ عادِلانِ قاسِطانِ کانا
عَلَى الْحَقِّ وَمَا نَا عَلَى الْحَقِّ فَعَلِيْهِمَا
وَحِمَّةُ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
یہ دونوں امام ہیں عادل انصاف کرنے والے
دونوں حق پر تھے۔ حق پر ہی ان کا انتقال
ہوا۔ ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر
و عمر رضی اللہ عنہما امام اور خلیفہ برحق تھے۔ وہ عادل اور منصف تھے۔ وہ حق پر تھے اور وفا
تک حق پر رہے۔ وہ قیامت کے دن مستحق رحمت الہی ہیں۔ ظاہر ہے خلیفہ برحق وہی
ہو سکتا ہے جو غاصب و خائن نہ ہو اور رحمت الہی کا مستحق بھی وہی ہوتا ہے جو ایمان و
تقویٰ میں کامل و مکمل ہو۔ غرض کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ان تمام مطاعن
کا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیے جاتے ہیں قلع قمع ہو گیا۔

تفسیر حضرت امام عسکری علیہ السلام
میں زیر سورہ بقرہ لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام
نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ سے فرمایا :-

جَعَلَكَ مِثِّيْ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ
وَالْبَصَرِ وَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ
وَبِمَنْزِلَةِ الرُّوحِ مِنَ الْبَدَنِ
بالیقین اللہ تعالیٰ نے تم کو بمنزلہ میرے سمع و
بصر کے کیا ہے اور میرے ساتھ تم کو
وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح
کو بدن سے ہوتی ہے۔

تفسیر عسکری مطبوعہ ۱۴۲۱ھ (منشی الکلام)

حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے اس تفسیری نوٹ سے واضح ہوتا ہے
کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ فنا فی الرسول کے درجہ پر فائز تھے۔ حضور کے ساتھ ان کو محبت
و عقیدت تھی وہ یک جان و دو قالب کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ اہل عشق و محبت
ہی حضور کے مذکورہ بالا کلمات طیبات کی عظمت کا احساس کر سکتے ہیں۔ حضور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی سمع و بصر اور جان و دل قرار دے
کر آپ کے افضل امت ہونے کی ایسی نشاندہی فرمائی ہے جس سے انکار کی گنجائش
ہی نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے | شیعہ حضرات کے اکابر
میں سے ملا مجلسی نے

تذکرۃ الائمہ میں صحابہ کرام کی تعداد چار لاکھ بتائی ہے اور علامہ شریف مرتضیٰ نے بہار الانوار
کی جلد سوم میں یہ تصریح کی ہے کہ تمام مسلمانوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت
وامامت کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا اور برضا و رغبت بلا جبر و اکراہ آپ کے دستِ
حق پرست پر بیعت کی :-

”جمیع مسلمانان بابو بکر بیعت کردند و اظهار رضا و خوشنود - خوشنودی باد
وسکون و اطمینان بسوئے او نمودند و گفتند کہ مخالف او بدعت

کنندہ و خارج از اسلام است۔“

(تمام مسلمانوں نے برضا و رغبت خود سکون قلبی کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی
اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مخالف بدعتی اور
اسلام سے خارج ہے۔)

یہ ہے خلافت صدیقی کے حق و صواب ہونے کے متعلق چار لاکھ مسلمانوں کا فیصلہ
جن میں مہاجرین و انصار اور بنی ہاشم اور اہل بیت نبوت بھی شامل تھے۔

مزاج شناس رسول | امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ
سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کمال کے منظر اتم
تھے۔ اس لیے آپ مزاج شناس رسول کے منصب رفیع پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور
سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے اسرار و معارف سب سے زیادہ سمجھنے والے
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے ایک دن اپنے خطبہ
میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا خواہ وہ دنیا کو اختیار کرے یا
جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اسے اختیار کر لے تو اس بندے نے وہ اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ
کے پاس ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حیران تھے کہ ابوبکر کیوں رونے لگے۔ آخر اس میں رونے کی بات ہی کیا ہے؟ لیکن بعد میں معلوم ہوا۔ اس بندے سے مراد حضور علیہ السلام کی فاتِ پاک تھی اور اس خطبہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات کی خبر دی تھی جس کو صحابہ میں سے کوئی نہ سمجھ سکا۔ صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کلماتِ نبوی کی رمز کو سمجھا اور رونے لگے۔

اور ابوبکر ہم سب میں زیادہ علم رکھتے تھے پھر حضور نے فرمایا۔ ابوبکر مت روؤ۔ تمام لوگوں میں کسی کے مال اور رفاقت کا احسان مجھ پر اتنا نہیں جتنا ابوبکر کا ہے اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو غلیل بناتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا مگر اسلامی محبت و اخوت ہے۔ مسجد کی طرف کسی کا دروازہ باقی نہ رہے مگر اس کو بند کر دیا جائے سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔“

وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمُنَا فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَا تَبْكُ ، إِنَّ أَهْنَ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أَهْلِي خَلِيلًا لَّا تَخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلَكِنْ أَخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوْدَّةٌ لَا يَبْقَيْنَ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ (بخاری)

یہ حدیث حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دفتر فضائل کا گنجینہ ہے۔ صحابہ کرام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ اعلم مانتے اور جانتے تھے۔ خلعت سے مراد وہ دوستی ہے جو صرف عہد و معبود کے درمیان ہو سکتی ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ پوری امت میں صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی لائق خلعت تھے۔ مگر میرا غلیل صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

زبانِ رسالت کے اس اعلان کی عظمت پر غور کیجئے۔ ”مجھے صدیق کے مال نے جو نفع دیا کسی کے مال نے نہیں دیا۔“ حضرت صدیق اکبر کے حق میں حضور علیہ السلام کے یہ کلماتِ طیبات آپ کے مخلص نیازمند اور جاں نثار ہونے کی ایسی کھلی ہوئی ڈگری ہے کہ جس کا انکار آفتاب و مہتاب کے انکار کے مترادف ہے۔

اشاعت و استحکام کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایثار | حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ جواد اور سخی تھے۔ آپ نے اپنے تمام وسائل کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ اسلام کی اشاعت و استحکام کے لیے بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ نو مسلم غلاموں اور مسلمان اسیروں کو کفار کے پنجہ ظلم سے آزاد کرانے تھے اور اس کام کے لیے پیمثال مالی ایثار سے کام لیتے تھے۔ اسلام کے لیے آپ کی فیاضی و سخاوت اور قربانی کی عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خود خالق کائنات نے آپ کے مالی ایثار کو قرآن مجید میں بیان فرما کر اس کے مقبول و محمود ہونے کی سند عطا فرمادی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیکی قبول فرماتا ہے جو مومن مخلص ہو۔ علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۲ ص ۵۷ میں لکھتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ إِنَّ الْأَيَّةَ نَزَلَتْ فِي أَبِي بَكْرٍ لِأَنَّهُ اشْتَرَى الْمَمْلُوكَ الَّذِي اسْلَمُوا مِثْلَ بِلَالٍ وَعَامِرِ بْنِ مَيْسَرَةَ وَغَيْرِهِمْ وَاعْتَقَهُمْ آيَةُ الَّذِي يُؤْتَى مَالَهُ يَتَرَكِي حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب کہ وہ اسلام لانے والے غلاموں کو خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد فرما دیتے۔ قرآن مجید کی جس آیت کا شان نزول علامہ طبرسی نے بیان کیا ہے۔ وہ آیت مبارکہ یہ ہے :-

وَسَيُجَنَّبُهَا الَّذِي يَتَقَى الَّذِي يُؤْتَى مَالَهُ يَتَرَكِي وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى۔

”اور بہت اس سے دُور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ مستفرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ صرف اپنے رب

کی رضا چاہتا ہے۔ جو سب سے بلند ہے۔ بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔“

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گراں قدر قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا تو کفار کو اس پر تعجب ہوا، انہوں نے کہا۔ صدیق اکبر نے بلال کو

لیے آزاد کیا کہ شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا۔ اس پر یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بلال رضی اللہ عنہ کا کوئی احسان ہے۔ — غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس نیکی کو قرآن مجید میں اعلان فرمادیا اور نیکی اس کی مقبول ہوتی ہے جو مخلص مسلمان ہو۔ اس آیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت ثابت ہوئی کہ جو شخص ان کے مخلص مسلمان ہونے کا انکار کرے وہ قرآن کا منکر قرار پائے گا۔

امن الناس | حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت بھی بہت ہی پر عظمت ہے کہ حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خدمات اور ایثار و قربانی کا اعتراف فرمایا۔ حضور نے فرمایا:-

مَا نَفَعَنِي مَالٌ أَحَدٍ قَطُّ مَا
مَجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا
نَفَعَنِي مَالٌ أَبِي بَكْرٍ (ترمذی) ابو بکر کے مال نے نفع دیا۔

یہ شرف بھی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کو حضور سے جو دالہانہ محبت تھی اور حضور کے لیے آپ نے جس ایثار و قربانی کا مظاہرہ فرمایا کوئی شخص قصد و ارادہ کے باوجود اس معاملہ میں آپ پر سبقت نہیں لے جاسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فرماتے ہیں:-

• حضور نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا تو میں نے خیال کیا کہ آج میں ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاؤں گا تو میں نے اپنے مال کا نصف حصہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ تم نے اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا۔ میں نے جواب دیا۔ اسی کی مثل یعنی نصف:-

وَأَنِّي أَبُوبِكْرٍ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ فَقَالَ
يَا أَبَا بَكْرٍ مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ
فَقَالَ أَبْقَيْتَ لَهْمُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ
اور حضرت ابو بکر نے اپنا تمام سرمایہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے پوچھا اپنے اہل و عیال کے لیے کیا رکھا؟ عرض کی

ان کے لیے اللہ و رسول ہی بس ہے۔ میں نے کہا کہ میں کبھی صدیق اکبر سے کسی بات میں بھی سبقت نہیں لے جاسکتا ہے

پر دانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس (اقبال)

اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دو کر عرض کی :-

هَلْ أَنَا وَمَالِي لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
(صلی اللہ علیک وسلم)
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اور میرا مال آپ کا ہی تو ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

حضور سید عالم نور مجتہم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مَا لِحَدِّ عِنْدَ نَائِدٍ إِلَّا وَقَدْ
كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّ
لَهُ عِنْدَ نَائِدٍ يُكَافِيهِ
اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (ترمذی)
جس کسی نے مجھ پر کوئی احسان کیا تو اس کا بدلہ ہم نے دنیا میں ہی دے دیا۔ ابوبکر کے کہ ان کی خدمات کا ثواب انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما
ہستی او کشت ملت را چوں ابر
نافع اسلام و غار و بدر و قنبر

امام العارفین حضرت شیخ یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز مکتوبات میں حضور علیہ السلام سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کو یوں بیان فرماتے ہیں :-
"کسی نے حضرت شبلی علیہ الرحمۃ سے امتحاناً سوال کیا کہ زکوٰۃ کتنی مالیت پر واجب ہوتی ہے؟ حضرت شبلی نے کہا۔ جواب مسک فقہار پر چاہتے ہو یا مسک فقہار پڑ سائل نے عرض کی دونوں پر، فرمایا۔ فقہار کے مذہب پر ایک سال گزرنے پر دوسو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے اور مذہب فقہار پر پورے دوسو درہم کے ساتھ اپنی جان بھی پیش کرنی ضروری ہے۔ سائل نے کہا۔ اس کی دلیل؟ آپ نے جواب دیا :-

” ما ایل مذہب از صادق رب العلین گرفتیم یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوہو
داشت ہمیش سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہاد و جگر گوشہ عائشہ را بشکرانہ داد“

(مکتوبات یحییٰ منیری ص ۳۲)

” میں نے یہ مذہب صادق رب العلین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حاصل
کیا ہے۔ آپ کے پاس جو کچھ مال و زر تھا سب کا سب رسول کریم علیہ السلام کے حضور
پیش کر دیا اور اپنی جگر گوشہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شکرانہ میں بحضور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم دے دیا۔“

حضرت صدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منظر اتم تھے | جب امیر المؤمنین سیدنا صدیق
اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افضل

امت ہونے کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ آپ کا سینہ حضور علیہ السلام کے علم و فضل کا
خزینہ تھا اور آپ حضور کے علم و عرفان کے منظر اتم تھے۔ اللہ عز و جل نے حضور علیہ السلام
کے سینہ اقدس میں حقائق و معارف کی جو مشعلیں روشن فرمائی تھیں۔ حضور علیہ السلام نے
اسے سینہ صدیق میں ودیعت فرما دیا تھا۔ غالباً حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ العزیز
نے اس مضمون کی حدیث کو یوں نظم فرمایا ہے ۵

ہر چہ حق ، از بارگاہ کبریا

آں ہمہ در سینہ صدیق ریخت

ریخت در صدر شریف مصطفیٰ

لا جرم لا بد از تحقیق ریخت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سینہ کا نبوی علم و عرفان کا جلوہ گاہ ہونا آپ

کے افضل امت ہونے کی واضح دلیل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

لَمْ يُفْضَلْكُمْ أَبُو بَكْرٍ بِكَثْرَةِ

صَلَاتِهِ وَلَا بِكَثْرَةِ صِيَامِهِ

وَأِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ وَقَرَفِي قَلْبِهِ

(رجال المؤمنین ص ۸۹)

حق یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان ہی نرالی ہے اور ان کے فضل و شرف

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

کا اعتراف کیے بغیر چارہ ہی نہیں ہے ۷

ہے زمانہ معترف صدیق تری شان کا

صدق کا ایقان کا اسلام کا ایمان کا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور کی
حیات میں ستر وقت کی نمازیں پڑھائیں

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے مرضِ وفات میں جہاد
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت

نماز کے لیے مقرر فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے متعدد بار عرض کی کہ ابوبکر
رقیب القلب ہیں۔ حضور علیہ السلام کو مصیبتی پر نہ پا کر ضبط نہ کر سکیں گے۔ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم دیا جائے۔ حضور علیہ السلام نے ہر بار حضرت عائشہ رضی اللہ
عنہا کی معذرت کو مسترد فرمادیا اور حکم دیا کہ :-

مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ
ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو۔ وہ لوگوں کو
(بخاری ص ۹۷ ج ۱) نماز پڑھائیں۔

چنانچہ کے وصال تک تمام نمازیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے پڑھائیں۔ امام
بخاری علیہ الرحمہ نے جس عنوان کے ماتحت مذکورہ بالا مضمون کی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ اس کے
الفاظ یہ ہیں :-

بَابُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ
بِإِمَامَةٍ
جو علم و فضل میں سب سے برتر ہو وہی
امامت کا حقدار ہے۔

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں
تمام صحابہ کرام میں صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی علم و فضل اور تقویٰ و طہارت میں سب
سے زیادہ افضل و برتر تھے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ
کو امامت کے لیے منتخب فرمایا۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا :-

لَا يَنْبَغِي لِقَوْمٍ فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ
أَنْ يَتَوَقَّعُوا غَيْرَهُ (ترمذی)
کسی قوم کو یہ لائق نہیں ہے کہ ان میں
ابوبکر ہوں اور امامت کوئی دوسرا کرے

تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حیات نبوی میں تین دن نماز پڑھائی۔ مقتدیوں میں جلیل القدر صحابہ کے علاوہ امیر المومنین فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ سب نے بلا چون و چرا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز ادا کی۔

احتجاج طبری میں یہ تصریح ہے کہ علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدار میں نماز ادا کی ہے :-

شَمَّ قَامَ وَتَهَيَّأَ لِلصَّلَاةِ
وَحَضَرَ الْمَسْجِدَ وَصَلَّى خَلْفَ
أَبِي بَكْرٍ (احتجاج طبری ص ۵۴)
حضرت علی کھڑے ہوئے، نماز کی تیاری کی، مسجد میں آئے اور حضرت ابوبکر کی اقتدار میں نماز ادا کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخری روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار میں صفت باندھے کھڑے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ہمیں ملاحظہ فرمانے لگے :-

كَانَ وَجْهُهُ وَرَقَةً مُصْحَفٍ
شَمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَهَمَمْنَا
أَنْ نَفْتِنَ مِنَ الْفَرَجِ بِرُؤْيَا
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
(بخاری ج ۱ ص ۹۱)
گویا حضور علیہ السلام کا چہرہ انور مصحف کا ورق ہے۔ پھر حضور مسکرائے۔ حضور کے دیدار سے ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ نماز چھوڑنے ہی کو تھے۔

فَلَمَّا وَضَعَ وَجْهُ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَظَرْنَا
مَنْظَرًا مَكَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا
مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ (بخاری ج ۱ ص ۹۲)
جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ مبارک ظاہر ہوا تو کوئی منظر ہمیں حضور کے چہرہ اقدس سے زیادہ حسین نظر نہیں آیا۔

حضرت ابوبکر اٹھے پاؤں پیچھے ہٹے، انہوں نے خیال کیا کہ حضور اکرم نماز پڑھانے

کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ لیکن حضور علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا۔
اپنی نماز پوری کرو اور پردہ گرا دیا اور اسی دن حضور علیہ السلام کا وصال ہوا۔
حضور علیہ السلام کا اپنی حیات مقدس میں خصوصی طور پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
عنه کو اپنا جانشین بنا کر اپنے مصطفیٰ پر نماز پڑھانے کا حکم فرمانا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
عنه کا وہ اعزاز ہے۔ جس میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہے۔ پھر حضور اکرم کا پردہ اٹھا
کر صدیق اکبر کی اقتدار میں صحابہ کرام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر تبسم فرمانا اس امر کی
واضح دلیل ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت صدیق اکبر کی امامت و خلافت پر راضی تھے
حضور اکرم نے اپنے عمل سے امت پر یہ واضح فرمادیا کہ جب میں حضرت صدیق اکبر
رضی اللہ عنه کی امامت پر راضی ہوں تو تمہیں بھی بلا چون و چرا ان کی امامت پر راضی
رہنا چاہیے۔

صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی عقیدت و محبت تھی کہ بحالت نماز
جب انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے زیباکي جھلک دکھائی دی تو آپ کے
دیدار پر انوار کی وجہ سے خوشی و مسرت ہو گئے۔ یہ حال ہوا کہ نماز چھوڑنے ہی کو تھے۔
امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنه کے فضل و
شرف کی انتہا یہ ہے کہ آپ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ خصوصی اور امتیازی شرف صحبت و مصاحبت حاصل ہے۔ آپ حضور کے
رفیق قبر و حشر بھی ہیں اور رفیق غار بھی۔

۱۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مسجد میں اس شان
سے داخل ہوئے کہ آپ کے سیدھی طرف ابو بکر اور بائیں طرف عمر تھے اور حضور صلی اللہ
علیہ وسلم دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا:-
هَٰذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قِيَامَتِ كَے دن بھی ہم اسی طرح اٹھا
جائیں گے۔ (ترمذی)

۲۔ حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنه کو مخاطب کر کے فرمایا:-

أَنْتَ صَاحِبِي فِي الْعَالَمِ وَصَاحِبِي عَلَى الْحَوْضِ (ترمذی) تم غار میں بھی میرے ساتھی تھے اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہو گے۔

فضائل مناقب صدیقی کے روشن لال برہین

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے :-

أَلَا تَنْصُرُوهُ فَمَتَى نَصْرُهُ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا مَثَانِي أَشْنَيْنِ إِذْ هُمْ فِي الْعَالَمِ إِذِ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُشُودٍ لِّمَن تَرَاهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا (التوبة)

اگر تم (رسول) کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا (ہجرت کرنی پڑی) صرف دوجان سے جب وہ دوڑ غار میں تھے۔ جب اپنے پیارے کہتے تھے غم نہ کھا، بیشک اللہ ہمارے ساتھ تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فرجوں سے اس کی مدد فرمائی جو تم نے نہ دیکھیں اور

کافروں کی بات نیچے ڈال، اللہ ہی کا بول بالا ہے۔

سورہ توبہ کی یہ آیات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متعدد ایسی فضیلتوں اور عظمتوں کی آئینہ دار ہیں۔ جن میں کسی ابہام و تشکیک کی گنجائش نہیں ہے اور یہ فضیلتیں اس نوع کی ہیں جو صرف اور صرف آپ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ دیگر صحابہ بھی ان فضائل خصوصی میں آپ کے سہم و شریک نہیں ہیں۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مَثَانِي أَشْنَيْنِ اور لِصَاحِبِهِ (صاحبِ نبی) ہونے کے معزز و مکرم اعزاز سے نوازا ہے ظاہر ہے۔ اس منصب رفیع کی حامل وہی شخصیت ہو سکتی ہے جو حضور نبی کریم کے مخلص جاں نثار ہونے کے ساتھ ساتھ کامل الایمان بھی ہو۔

رسول کی نیابت و خلافت بلا فصل کا سب سے زیادہ حقدار بھی ہو اور نیابت رسول کی ذمہ داریوں کو سب سے زیادہ ادا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہوں اور رسول کے علم و حکمت کا جامع بھی ہو۔ — لصاحبه سے یہ واضح ہوا کہ حضرت صدیق اکبر کا صاحب رسول ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت صدیق کے صاحب رسول ہونے سے انکار کرنا قرآن سے انکار ہے۔

اسی لیے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجلس صحابہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ :-

مَا سَبَقَكُمْ أَبُو بَكْرٍ بِصَوْمٍ
وَلَا صَلَوةٍ وَلَكِنْ لِشَيْءٍ
وُقِرَ فِي قَلْبِهِ
(مجلس المؤمنین مجلس سوم)

ابو بکر نے تم سے زیادہ نماز و روزہ ادا کرنے میں فوقیت حاصل نہیں کی بلکہ ان کی فوقیت کی وہ شے ہے جو ان کے دل میں ڈال گئی ہے۔

اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت صدیق کے صاحب رسول ہونے کے اعزاز کے متعلق ان الفاظ سے وضاحت فرمائی ہے کہ اے صدیق تمہیں اللہ تعالیٰ نے بمنزلہ میرے سمع و بصر کے کیا ہے اور میرے ساتھ تم کو وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہوتی ہے۔ (تفسیر امام حسن عسکری ص ۲۳)

اب غور کیجئے کہ جس ہستی کو حضور کی ذات اقدس سے ایسی بے مثل و بے مثال نسبت حاصل ہو اور جو بمنزلہ حضور کے سمع و بصر کے ہو۔ وہ انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل برتر نہ ہوگا تو اور کون ہوگا؟

(۲) لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنا کے الفاظ سے واضح ہے کہ غارتواری میں جو معیت ایزدی اللہ تعالیٰ کا قرب خاص، اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال تھا۔ حضور کے صدقہ اور آپ کے وسیلہ سے سیدنا صدیق اکبر کو بھی یہی معیت ایزدی حاصل تھی۔ اسی لیے معی کی جگہ معنا فرمایا گیا اور قرآن

نے تصریح کی ہے کہ معیتِ ایزدی اللہ تعالیٰ کے محسن اور مشقی بندوں کو نصیب ہوتی ہے
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ اور قرآن نے اس
امر کی بھی نشاندہی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں فرماتا۔ إِنَّ اللَّهَ
لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر مشقی بھی ہیں اور محسن
بھی۔ معیتِ رسول بھی انہیں حاصل ہوئی اور معیتِ ایزدی بھی اور یہ سب فضیلتیں اور
عظمتیں انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی خدمت گزاری، وفادار سا بھی ہونے
کے صلہ میں ملیں کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں فرماتا۔

(۳) فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غارِ ثور میں
حضور کی معیت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر پر سکینہ (حق و صداقت پر
قائم رہنے کی خصوصی اور خاص رحمت) نازل فرمائی اور سکینہ انہیں پر نازل ہوتا ہے جو
کامل الایمان مخلص مومن اور تقویٰ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوں۔

۴۔ علامہ عبد الجلیل قزوینی نے تصریح کی ہے کہ جب کفار مکہ نے حضور علیہ السلام
کے قتل کا منصوبہ بنایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الہی حضرت صدیق اکبر کو
اپنے ساتھ لیا۔

وہم وجہ رفتن محمد و بردن ابوبکر بفرمان ہر حال میں حضور کا ہجرت فرمانا اور حضرت
خدا نہ بود (مجلس پنجم ص ۳۱) ابوبکر کو ساتھ لینا حکم خدا کے بغیر نہ تھا۔
حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ حضرت جبریل امین بحضور
نبوی حاضر ہوئے۔ عرض کی اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابوجہل اور
جماعتِ قریش نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے۔

وَأَمْرُكَ أَنْ تَسْتَصْحِبَ اور حکم دیا ہے کہ ابوبکر کو اپنا رفیق
آبَابُکُور (تفسیر حسن عسکری) سفر بناؤ۔

ایسے خطرناک اور نازک موقع پر اللہ تعالیٰ کا حضرت صدیق اکبر کو رفیق سفر بنانے
کا حکم دینا حضرت صدیق اکبر کے مخلص وفادار، جاں نثار رسول ہونے کی واضح دلیل ہے۔

۲۱۴

۵۔ علامہ مومن کرمانی حملہ حیدری میں لکھتے ہیں۔ شبِ ہجرت حضور صدیق اکبر کے گھر پہنچے وہ پہلے ہی ہجرت کے لیے تیار تھے۔ حضور نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا۔ غارِ ثور کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی کچھ سفر طے ہوا تھا کہ حضور کے قدم مبارک زخمی ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر نے چوں رفتند چندیں بدامان دشت قدمِ فلک سائے مجروح گشت ابوبکر آنکہ بدوشش گرفت و لے ذیل حدیث است جائے شگفت کہ در کس قوت آمد پدید کہ بارِ نبوت تواند کشید

(حملہ حیدری ج ۱ ص ۱۷)

(ابھی کچھ سفر طے ہوا تھا کہ حضور کے قدم مبارک زخمی ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کو کندھوں پر اٹھالیا۔ سخت تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص (ابوبکر) کے اندر ایسی قوت و طاقت کیسے پیدا ہو گئی کہ بارِ نبوت کا متحمل ہو گیا)

۶۔ علامہ کرمانی مزید لکھتے ہیں کہ جب غارِ ثور نظر آئی تو اس غار میں پہلا قدم حضرت ابوبکر نے رکھا اور اپنی قبا چاک کر کے غار کے سوراخوں کو بند کیا۔ کرتے کا کپڑا ختم ہو گیا ایک سوراخ باقی رہ گیا تو حضرت ابوبکر نے اس سوراخ کو اپنے پاؤں کی اٹھ کر بند کیا۔

درآمد رسول خدا ہم بشار

نشستند یکجا ہم ہر دو یار

(حملہ حیدری ص ۱۷)

(پھر حضور غار میں داخل ہوئے اور دونوں یار یکجا جلوہ فرما ہوئے) ۷۔ حملہ حیدری کے فضل شیعہ مصنف نے واقعہ ہجرت سے متعلق اپنے اشعار میں جن واقعات کو بیان کیا ہے ان سے مندرجہ ذیل حقائق نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔

۸۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے اپنے محرم راز حضرت صدیق اکبر کو سفرِ ہجرت کے راز سے پہلے آگاہ کر دیا تھا۔ اور حضرت صدیق اکبر اس ساعتِ ہمایوں کے منتظر تھے کہ کب آسمانِ نبوت نیرِ اعظم ان کے عزیز خانہ کو اپنے قدمِ مینست لزوم سے مشرف فرماتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر کو یہ خصوصی اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے حضور کو اپنے کندھوں پر اٹھا

لیا۔ علامہ کرمانی آپ کی اس فضیلت و عظمت پر حیران و پریشان ہیں کہ حضرت صدیق بارِ نبوت کے کیسے متحمل ہو گئے۔

۹۔ غار میں پہلے حضرت ابوبکر داخل ہوئے اسے صاف کیا۔ سوراخوں کو بند کیا۔ ایک سوراخ رہ گیا۔ اس پر اپنی انگلی رکھ دی کہ کوئی موزی چیز حضور کو تکلیف نہ پہنچائے۔
۱۰۔ آخر سانپ نے حضرت صدیق اکبر کو ڈس لیا اور حضرت صدیق اکبر نے جان کی پروا نہ کی۔

۱۱۔ تین رات دن حضرت صدیق اکبر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے اور آفتابِ نبوت کے انوار و برکات کا نظارہ کرتے رہے۔ ہر سہ روز کھانا حضرت صدیق اکبر کے گھر سے آتا تھا۔ جسے حضور تناول فرماتے تھے۔ یہ خدمت حضرت ابوبکر کے فرزند بکمال خلوص و محبت سرانجام دیتے تھے اور کفار مکہ کے حالات کی اطلاع بھی دیتے تھے۔
۱۲۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کے فرزند سے فرمایا:-

نبی گفت پس پسر بوبکر را کہ لے چوں پدر اہل صدق و صفا
دو جہل باید کنوں را ہوار کہ مارا رسا ند بہ یثرب دیار

(اے وہ جو اپنے باپ کی طرح صاحبِ صدق و صفا ہے۔ دو تیز رفتار اونٹ

درکار ہیں جو مدینہ طیبہ تک ہمیں پہنچا دیں)

چنانچہ بحضور نبوی دو اونٹ حاضر کیے گئے اور چوتھے روز حضور غار سے باہر تشریف

لائے۔

نشت ازیر شتر آں شاہ دیں ابوبکر را کرد با خود قرین

(ایک اونٹ پر شاہِ دین سوار ہوئے۔ آپ نے اپنے پیچھے حضرت صدیق

اکبر کو بٹھایا)

اور دوسرے اونٹ پر چرواہا عامر سوار ہو گیا اور حضور عازمِ مدینہ طیبہ ہوئے۔ واقعہ

ہجرت کے ان واقعات و حقائق پر (جنہیں شیعی فاضل نے بیان کیا ہے) غور کیجئے کہ حضرت

امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفتر فضائل کی عظمت و رفعت کی

کیا کیفیت ہے

ثانی اشین اذہما فی الغار اوست

خواجہ اول کہ اول یار اوست

تفسیر امام حسن عسکری کی تصریحات | تفسیر حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں زیر آیت سورہ بقرہ لکھا ہے: جبریل

علیہ السلام نے بحضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرض کی، اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ ابو جہل اور قریش نے آپ کے قتل کی تدبیر مصمم کی ہے تو آپ علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنے بستر پر چھوڑیے کہ وہ مثل اسماعیل آپ کے جان نثار ثابت ہوں گے۔

اور ابو بکر کو اپنا رفیق بنائیے اگر وہ موافقت کریں اور اپنے عہد پر قائم رہیں تو جنت میں بلکہ اعلیٰ علیین میں آپ کے رفیق ہوں گے۔ حضور نے علی سے اس سلسلہ میں بات کی تو راضی ہو گئے۔ پھر ابو بکر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے ابو بکر! کیا تم اس امر پر راضی ہو کہ اس سفر پر میرے ہمراہ رہو اور کفار قریش جیسے مجھے قتل کے لیے تلاش کریں۔ اس طرح تمہارے قتل کے بھی درپے ہوں اور یہ بھی مشہور ہو کہ ہجرت پر تم نے مجھے آمادہ کیا اور میری کی رفاقت کی وجہ سے تم پر طرح طرح کے عذاب پہنچیں۔ حضرت ابو بکر نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر آپ کی محبت میں قیامت تک سخت ترین بلاؤں میں

وامرک ان تستصحب ابابکر فانہ ان انسک وساعدک وازرک وثبت علی تعاهدک و تعافدک کان فی الجنة من رفقاءک وفی عرفاتہا من خلصائک الی ان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا بی بکر ارضیت ان تکون معی یا ابابکر تطلب کما اطلب وتعرف بانک انت الذی حملتني علی ما ادعیہ فتحمل علی انواع العذاب قال ابوبکر یا رسول اللہ اما انا لو عشت عمر الدنیا وعذبت جمیعاً اشد عذاب لا ینزل علی موت مریح ولا فرج و

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

کان ذالک فی محبتک لکان ذالک
احب الّا ان اتسم فیہا وانا
مالک لجميع ممالیک مملوکہا
فی مخالفتک وھل انا وھالی و
ولدی الا فداک

گرفتار رہوں، یہ میرے لیے اس سے
بہتر ہے کہ آپ کو چھوڑ کر دنیا کی حکومت
قبول کروں، حضور! میری جان و مال،
اہل و عیال آپ پر قربان۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی معروضات کے جواب میں حضور علیہ السلام نے
انہیں مخاطب بنا کر فرمایا:۔

”اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے تم کو بمنزلہ میرے سمع و بصر کے کیا ہے اور تم کو میرے
ساتھ وہی نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے“ (تفسیر امام حسن عسکری)
دیکھئے! حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ تصدیق فرما رہے ہیں کہ حضور نے حضرت
صدیق اکبر کو بحکم خدا اپنے ساتھ لیا جس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام صحابہ
کرام میں صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی اس نازک اور انتہائی خطرناک موقع پر سب
سے زیادہ قابل اعتماد جاں نثار رسول تھے۔ حضور نے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کو بمنزلہ سمع و بصر قرار دے کر ان کے جذبہ عقیدت و محبت کی اور مخلص یا رہونے کی ڈگری
دے دی، الغرض اس آیت سے حضرت صدیق اکبر کا رفیق نبوت، رفیق غار، مخلص جان نثار
ثانی انبیین کے معزز و محترم درجہ پر فائز ہونا، صحابی رسول ہونا، ایسا کہ جو آپ صحابی رسول ہونے
انکار کرے ان کا منکر قرآن ہونا، اللہ تعالیٰ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اپنا سکیبہ
نازل کرنا، حضور کا صدیق اکبر کو مخاطب بنا کر فرمانا غم نہ کھا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے،
قرآن مجید کی وہ تصریحات ہیں جو گروہ صحابہ میں صرف اور صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
ہی کے ساتھ خاص ہیں اور جن سے حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مخلص
مسلمان ہونا، خلیفہ بلا فصل ہونا اور افضل امت ہونا آفتاب نیمروز سے زیادہ واضح ہے۔
خاص اس سابق سیرتِ خدا اوجہ کا بلیت پہ لاکھوں سلام

سایہ مصطفیٰ مایہ اصطفیٰ عز و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام

یعنی اس فضلِ نخلق بعد الرسل ثانیِ اثنینِ ہجرت پہ لاکھوں سلام

اصدق الصادقین سید المتقین

چشمِ دگوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

رفیقِ قبر | حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حضور کے پہلو میں دفن ہونا بعدِ وفات بھی حضور کی دائمی حضوری کا شرف پانا آپ کے ذوقِ محبت و عقیدت کی قبولیت اور آپ کے مخلص مسلمان ہونے کی کھلی ہوئی بُرہان ہے۔

علامہ جاتی قدس سرہ العزیز شواہد النبوت میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بوقتِ وفات وصیت فرمائی تھی کہ مرنے کے بعد میرا جنازہ تیار کر کے روضہ اقدس کے سامنے رکھ دینا اور حضور سے حضور کے پہلو میں دفن کیے جانے کی اجازت چاہنا۔ تو اگر روضہ اقدس سے اجازت مرحمت ہو جائے تو مجھے میرے رسول کے پہلو میں دفن کر دینا۔ بصورتِ دیگر مقابرِ مسلمین میں لے جانا، جب حضور سے اجازت طلب کی گئی تو روضہ اقدس سے آواز آئی :-

ادخلوا الحبيب الى الحبيب
جیب کو اس کے جیب کے پاس رکھ دو
چنانچہ حضور کی صریح اجازت حاصل ہونے کے بعد پہلوئے نبوت میں آپ کو دفن کیا گیا۔

تسے ذوقِ محبت کو شرفِ اٹھانے پر بخشا کہ حاصل ہے حضوریِ اُمّی تجھ کو پیہر کی

حضرت صدیق اکبر کی خصوصی فضیلت | حضرت امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر کی یہ خصوصیت بھی منفرد حیثیت

رکھتی ہے اور اس فضیلت میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس مقدس مٹی سے حضور سرورِ عالم نورِ مجتہم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ منور کو بنایا۔ اسی کے قریب کی طیب و طاہر نورانی مٹی سے حضرت ابوبکر صدیق کے جسمِ اقدس کی ترکیب عمل میں آئی اور

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات کتاب و سنت سے ثابت ہے اور مسلمانوں کے تمام طبقوں
اس پر متفق ہیں کہ آدمی جس جگہ کی مٹی سے پیدا کیا جاتا ہے اسی جگہ مرنے کے بعد دفن
ہوتا ہے۔ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اصولِ کافی میں یہی منقول ہے۔
(ترجمہ منقول ص ۶۲۷)

وہ گنبدِ نورانی جسے گنبدِ خضریٰ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جہاں آج سید المرسلین
خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التیمۃ و النبیۃ و المرسلین جلوه فرما ہیں وہیں حضور کے پہلو میں حضرت
صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دفن ہیں۔ وصال کے بعد بھی حضرت صدیق اکبر
کا پہلوئے رسول میں جگہ پانا آپ کے مخلص عاشق رسول ہونے کی دلیل بھی ہے اور آپ کے
عظیم و جلیل مرتبہ و مقام کی برہان بھی ہے۔

پہلوئے مصطفیٰ میں بنا آپ کا مزار۔ پسینی وہیں پر خاک جہاں کا خیر تھا
ائمہ اہلبیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے منقول ہے کہ جو شخص حضرت امام حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے حرم میں دفن ہو جائے۔ یعنی آپ کے مزارِ اقدس کے قُرب میں اسے جگہ
مل جائے وہ مغفور ہے تو جب حرمِ حسینی میں دفن ہونے والے کا یہ اعزاز ہے تو وہ ہستی
جو حرمِ رسول میں دفن ہے اس کا کیا اعزاز و اکرام ہوگا۔

محبوبِ ربِّ عرش جسے اس بنزقہ میں پہلو میں جلوه گاہِ عتیق و عمر کی ہے
سعدین کا قرآن ہے پہلوئے ماد میں جھڑپ کیے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے
تین چاند | حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب دیکھا
تھا کہ ان کے حجرہ میں آسمان سے تین چاند اترے ہیں۔ اس کی تعبیر یہ
ہی قرار پائی کہ وہ تین چاند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ
تعالیٰ عنہم ہیں جو حجرہ صدیقہ میں جلوه فرما ہیں اور یہ حضرت صدیق اکبر کی مقدس اور طیب
طاہر صا جزادی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی عظیم و جلیل
فضیلت ہے کہ ان کا حجرہ مبارک حضور اور آپ کے دو مقدس نائبوں کی جلوه گاہ ہے۔

حضور کا ارشاد | حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ مَا بَيْنَ بَيْتِي
وَمِنْ بَيْتِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ۔

امیرے بیت (یعنی قبر مبارک) اور منبر مبارک کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور اسی باغ جنت میں حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ کے دونوں مقدس خلیفہ صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں۔ قرب رسول اور معیت رسول کا ایسا عظیم و جلیل اعزاز عالم امکان میں سوائے امام صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اور کسی کو بھی حاصل ہے؛

فضائل و مناقب و خصائص صدیقی ایک نظر میں | ۱۔ حضرت امیر المومنین
سیدنا صدیق اکبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداء ہی سے شرک و کفر کی آلائشوں سے دُور و نفور رہے ہیں آپ نے کبھی بُت کو سجدہ نہ کیا۔ چار برس کی عمر میں آپ کے والد ابو قحافہ آپ کو بُت خانہ لے گئے اور کہا۔ ”یہ ہیں تمہارے بلند و بالا خدا، انھیں سجدہ کرو۔ اس پر آپ نے بتوں کو مخاطب بنا کر فرمایا:-

”میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا دے۔ میں تنگا ہوں، مجھے کپڑا دے، میں پتھر مارتا ہوں، اگر خدا ہے تو پھر اپنے آپ کو بچا۔“

وہ بُت بھلا کیا جواب دیتے، آپ نے ایک پتھر اس کے مارا۔ جس کے لگتے ہی وہ گر پڑا اور قوتِ خدا داد کی تاب نہ لا سکا۔ باپ نے یہ حالت دیکھی۔ انہیں بہت غصہ آیا۔ انھوں نے تھپڑ رخسارِ مبارک پر مارا اور وہاں سے آپ کی ماں اُم الغیر کے پاس لائے۔ سارا واقعہ بیان کیا۔ ماں نے کہا! اے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ جب یہ پیدا ہوا تھا تو غیب سے آواز آئی تھی:-

يَا مَتَّى اللَّهُ بِالتَّحْقِيقِ الْبَشَرِ
بِالْوِلْدَانِ الْعَتِيقِ اسْمُهُ فِي السَّمَاءِ
صَدِيقٌ لِّمُحَمَّدٍ صَاحِبٌ وَ
رَفِيقٌ
اسے اللہ کی سچی لونڈی! تجھے مژدہ ہو،
اس آزاد بچے کا، آسمانوں میں اس کا
نام صدیق ہے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کا یار و رفیق ہے۔ میں نہیں جانتی

(قسطانی شرح بخاری) کہ وہ محمد کدن ہیں اور کیا معاملہ ہے۔
اس وقت سے صدیق اکبر کو کسی نے شرکی طرف نہ بلایا۔ یہ روایت صدیق اکبر
نے خود مجلس اقدس میں بیان کی۔ جب یہ بیان کر چکے، جبریل امین حاضر بارگاہ ہوتے
عرض کی :-

صَدَقَ أَبُو بَكْرٍ وَ
هُوَ الصِّدِّيقُ
ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ نے سچ کہا اور وہ
صدیق ہیں

۲۔ سیدنا امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہیں۔
قرآن پاک کی دسے نبیوں کے بعد صدیقوں کا درجہ ہے۔ پھر شہداء ہیں۔ پھر صالحین۔
جیسے حضور اکرم نبیوں اور رسولوں کے سر تاج ہیں۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر تمام
صدیقوں میں ممتاز ترین ہیں۔ تقویٰ، جرأت، معاملہ فہمی، عربی قیادت، ایثار، سچائی،
اولوالعزمی، دیانت، امانت، فیاضی، زہد و ورع، جو دوسخا، تواضع، علم قرآن و حدیث
اتباع سنت، علم تعبیر و انساب و فضیلت تمام اعلیٰ اوصاف کے جامع ہیں۔
۳۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق، مخلص اور جان نثار۔
اور ذات و صفات نبوی کے مظہر اتم ہیں۔ حضور علیہ السلام کے نائب مطلق، خلیفہ
بلا فصل، مزاج شناس رسول ہیں۔ اظہار نبوت سے قبل بھی آپ حضور کے احباب میں
سب سے مقدم تھے۔

۴۔ حضرت صدیق اکبر نے بعثت نبوی کے اول روز ہی سب سے پہلے بلا تردد
جھجک حضور کی نبوت کی تصدیق کی۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۸ سال تھی۔ خود حضور
نے فرمایا۔ میں نے جس کسی کے سامنے اسلام پیش کیا اس نے تامل ضرور کیا۔ مگر ابو بکر
نے بغیر کسی تامل کے دعوت اسلام پر لبیک کہا۔ (بخاری)

۵۔ مردوں میں سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر اسلام لائے اور حضور کے
ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھنے کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے۔ (استیعاب)
۶۔ آپ نے دوبار اپنی ساری دولت حضور علیہ السلام کے قدموں پر ڈال دی ہجرت

کے وقت اور جنگ کے موقع پر مکہ معظمہ میں متحدہ غلاموں اور باندیوں کو جو اسلام لانے کی وجہ سے کفار کے ظلم و ستم کا شکار تھے خرید کر آزاد کر دیا۔ ان میں حضرت سیدنا بلالؓ بھی ہیں۔
۷۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ کے لیے زمین کی قیمت بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے ادا کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ”ابوبکر کے مال نے مجھے جتنا نفع پہنچایا۔ کسی اور کے مال نے اتنا نہیں پہنچایا۔“

۸۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور فداکاران اسلام

کو یہودیوں کی مکاریوں اور منافقتیں کی ریشہ دوانیوں سے واسطہ پڑا اور قریش مکہ اور یہود مدینہ کی پے درپے کوششوں کے نتیجے میں سارا عرب حضورؐ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑا ہوا تو اس وقت حضرت ابوبکرؓ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضورؐ کے خاص الخاص مشیر کے فرائض انجام دیئے اور ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و مدافعت کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنائے۔
۹۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت و برکت میں صدیق اکبرؓ نے ایک عاشق صادق کا بے مثال اور ایمان افروز کردار ادا کیا۔ مکہ میں قریش کے نظام و ان کی ایذ و سانیوں کے مقابلے میں وہی سینہ سپر ہوتے تھے۔ ہجرت کے انتہائی نازک موقع پر غارتور سے مدینہ منورہ تک پوری جاں نثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا حق ادا کیا۔

۱۰۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عشق رسولؐ ہی نے حضور علیہ السلام کے عظیم منصب ”ختم نبوت“ کا محافظ بنایا۔ آپؓ نے ناسازگار حالات کے باوجود ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو ناموس رسالت سے کھیلنے کی اجازت نہ دی اور قیامت تک آستے والے عشاق رسولؐ کو حفاظت ختم نبوت کا سبق سکھایا۔ جن کذاب مدعیان نبوت کو آپؓ کے دور میں کچلا گیا۔ ان کے نام یہ ہیں۔ اسود غسی، طلحہ، مسیلمہ کذاب، شجاع حارثہ تمیمہ۔

۱۱۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ سب سے زیادہ شجاع حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ بدر کی لڑائی میں حضورؐ کی حفاظت کے لیے عیش (ایک محاذ چھپر) بنایا گیا تھا۔ خدا کی قسم ہم میں سے

کسی کو جرات نہیں ہوئی کہ اس عیش کو کھار سے محفوظ رکھنے کے لیے سپرین جائے۔ اس نازک اور خطرناک موقع پر صرف صدیق اکبر ہی تلوار کھینچ کر کھڑے ہوئے۔ جس کسی نے بھی حضور پر حملہ کیا۔ انہوں نے اس کی مدافعت فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء)

۱۲۔ حضرت صدیق اکبر کا یہ کارنامہ بھی نہایت ہی تڑپ سے ہے کہ جنگ یمامہ کے بعد حضرت عمرؓ کے مشورہ سے آپ نے زید بن ثابتؓ انصاری کو قرآن مجید کی تمام سورتوں کو جمع کرنے پر مامور کیا اور انہوں نے کمال و خوبی یہ خدمت انجام دی۔

۱۳۔ حضرت صدیق اکبر نے مملکت اسلامی کی بنیادیں استوار کیں۔ آپ ہی کی شورشوں سے ایسے لوگ مسلمان ہوئے جو بعد میں جلیل القدر صحابی اور اسلام کے سچے فدائی و شہدائی بنے۔ اسلام سے محبت، جان و مال کے ساتھ حضور کی خدمت آپ کی زندگی کا مقصد و جد تھا۔ انہوں نے اسلامی مملکت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ حضور کے وصال کے بعد فتنوں اور شورشوں نے ہجوم کیا۔ فتنہ ارتداد، قبائلی عصبیت، خاندانی نجابت کا استحباب، باغیوں کی جانب سے سرکشی کے نئے خطرات، مملکت کو قرآن و سنت کے اصول و ضوابط پر حرف بگڑا اور من و عن قائم رکھنا۔ غرضیکہ بہت سے نازک اور مشکل مرحلے اس باحوصلہ رفیق رسولؐ نے کمال حسن تدبیر، خداداد ذہانت، سیاسی فراست اور دینی استقامت سے طے کیے۔ جہاں تحمل اور سیاسی حکمت عملی درکار تھی وہاں اسے اختیار کیا اور جہاں قوت بازو اور بزدل شمشیر منافی، مرتد اور جھوٹے مدعی نبوت کی سرکوبی ضروری تھی، وہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی ناموس کے لیے مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اور شجاعت سے کام لے کر مشرکوں، منافقوں اور مرتدوں کا قلع قمع کیا اور قافلہ اسلام پھر اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ رواں دواں ہو گیا۔

۱۴۔ منہ آرائے خلافت ہوتے ہی ان کے سامنے صعوبتوں، مشکلوں اور خطرات کے پہاڑ آن پڑے۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت تھے کہ مسلح تصادم پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھی۔ منکرین زکوٰۃ نے علیہ شورش برپا کر رکھی تھی۔ لیکن جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روشن ضمیری، پاکیزہ

سیاست، بے مثال تدبیر اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو ٹکڑے کرنے کی تمام ناپاک کوششوں کو ناکام بنادیا بلکہ پھر اسی مشعل سے تمام عرب کو منور کر دیا۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد اسلام جس نے حیاتِ ٹو بکشی اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ حضرت ابوبکرؓ کی ہی ذاتِ گرامی ہے۔ اشدٰکی ہزاروں کتبیں اور رحمتیں ہوں اس پاک باز اور مقدس انسان پر جس نے اپنی ساری عمر رسول اللہؐ کی رفاقت، اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں صرف کر دی۔

۱۵۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفر و حضر عزرات و ہجرت حتیٰ کہ وصال کے بعد بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و مصاحبت حاصل ہے۔

۱۶۔ قرآن میں آپ کو صاحب النبی کے معزز لقب سے یاد کیا گیا۔

۱۷۔ جنگِ بدر میں آپ کو میمنہ کا سردار بنایا گیا۔

۱۸۔ غزوہ بدر میں حضور کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

۱۹۔ غزوہ تبوک میں آپ نے اپنا سارا مال حضور کے قدموں پر نثار کر دیا۔

۲۰۔ آپ عشرہ مبشرہ کے سرخیل اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال و

جلال کے منظر اقم ہیں۔

۲۱۔ حضور نے مرضِ وفات میں آپ کو اپنی جگہ امامت کے لیے مقرر فرمایا۔ آپ

نے حیاتِ نبوی میں سترہ وقت کی نمازیں پڑھائیں اور تمام صحابہ کرام بشمول حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آپ کی اقتدار میں نمازیں پڑھتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری

کو غروبِ آفتاب کے بعد ہوئی۔ وفات کے وقت ان کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ کم و بیش

ستائیس ماہ مسلمانوں کی زمامِ اقتدار ان کے ہاتھ میں رہی اور اس قلیل مدت میں انہوں

نے جو نظامِ حکومت قائم کیا اس پر حضرت عمرؓ نے ایک رفیع المنزلت عمارت

کھڑی کر دی۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت نبی کریم علیہ السلام کے خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ کے والد قریش کے قبیلہ بنی عدی کے سردار تھے۔ یہ قبیلہ ذہانت، بصیرت، بہادری اور خطابت میں سب سے ممتاز تھا۔ یہ تمام خصوصیات حضرت عمرؓ کو بھی ورثہ میں حاصل ہوئی تھیں۔ آپ جب جوان ہوتے تو پورے ملک میں آپ کی بے پناہ بہادری اور قوت کا زبردست چرچا تھا۔

اسلام قبول کرنے والے خوش نصیب مردوں کی اولین فہرست میں حضرت عمرؓ کا نام گرامی چالیسویں نمبر پر ہے اور مسلمان خواتین کی تعداد گیارہ ہے۔ یہ وہ صبر آزمائیت تھا جب آنحضرتؐ اور مسلمانوں پر کفار قریش نے ظلم و ستم کا ایک روح فرسا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور مسلمانوں میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ علی الاعلان نماز بھی ادا کر سکیں۔ ان سنگین حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! عمر بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن خطاب سے جو تجھ کو پیارا ہو اسلام کو عزت فرما۔ گویا حضرت عمرؓ وہ شخصیت ہیں جن کی اہمیت کو خود نبی کریم علیہ السلام نے محسوس فرمایا اور اپنی دعا کے یہ واضح کر دیا کہ عمرؓ کا اسلام لانا اسلام کی عظمت و شوکت کا باعث ہو گا اور بعد کے واقعات نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور کافروں کا زور ٹوٹ گیا۔ خانہ کعبہ میں علیؓ نے نماز ادا کی جانے لگی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد جو ایمان لانے میں پس و پیش کر رہی تھی، خوف و ہرجا جانے کے باعث مشرف بہ اسلام ہو گئی۔ روایت کے مطابق

جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام آسمان والے عمر کے مشرف بہ اسلام ہونے سے بچد مسرور ہیں۔ حضرت عمرؓ کی ذہانت، بصیرت اور معاملہ فہمی کا یہ عالم تھا کہ اذان کا طریقہ، شراب پر پابندی، ازدواجِ مطہرات کا پردہ اور بعض دیگر مسائل کے متعلق قرآن مجید کی جو آیات کریمہ نازل ہوئیں وہ سب حضرت عمرؓ فاروق کے مشوروں کی تائید میں تھیں۔ بنا بریں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔

حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا علم اگر ایک پڑے میں رکھا جائے اور دوسرے زمین کے تمام زندہ لوگوں کے علوم ایک پتہ میں تو یقیناً عمرؓ کا علم ان سب کے علوم سے زیادہ ہوگا۔ احادیث میں آپؐ کی بڑی جلیل قضیلتیں بیان ہوئی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ آسمان کا ہر فرشتہ حضرت عمرؓ کی توقیر کرتا ہے اور زمین کا ہر شیطان ان کے خوف سے لرزتا ہے (ابن عساکر)

نیز حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے عمرؓ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے عمرؓ کو محبوب رکھا۔ اس نے مجھے محبوب رکھا (طبرانی)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں اس سے بُری و بیزار ہوں جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر بدی کے ساتھ کرے۔

حضرت عمرؓ عمر کے اوصافِ جمیدہ کے پیشِ نظر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات سے چند روز قبل اکابر صحابہ کی رائے معلوم کر کے مسجد میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا اور حضرت عمرؓ فاروق کو اپنی جگہ خلافت کے منصب پر فائز کرنے کی تجویز پیش کی۔ سب نے بارِ رضا و رغبت اتفاق رائے سے تائید کی۔ چنانچہ خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ فاروق ۲۲ رجبِ الاولیٰ ۳ ہجری کو سندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپؓ کا دورِ خلافت دس برس چھ ماہ اٹھارہ دن ہے۔ حضرت فاروقؓ اعظم نے عامۃ الناس کی زندگی خوشحال بنانے کے لیے ایک ایسا عظیم الشان

اقتصادی نظام نافذ کیا جس کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اگر یہ نظام آج بھی من و عن اختیار کیا جائے تو بھوک، بیماری، غربت اور جہالت کے سیاہ بادل چشمِ زدن میں غائب ہو سکتے ہیں۔ آپ نے اقتصادی نظام کی عمارت سنت رسول علیہ السلام پر رکھی اور اعلان کیا کہ دجلہ سے نیل تک اگر ایک فرد بھی بھوکا، ننگا، مظلوم یا تکلیف میں رہا تو قیامت کے دن مجھے اس کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔

آپ کو انسانی فلاح و بہبود کی دن رات فکر و انگیر رہتی تھی۔ آپ راتوں کو گشت کر کے ان کے حالات اور تکالیف معلوم کرنے کی کوشش کرنے اور موقع پر ہی امداد و اعانت کرتے اور اپنی ذات کے لیے فرماتے ہیں:-

”میرے لیے دو کپڑے لینا حلال ہیں۔ ایک سردی اور دوسرا گرمی کے لیے، جب کہ حج و عمرہ کے لیے صرف ایک سواری درکار ہے۔ نیز میری اور میرے اہل خانہ کی خوراک وہی ہوگی جو قریش کے کسی متوسط الحال فرد کی ہوتی ہے۔“

حضرت عمر فاروقِ اعظم کا پورا دورِ خلافت اور بالخصوص ان کا سیاسی نظام مسلم ممالکوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ عہدِ فاروقی میں مکمل اسلامی نظام نافذ تھا۔ حکام کا فرض تھا کہ وہ گھر گھر فرد کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کا فریضہ اسلامی ادا کریں اور خود اپنے عامۃ الناس کے معیارِ زندگی کو اختیار کریں۔ دوسری جانب رعایا کا فرض تھا کہ وہ دین کی حدود میں رہتے ہوئے امیر کی اطاعت کریں۔

حضرت عمر کے اوصافِ جمیدہ کے پیشِ نظر حضرت ابو بکر صدیق نے اپنی وفات سے چند روز قبل اکابر صحابہ کی رائے معلوم کر کے مسجد میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا اور حضرت عمر فاروق کو اپنی جگہ خلافت کے منصب پر فائز کرنے کی تجویز پیش کی۔ سب نے بارضا و رغبت اتفاقِ رائے سے تائید کی۔ چنانچہ خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ کا دورِ خلافت دس برس چھ ماہ اتنا رہا۔

جب بیت المقدس پر پہلی مرتبہ مسلم ارکان فاتحانہ پرچسم لہرایا۔ آپ کی عظیم سلطنت کی سرحد ایک جانب افریقہ کے صحراؤں اور دوسری جانب عراق، شام، فلسطین، بیت المقدس مصر اور ایران وغیرہ کی قلیل مدت میں عظیم الشان فتوحات پر بنی نوع انسان کی پوری تاریخ حیران ہے۔ بلاشبہ میدان جنگ میں ان فتوحات کا سہرا حضرت خالد بن ولید، حضرت ابو عبیدہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے نامور جرنیلوں کے سر ہے۔ لیکن تاریخ کا کہنا ہے کہ خلیفہ دوم ہر محاذ کی تازہ صورت حال سے نہ صرف باخبر رہتے تھے بلکہ ہر مدد چہ کی چھوٹی سے لے کر بڑی تمام جنگی حکمت عملی آپ کی ہدایات کے مطابق تشکیل دی جاتی تھی۔ یہی سبب تھا کہ اس وقت کے بڑے بڑے حکمران اور ان کی افواج و عوام حضرت عمر کے نام ہی سے سراسیمہ اور خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے جتنے غزوات میں حصہ لیا۔ حضرت عمر نے ان میں شرکت کی۔ غزوہ بدر اور غزوہ حنین میں جب کفار و مشرکین آنحضرت کو نقصان پہنچانے کی سرٹوڈ کوشش کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی کے ہمراہ جانبازی اور دلیری سے مقابلہ کر کے دشمنوں کے عزائم کو ناکام بنا دیا۔ غزوہ تبوک کی تیاری کے فہم میں آپ نے اپنا نصف اثاثہ باگلو رسالت میں حاضر کر دیا۔

اسلامی تقویم سن ہجری حضرت فاروق اعظم ہی کے عہد خلافت میں شروع کی گئی تھی۔ آپ کے دور میں تقریباً چار ہزار مساجد تعمیر ہوئیں۔ نئے پل، سڑکیں، مسافر خانے، نہریں اور کنوئیں وغیرہ تعمیر کئے گئے۔ مدارس قائم کیے جہاں قرآن مجید، تفسیر، حدیث، فقہ اور زبان ادب کی تعلیم کا اعلیٰ انتظام تھا۔ نیز مسجد نبوی کی توسیع کا بھی آپ کو اعزاز حاصل ہے۔

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری بعد کے دن دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق اعظم نے نماز فجر کی امامت شروع کی تھی کہ کسی شخص نے خبر سے آپ پر لگتا وار کیا۔ زخم گہرے پڑے اور خون جاری تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون تھا جس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا۔

صحابہ نے جواب دیا کہ یہ ایرانی غلام ابو لوفیروز تھا۔ امیر المومنین نے فرمایا۔ ”الحمد للہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے۔“

بعد وفات باجائز حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے رہنما اقدس میں حضرت صدیق اکبر کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وفات ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ

پیکرِ صبر و رضا، مجسمہ شرم و حیا امیر المومنین، ام المجاہدین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آغازِ بخت میں اسلام لائے۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب غنی و ذوالنورین ہے۔ آپ کے مرتبہ و مقام کی عظمت و رفعت کے اظہار کے لیے دفترِ درکار ہے۔ تاہم آپ کے فضائل و مناقب کا اجمال نقشہ یہ ہے۔ آپ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے خلیفہ برحق، کاتبِ وحی، مہاجرِ اول، اور جامع القرآن ہیں۔ حضور کی دو مقدس اور طیب و طاہر صاحبِ زادیاں حضرت رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ اسی بنا پر آپ کو ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں عثمان وہ ہیں جنہیں ملائکہ میں ذوالنورین کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں ممتاز مقام پر فائز ہیں۔ آپ کا شمار ان نفوسِ قدسیہ میں ہوتا ہے۔ جنہیں اسی دنیا میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت سے نوازا۔ آپ عابدِ زاہد، سخی اور حضور کے بچے عاشق اور جاں نثار ساتھی تھے۔ آپ نے اسلام

کی سر بلندی دین اسلام کی اشاعت و حمایت کے لیے اثار و قربانی کا وہ معیار قائم کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

آپ مہاجرِ اقل بھی ہیں۔ اسلام کی راہ میں آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ پہلی حبشہ کی طرف اور دوسری مکہ سے مدینہ کی طرف آپ بدر کے سوا تمام غزوات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ آپ حضور کے تیسرے خلیفہ برحق ہیں۔ ۲۳ھ میں آپ کو

خلیفہ رسول منتخب کیا گیا۔ آپ نے تقریباً ۱۲ سال امورِ خلافت کو نہایت دیانتداری اور خدا ترسی کے ساتھ انجام دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اُحد کے پہاڑ پر جلوہ فرما ہوئے۔ آپ کے ہمراہ صدیق و فاروق و عثمان تھے۔ پہاڑ پہننے لگا۔ آپ نے اپنے پاؤں سے اسے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اُحد! ٹھہر جا۔ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا کہ میں اس شخص سے کیوں حیاء کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں (مسلم شریف)

اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے کچھ رفیق ہوتے ہیں اور میرے رفیق جنت میں عثمانؓ ہیں۔ (ترمذی)

امام ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ خصوصیت بڑی ہی اہم ہے کہ آپ نے حضور نبی کریم ﷺ رحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو مرتبہ جنت کو خریدا۔ ایک دفعہ اس وقت جب کہ انہوں نے بیرونہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ دوسری مرتبہ اس وقت جب کہ جنگِ تبوک کی تیاری ہو رہی تھی۔ دنیا کی سب سے بڑی کافر حکومت روم کا مقابلہ تھا اور مسلمان بے سروسامان تھے۔ حضرت امام ذوالنورین رضی اللہ

تعالے عنہ نے ایک تہائی لشکرِ اسلام کے جملہ اخراجات اپنے ذریعے۔ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار بحضورِ نبوی پیش کیے۔ اس پر حضور نے خوش ہو کر فرمایا۔ آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل انہیں نقصان نہیں پہنچائیگا۔

امام ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبہ و مقام کی عظمت کا اظہار اس عظیم الشان واقعہ سے بھی ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ فتح میں ذکر فرمایا اور جسے بیعتِ رضوان سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سورہ فتح کی اس آیت میں اس بیعت کا ذکر جس کے سایہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نفوسِ قدسیہ سے بیعت لی تھی۔ جنہیں صحابہ کرام کے معزز و ممتاز نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

امام عادل امیر المؤمنین خلیفہ رسول سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عباد و ریاضت میں بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ عشا کی نماز کے بعد وتر میں پورا قرآن ختم فرمالیتے تھے۔ آپ کی راتیں عبادت و ریاضت میں اور دن مخلوقِ خدا کی خدمت اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں گزرتے تھے۔ آپ کی شہادت بلاشبہ اسلام کی تاریخ کا ایک ایسا عظیم سانحہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور نے فرمایا۔ ہم تمہارے ساتھ روزہ افطار کرنے کے منتظر ہیں۔ صبح کو حضرت عثمان نے فرمایا۔ میری شہادت کا وقت قریب آگیا ہے۔

دینِ اسلام کی سر بلندی کے لیے آپ کی سرگرمیاں دشمنانِ اسلام کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب و خلیفہ کی زندگی کا چراغ گل کیے بغیر مسلمانوں کی صفوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنا اور اسلام و مسلمانوں کی سرگرمیوں کو روکنا ناممکن ہے۔ اس مقصدِ مذموم کے حصول کے لیے پہلے مسجدِ نبوی میں آپ پر حملہ کیا گیا۔ لیکن حملہ ناکام رہا۔ پھر باغیوں نے قصرِ خلافت کو گھیر لیا حتیٰ کہ خوراک پانی وغیرہ کی فراہمی بھی روک دی۔ گھر کا محاصرہ کر لیا۔ باہر سے حضرت عثمان کا کوئی رابطہ نہ رہا۔ بعض روایات میں اس محاصرے کی میعاد سات روز اور بعض

میں چالیس روز بٹائی گئی ہے۔ امام ذوالنورین چاہتے تو اپنے دفاع کے لیے لشکر اسلام کو کام میں لاسکتے تھے۔ اتنی بڑی اسلامی مملکت اور اتنی بڑی مسلح فوج، مگر آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ لوگوں کا خون بہایا جائے۔

بالآخر ۱ ذی الحجہ ۳۹ ہجری جمعہ کا وہ دن آگیا۔ جب باغی یورش کر کے گھر میں داخل ہو گئے۔ آپ روزہ سے تھے۔ عین تلاوتِ کلامِ پاک کے دوران بیدردی سے خلیفہ وقت کو شہید کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کی زوجہ حضرت عائشہؓ نے باغیوں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ خود زخمی ہو گئیں۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً ۱۲ سال امورِ خلافت انجام دیئے۔ ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ بمصر ۸۲ سال جاں شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حرفِ آخر ضرورت ہے کہ مسلمانانِ عالم عموماً اور مسلمانانِ پاکستان خصوصاً خلیفہ رسول حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت و کردار کو اپنائیں اور خلیفہ رسول کی طرح اپنی تمام فکری و عملی قوتوں کو احیاءِ اسلام، تعمیرِ سیرت اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے وقف کر دیں۔ پاکستان اللہ تعالیٰ کی عظیم و جلیل نعمت ہے۔ اس کا استحکام عالمِ اسلام کی سلامتی کا ضامن ہے۔ ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے۔ اسے اسلامی خطوط پر بنانے سنوارنے اور اس کی نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کو محفوظ سے محفوظ تر بنانے اور اس خطہ پاک کو نظامِ مصطفیٰ علیہ السلام کا گہوارہ بنانے کے لیے خلوصِ قلب کے ساتھ ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو اہم تیرے ہیں
یہ جہاں سے چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

—XXX—

امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم دنیائے اسلام کی ایک عظیم و جلیل شخصیت ہیں۔ آپ مکہ معظمہ میں جمعہ کے دن کعبہ میں پیدا ہوئے۔ نام مبارک علی، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے اور لقب حیدرِ کرار ہے۔ آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ رحمت میں تعلیم و تربیت کا شرف حاصل کیا۔ آپ حضور کی ذات و صفات کے منظر اور نبوی علم و عرفان کا خزانہ ہیں۔ آپ ہدایت کی ایسی شمع ہیں۔ جس میں دھواں نہیں اور ولایت کا ایسا پھول ہیں جس میں خار نہیں، ورع و تقویٰ، ایثار و قربانی، سخاوت و شجاعت اور فصاحت و بلاغت کا پیکر ہیں۔ آپ کے خطبات عربی ادب کا شاہکار ہیں اور اثر پذیری میں آپ اپنی مثال ہیں۔

۱۔ سورۃ الدھر کی آیت اِنَّ الْاَسْبْرَانَ یَشْرَبُونَ مِنْ کَاۤسٍ کَانَ مِنْ اَجْثَہَا کَافُوْرًا آپ ہی کی ایثار و قربانی اور سخاوت کے اظہار و بیان کے لیے نازل ہوئی۔ سیدنا امام حسین علیہ السلام بیمار ہوئے تو حضرت علی نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دے دی تو وہ روزے رکھیں گے۔ نذر پوری ہوئی۔ حسین صحت یاب ہوئے۔ جناب علی نے روزہ رکھا۔ جب افطار کا وقت آیا تو ایک مسکین نے دروازہ پر سوال کیا۔ آپ نے سارا سامانِ خورد و نوش اس مسکین کو دے دیا اور خود پانی پر اکتفا کر کے دوسرے دن کا روزہ رکھا۔

حضرت ابوذر غفاری کا بیان ہے کہ جناب علی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا۔ مجھی سے کچھ نہ ملا تو آپ نے اپنی انگلی کی طرف اشارہ کر دیا۔

سائل نے انگوٹھی اتار لی اور خوش و خرم روانہ ہوا۔

۳۳۔ حضرت علی تمام غزوات میں شامل ہوئے، کلمہ حق کی اشاعت و حمایت میں آپ کے کارنامے تاریخ اسلام کا تابناک حصہ ہیں۔ آپ کی ساری زندگی اسلام کی سر بلندی اور دشمنان اسلام کی سرکوبی کے لیے وقف رہی حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کے دن فوج کا نشان آپ کو ہی عطا کیا اور فرمایا یہ جھنڈا ہم اسے دے رہے ہیں جس کے ماتھے فتح خیر کا سہرا بچے گا، چنانچہ خیر کا مضبوط و مستحکم قلعہ قمر ص آپ کی بے مثل شجاعت سے فتح ہوا۔

۳۴۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عشق و محبت رسول کا ایک ایسا معیار قائم کیا جو اس سے قبل چشم فلک نے نہ دیکھا۔ صہبا کے مقام پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر ادا فرما کر زانوئے شیرِ حق کو تکیہ بنا کر آرام فرما ہوئے۔ حضرت علی نے نماز عصر ادا نہ کی تھی۔ سورج غروب ہونے لگا۔ ذوق عبادت اور جذبہ عشقِ نبوت میں کشمکش شروع ہوئی۔ ایک طرف نماز تھی اور دوسری طرف حضور کی مقدس نیند۔ ذوقِ عبادت تقاضا کرتا تھا کہ علی اٹھو نماز عصر ادا کرو۔ سورج غروب ہو گیا، نماز عصر قضا ہو جائے گی اور جذبہ عشقِ نبوت بار بار کعبہ حقیقت اور قیلہ مقصود کی مقدس تیند کی یاد دلاتا تھا اس کشمکش میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ قلب علی نے فیصلہ کیا اور خوب کیا کہ سورج غروب ہو گیا تو اسے واپس لانے والا میرے پاس موجود ہے اور اگر محبوبِ خدا کی نیند میں خلل آگیا تو اس کی تلافی ناممکن ہے۔ نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں۔ نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں۔

علی مرتضیٰ نے حضور کی نیند پر نماز عصر نثار کر دی۔ اور اپنے عمل و کردار سے واضح کر دیا کہ ہر قسم کی محبتوں پر حضور نبی کریم علیہ السلام کی محبت کو غالب کر دینے کا نام ایمان ہے۔

حضور بیدار ہوئے تو جناب علی نے بارگاہ رسالت میں عرض کی سرکار سورج
غروب ہو گیا۔ میری نماز عصر قضا ہو گئی، یہ سن کر محبوب خدا علیہ التحیۃ والتناہی نے اپنے
گورے گورے مقدس ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیئے۔ بارگاہ الہی میں عرض کی۔ اے اللہ
تیرا بندہ علی تیرے نبی کی خدمت میں تھا۔ اس کے لیے سورج کو واپس فرما دے۔
زبان نبوت پر دعائیہ کلمات کا ظہور ہونا تھا کہ سورج پلٹ آیا اور علی مرتضیٰ نے وقت
میں نماز عصر ادا کی۔

مولا علی نے واری تیری نیند پر نماز اور وہ بھی عصر سب کے جو اعلیٰ خطر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروغ ہیں اصل الاصول بندگی اس تا جود کی ہے
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مومن علی سے محبت کرے گا اور منافق بغض رکھے گا۔ علی میرے ہیں اور میں علی
سے ہوں۔ جس کا میں مددگار ہوں، علی بھی اس کے مددگار ہیں۔ علی کی حیثیت میرے
ساتھ ایسی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔ الایہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں
میں علم کا مدینہ ہوں۔ علی اس کا دروازہ ہیں۔ علی کے چہرہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔

(ترمذی و احمد)

یہ ہیں شیر خدا، حیدر کرار، بحر علم و حکمت، مخزن جو دو سخا، جامع شریعت و
طریقیت، پیشوا اولیاء، رہبر کاطلا، خلیفہ راشد، امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی
طالب کرم اللہ وجہہ الکریم جو روئے زمین کے مسلمانوں کے آقا و مولا ہیں۔ ۱۸ رمضان المبارک
جامع کوفہ میں ایک شقی ازل نے اس شمع ہدایت کو ٹھل کرنے کے لیے زہر آلود خنجر سے
بحالت نماز آپ کو زخمی کر دیا اور ۲۱ رمضان المبارک کو علم و فضل کا یہ آفتاب غروب
ہو گیا۔ بظاہر یہ شمع ٹھل ہو گئی۔ مگر حقیقت میں آج بھی روشن و منور ہے اور رہتی دنیا
تک روشن رہے گی۔

شیر شمر زن شاد و خیر شکن پر تو دست قدرت پر لاکھوں سلام

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

ام المومنین سیدہ طیبہ طاهرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر لفظ ام المومنین کا اطلاق، قرآن مجید کے ارشاد وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ سے ماخوذ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری مقدس بی بی ہیں۔ آپ کا نام عائشہ اور کنیت ام عبد اللہ ہے۔ آپ کی کنیت ام عبد اللہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رکھی تھی۔ جب کہ آپ کے بھانجے عبد اللہ بن زبیر کو بغرض تنحیک بحضور نبوی پیش کیا گیا تو حضور نے فرمایا۔ یہ عبد اللہ ہے اور تم ام عبد اللہ (نسح الباری) والد کا نام امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور والدہ کا نام ام مروان زینب بنت عامر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۹ سال تک حضور علیہ السلام کے ساتھ زندگی بسر کی۔ جب حضور علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ کی عمر شریف ۸ سال تھی۔ حضور علیہ السلام کے بعد حضرت عائشہ ۸ سال زندہ رہیں اور ۳۳ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۶ سال تھی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت مروان بن حکم کی طرف سے حاکم مدینہ تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ازواج مطہرات میں حضرت ام المومنین سیدہ عقیقہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل و مناقب، آپ کا ورع و تقویٰ، علم فقہ اور اجتہادی بصیرت اتنی اعلیٰ ہے کہ جس کے بیان کے لیے دفتر درکار ہے۔ مختصر

یہ کہ آپ اُم المؤمنین ہیں۔ آپ سے حضور علیہ السلام کو بہت محبت تھی۔ اسی محبت کی وجہ سے آپ نے اپنے مرضِ وفات میں تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر اپنی مقدس زندگی کے آخری ایام یتیمہ عائشہ کے حجرہ نوری میں بسر فرمائے تھے۔ اس محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا۔ ان کے متعلق احادیث و سیر میں کثیر واقعات ہیں جو بوجہ اختصار چھوڑے جا رہے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود ہی تہذیبِ نعت کے طور پر فرماتی ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نوحبیاں ایسی عطا فرمیں جو کسی عورت کو نہ ملیں۔

(۱) عقد سے پیشتر میری تصویر حضرت جبریل امین نے بحضور نبوی پیش کی (یہ تصویر قدرتی تھی۔ کسی انسان کی بنائی ہوئی نہ تھی)۔ (۲) حضور علیہ السلام نے بجز میرے کسی اور کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ (۳) میں آپ کے خلیفہ اور آپ کے صدیق کی صاحبزادی ہوں (۴) مجھ کو پاکیزہ کے گھر پاکیزہ پیدا فرمایا (۵) بوقتِ وصال حضور علیہ السلام کا سرِ اقدس میری گود میں تھا (۶) حضور میرے گھر میں دفن ہوئے۔ (۷) حضور میرے لحاف میں ہوتے تو تو بھی وحی نازل ہو جاتی تھی۔ (۸) مجھ سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا۔ لَہُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ کَرِیمٌ (۹) میری برأت آسمان سے نازل ہوئی۔

بعض اہل تحقیق نے فرمایا کہ یتیمہ یوسف علیہ السلام پر تہمت رکھی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیرِ خوار بچے کی زبان سے آپ کی برأت ظاہر فرمائی۔ حضرت مریم کو مطہر کیا گیا تو ان کے صاحبِ زاوے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے برأتِ شیرِ خوار کی آپ کی برأت کا اظہار فرمایا گیا۔ لیکن جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو متہم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت کسی بچے یا کسی نبی کی زبان سے نہیں کرائی۔ بلکہ اپنے محبوب کی زوجہ محترمہ کی برأت خود فرمائی

اور سورۃ نور نازل فرما کر جناب عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی پر مہر تصدیق ثبت فرادی گئی۔

علمی زندگی

ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ علم و فضل کے لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہ آپ کے علم و فضل کے معترف تھے اور مسائل میں آپ سے استفسار کرتے تھے۔ آپ سے ۲۲۱۰ حدیثیں روئی ہیں جن میں سے ۱۷۴ حدیثوں پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا۔ بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثیں امام مسلم نے منفرد طور پر روایت کی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ سے منقول ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کو جب کوئی مشکل سوال پیش آتا تو اس کو حضرت عائشہ صدیقہ ہی حل کرتی تھیں۔ تفسیر حدیث، اسرارِ شریعت، خطابت، ادب اور انساب میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

مختصر یہ کہ ایک مسلمان کے لیے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت عائشہ، حضور علیہ السلام کی محبوب بی بی ہیں۔ اُم المؤمنین ہیں۔ صدیق اکبر کی صاحبزادی ہیں اور حضور علیہ السلام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد ہیں۔ یعنی صدیق وہ ہیں جن کے داماد مکرم رسول۔ نہ صرف رسول بلکہ رسولوں کے رسول اور اللہ کے محبوب اور خاتم النبیین ہیں، سبحان اللہ!

حضور اکرم کی ازواجِ اُم المؤمنین ہیں

بخاری و کتبِ حدیث میں ازواجِ مطہرات کے ساتھ

”اُم المؤمنین“ کا لفظ بھی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے اور حضور علیہ السلام کی ازواج کی فضیلت دراصل خود حضور علیہ السلام کی فضیلت کا ایک شعبہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے :-

لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ

اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو

النساء میں الف لام جنسی ہے۔ لفظ احد بھی موجود ہے۔ جیسے لہو
لیکن کفو احد میں ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ازواج رسول کا درجہ و مقام
ہر عورت سے بالاتر ہے۔ — البتہ یہ ظاہر ہے کہ ازواج رسول جملہ احکام
میں مسلمانوں کی مائیں نہیں ہیں ورنہ امتنیوں سے پردہ کیوں ہوتا؟ ماں چونکہ بے حد
معظم و محترم ہستی ہوتی ہے اور کسی طرح غلط خیالات و جذبات ان کے بارے
میں انسان کے اندر پیدا نہیں ہوتے۔ اس لیے بطور تعظیم و تکریم ازواج رسول کو
احماء المؤمنین فرمایا گیا۔

إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ (قرآن حکیم)

اے محبوب! ہم نے تمہاری ازواج کو تمہارے لیے حلال کر دیا

دوم، مومن وہ ہے جو ازواج النبی کو ام المؤمنین جانتا ہے۔ وہ ماں نہیں
جس سے جسم عنصری کا ظہور ہوا بلکہ وہ ماں جس کی فرزندگی کا شرف اس کو ملتا ہے
جس کو (ولار) محبت نبی اور ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

اس آیت سے یہ فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام کی بیویوں
کا ازواج النبی ہونا منظوری رب العالمین ہے اور ظاہر ہے کہ یہ منظوری فی الواقع
ان کے لیے فضیلت عظیمہ ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَزْوَاجَهُ
مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا

اے ایمان والو! تمہیں یہ حق نہیں ہے کہ تم رسول کو ایذا دو اور یہ بھی
جائز نہیں کہ رسول کے بعد ان کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کرو۔

اس آیت میں ان کی حرمتِ دوام کا اعلان ہے۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ پہلے اس آیت میں حضور علیہ السلام کو ایذا دینے سے روکا گیا۔ اس کے بعد حقوقِ ازدواج بیان کیے۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ ایذائے رسول کے جس قدر اقسام ہو سکتے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ سخت صورت وہ ہوگی جس میں حضور علیہ السلام کی ازدواج کی شان کے خلاف کوئی رویہ اختیار کیا گیا ہو اور یہ اس لیے کہ اس آیت میں ایذا رسول کے تحت میں خصوصیت سے اسی جزئی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ
مومنین سے نبی ان کی جانوں سے بڑھ کر نزدیک ہے اور نبی کی ازدواج مومنوں کی مائیں ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ازواجِ ہم و انفسہم کی ضمیر مومنین کی طرف ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ ازدواجِ انفسی کا لقب اہمات المومنین ہے نہ کہ امہات الامت۔ لفظ مومنین کے استعمال کا راز یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے۔

اول، مومن وہ ہے جو نبی علیہ السلام کو اپنی جانِ شیریں سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔



حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نماز پڑھنے والا نماز کے دروازہ سے، جہاد کرنے والا جہاد کے دروازہ سے جنت میں داخل ہوگا۔ اس پر صدیق اکبر نے عرض کی یا رسول اللہ جس کو جنت کے کسی دروازہ سے بلایا گیا۔ اس کو کسی دوسرے دروازہ سے بلانے کی ضرورت تو نہیں۔ مگر حضور کوئی ایسا شخص بھی ہے۔ (فہل یُذْعٰی مِنْ کُلِّہَا) جسے جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے؛ حضور نے فرمایا۔ فَأَرْجُوا ان یکون منہم ۱۰ ابابکرؓ (بخاری و مسلم)۔ مجھے امید ہے کہ اے ابوبکر تم کو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائیگا۔ (بخاری)

سراج اُمت امام عظمیٰ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں :-
إِنَّ آدَمَ أَفْتَحَرَنِي وَأَنَا أَفْتَحَرِ
بِرَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِيْ اِسْمُهُ نِعْمَانُ
وَكَسْنِيَةِ أَبُو حَنِيفَةَ هُوَ سِرَاجُ
أُمَّتِيْ مَنْ أَحَبَّهُ فَقَدْ أَحَبَّنِي
وَمَنْ أَبْغَضَهُ فَقَدْ أَبْغَضَنِي
آدم میری ذات پر فخر کریں گے اور قیامت
کے دن میں اپنی امت کے ایک شخص پر
فخر کروں گا جس کا نام نیمان اور کنیت ابو حنیفہ
ہے۔ جس نے نیمان سے محبت کی اس نے
مجھ سے محبت کی۔ جس نے اس سے عداوت
رکھی اس نے مجھ سے عداوت رکھی۔

اسم مبارک | آپ کا اسم مبارک نیمان بن ثابت، کنیت ابو حنیفہ اور لقب
اہم اعظم ہے۔ آپ کی ولادت شہرہ میں ہوئی۔ یہ وہ مبارک
دور ہے جس میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں تاب سے جو آنکھیں
منور ہو کر شرفِ صحابیت کے بلند مقام پر سرفراز ہوئیں ابھی اس جہاں آب و گل میں
موجود تھیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے جن مقدس اصحابِ رسولؐ
کی زیارت کی ان میں مدینۃ الرسولؐ کے حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ ۹۸ھ، بصرہ
میں حضرت انس بن مالکؓ ۷۷ھ، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن اوفیؓ ۸۷ھ جیسے کبار
صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔

علامہ محمد شمس کرام فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ نے سات صحابہ کرام
علیہ الرحمۃ والرضوان جناب انس، جناب عبدالرحمن بن یزید، سہل بن سعد عبداللہ
بن عامر، ابن ابی اوفی، مقداد بن عباس سے آپ نے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور

حدیثیں بیان فرمائیں۔ حافظ ابو عمرو بن عبد اللہ علیہ الرحمۃ جیسی عظیم و جلیل شخصیت کا ارشاد یہ ہے :-

انَّ اَبَا حَنِيفَةَ رَاىَ اَنَسَ بْنَ
مَالِكٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ الْحَارِثِ
بَنِ جَزْدٍ رَّجَعَ بَيَانَ الْعِلْمِ وَفَضْلَهُ ج ۲ ص ۴۸

حضرت امام ابو حنیفہ کو حضرت انس بن
مالک اور حضرت عبد اللہ (صحابی رسول)
کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔

اس بنا پر حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ تابعی ہیں اور
امام اعظم تابعی ہیں | آپ کے معاصر علماء و فضلاء میں تابعی ہونے کا شرف
صرف آپ کو ہی حاصل ہے۔ تابعی اسے کہتے ہیں جس نے صحابی رسول کی زیارت کی
ہو۔ علامہ حصکفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امام اعظم نے اپنے زمانہ حیات میں بیس
صحابہ کرام کو پایا اور سات یا آٹھ صحابہ کرام کی آپ نے زیارت کی اور ان محدث
روایت کی۔ (در مختار)

شیخ الاسلام علامہ محمد علاؤ الدین حصکفی
امام اعظم حضور کا معجزہ ہیں | علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

اِنَّ اَبَا حَنِيفَةَ النَّعْمَانَ مِنْ
اَعْظَمِ مُعْجَزَاتِ الْمُصْطَفٰى
بَعْدَ الْقُرْآنِ (رد المحتار، ج ۱)

بیشک امام ابو حنیفہ قرآن کے بعد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعظم
معجزات سے ہیں۔

سیدنا امام ابو حنیفہ جامع شریعت و طریقت شخصیت ہیں۔ جلیل القدر اولیاء
کرام حضرت ابراہیم ادھم، شفیق بلخی، معروف کرخی، بایزید بسطامی، فضیل بن
عیاض، داود طائی، عبد اللہ بن مبارک، وکیع بن الجراح، ابوبکر بن الوراق ایسے علماء
اولیاء اور عرفاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ آپ کی عظمت شان کے معترف ہیں۔

جلیل القدر فقہاء و محدثین آپ کی صلابت شان کج معترف ہیں | امام اعظم

ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نہ صرف فقیہ اعظم، مجتہد مطلق تھے بلکہ سید المحدثین اور

امام الحدیث، استاذ الحدیث بھی تھے۔ حافظ الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک مروزی
رپیدائش ۱۱۸۸ھ وفات ۱۲۸۸ھ جن کو تمام اکابرین، محدثین و اجلہ نقادین حدیث نے
ثقہ، حجة، امام، فقیہ، عالم، عابد، زاہد، سخی، شجاع، صحیح الحدیث، مامون، کثیر الخلق
امام عصرہ فی الافاق قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے کو فریبہنچ کر لوگوں سے دریافت
کیا۔ کونہ میں سب سے بڑھ کر فقہ کا ماہر کون ہے؟ اس شہر میں سب سے بڑھ کر
زاہد کون ہے؟ اس شہر میں سب سے بڑھ کر متقی کون ہے؟ تو لوگوں نے میرے
ان سوالات کے جواب میں کہا۔ امام ابو حنیفہ۔

امام بخاری کے استاد حضرت مکی بن ابراہیم امام بلخ متوفی ۱۴۰ھ بخوار امام ابو حنیفہ
متواتر دس برس تک فقہ و حدیث سننے سے رہے۔ فرماتے ہیں کہ امام صاحب متقی،
زاہد، صادق اور اہل زمانہ میں سب سے زیادہ حافظ حدیث تھے۔

حضرت زید بن ہارون کہتے ہیں۔ ایک ہزار استادانِ علم حدیث و فقہ سے
میں علم حاصل کیا۔ مگر واللہ سب سے زیادہ امام ابو حنیفہ کو تقویٰ والا پایا۔

حضرت خارجہ بن مصعب کہتے ہیں کہ کعبہ کے اندر چار اماموں نے پورا قرآن ختم
ہے ایک حضرت عثمان بن عفان خلیفہ رسول اللہ، دوسرے حضرت تمیم داری، تیسرے
حضرت سعید بن جبیر صحابی رسول اللہ، چوتھے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ تابعی (رضی اللہ
تعالیٰ عنہم)

محدث کبیر حضرت اعمش نے امام ابو حنیفہ سے چند مسائل دریافت کیے۔ امام صاحب
نے حدیثوں سے جواب دیا تو اس پر حضرت اعمش نے فرمایا، اے کردہ فقہاتم طیب
ہو اور ہم لوگ یعنی محدثین عطار کہ راویوں کے نام اور الفاظ پہچانتے ہیں اور آپ
لوگ احادیث کے معنی و مفہوم کو بھی جانتے ہیں۔

سید العرفاء حضرت ابو علی دقاق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

انا اخذت هذه الطريقة من
ابوالقاسم النصرآبادی وهو
میں نے شریعت کا علم حضرت ابوالقاسم
نصرآبادی سے انھوں نے حضرت شبلی

اخذها من الشبلي هو اخذها
من السري السقطي وهو من
معروف الكرخي وهو من
داود الطائي وهو اخذ العلم
اخذ الطريقة من ابي حنيفة
سيدنا امام اعظم عليه الرحمة کی جلالت شان اور علم و فہم اور فقہی بصیرت و بصارت
کا یہ عالم ہے کہ جناب امام شافعی علیہ الرحمة فرماتے ہیں :-
والله ما صروا فقیہا الا بکتب
محمد بن الحسن الشیبانی
(در مختار)
خدا کی قسم میں امام ابو حنیفہ کے شاگرد
امام محمد کی تالیفات کے مطالعہ سے
فقہ بن گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قیوم زمانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ الربانی
فرماتے ہیں :-

در فقہ صاحب خانہ اوست و دیگران
ہمہ خیال و سے اند با وجود التزام این
مذہب مرا با امام شافعی گویا محبت ذاتی
است و بزرگ میدانم در بعضی اعمال
ناقلہ تقلید مذہب اومی نہ آم ایا چہ کنم
کہ دیگر آں را با وجود و فور علم و کمال تقوی
در جنب امام ابی حنیفہ در رنگ طفلان می
یابم (مکتوبات)

علم فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ صاحب
خانہ ہیں اور باقی ائمہ ان کے خیال و
خوش چین ہیں۔ باوجود مذہب امام
حنیفہ پر کار بند ہونے کے امام شافعی سے
ذاتی محبت رکھتا ہوں اور بعض اعمال
ناقلہ میں ان کی تقلید بھی کر لیتا ہوں مگر
کیا کروں کہ دیگر ائمہ کرام باوجود و فور
علم و کمال تقوی کے سیدنا امام ابو حنیفہ

علیہ الرحمة کے سامنے طفل مکتب نظر آتے ہیں۔ نیز حضرت مجدد فرماتے ہیں :-
حضرت خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمة نے فصول ستہ میں تحریر فرمایا ہے :-
کہ جناب عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب نزول فرمائیں گے تو وہ بھی

امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق
عمل فرمائیں گے۔ یعنی حضرت روح اللہ
کا اجتہاد امام ابو حنیفہ کے اجتہاد کے
موافق ہوگا۔

تکلف و تعصب کی آمیزش کے بغیر
جائے گا کہ نورانیت مذہب حنفی کشف و
شہود کی نظر میں ایک عظیم الشان سمندر
ہے اور باقی مذاہب اس کے مقابل
نہر و حوض ہیں۔

بعد نزول بمذہب امام ابو حنیفہ عمل
خواہ کر دے۔ یعنی اجتہاد روح اللہ موافق
اجتہاد امام اعظم خواہ بود

(مکتوبات مجدد)

بے ثنائیت تکلف و تعصب گفتہ شدہ
کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی
در رنگ دریائے علیم می نماید و سائر
مذہب در رنگ حیاض و جداول بنظر
می در آیند۔

حضرت مخدوم علی گجڑی

قدس سرہ العزیز

اولیاء امت میں سراج السالکین زبدۃ العارفین حضرت مخدوم شیخ ابوالحسن
سید علی بن عثمان جلاہی، جویری ثم لاہوری المعروف داتا گنج بخش قدس سرہ العزیز کی
ذات گرامی بلا مبالغہ ان عزیز الوجود شخصیتوں میں سے ایک ہے جنہیں رحمت الہی نے
اپنے لطف و کرم کا منظر بنا کر خلق خدا کی ہدایت و تزکیہ کے لیے مقرر فرمایا۔ آپ کی سیرت
مبارکہ کا ہر پہلو سالکانِ راہِ محبت و وفا کے لیے نصیرِ راہ ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ اربابِ طریقت کے پیٹروا، رموزِ شریعت کے
رازدان اور علم و فضل و تقویٰ و طہارت میں ایک منفرد اور امتیازی شان کے مالک
ہیں۔ آپ کی ذات اقدس رشد و ہدایت کا ایک ایسا چشمہ فیض ہے کہ جس سے پانچویں

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

صدی ہجری میں برصغیر کے وسیع شمال مغربی علاقے اسلام کی نعمت بے پایاں سمجھو مند ہوتے رہے اور آپ کے وجود پاک کے فیض سے کفر و الحاد کی تاریکیاں کا فور ہو گئیں۔ اور آج بھی آپ کی بارگاہ عالی راو حق کے متلاشیوں کے لیے نشان منزل ہے۔ داتا گنج بخش حسنی سید ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم تک پہنچتا ہے۔ آپ گنج بخش کے لقب سے ابتداء ہی سے مشہور تھے یہی وجہ ہے کہ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ نے آپ کے مزار پر انوار پر چلے فرمایا اور حصول مراد کے بعد آپ کی شان میں عرض کیا ہے

گنج بخش فیض عالم مظهر نور خدا ناقصاں را پر کامل کا ملاں را رہنا
اگرچہ آپ کے سال ولادت کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنا مشکل ہے تاہم سال وفات ۷۶۵ھ پر جمہور کا اتفاق ہے۔ حضرت ملا جامی علیہ الرحمۃ نے لفظ سردار سے آپ کی تاریخ وفات ظاہر کی ہے۔ فرماتے ہیں ۷

خانقاہ علی، بجوری است خاک جاروب از درش بردار
طوطیا کن بدیدہ حق ہیں ناشوی واقف در اسرار
چونکہ سردار ملک معنی بود سال و صلش برآید از سردار ۷۶۵ھ
حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ علوم عالیہ اسلامیہ کے ماہر شریعت و طریقت کے جامع اور تصوف کے امام ہیں۔ علامہ جامی نے نفحات میں آپ کو عالم و عارف بود کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور آپ کی تصنیف کشف المحجوب کو فن تصوف کے لطائف و حقائق کا خزانہ قرار دیا ہے۔ عالم و عارف بود از مشائخ دیگر رسیدہ است صاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتب معتبرہ مشہورہ در این فن است و لطائف و حقائق بیا در آن جمع کردہ است۔ (نفحات الانس)

شہزادہ داراشکوہ علیہ الرحمۃ نے سفینۃ الاولیاء میں آپ کی جلالت علمی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ "خانوادہ ایشاں خانوادہ زہد و تقویٰ بود۔ حضرت پیر

علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است بیچ کس
را بر آں سخن نیست و مرشدے است کامل۔ (سفینۃ الاولیاء)
سب سے بڑھ کر قابل استناد و افتخار حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین
محبوب الہی دہلوی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اسے کشف المحجوب
کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائیگا۔ آپ کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

”می فرمودند کشف المحجوب از تصنیف شیخ ہجویری است قدس اللہ روحہ العزیز
اگر کسے را پیرے نباشد چوں ایں کتاب مطالعہ کند اورا پیر پیدا شد۔ (نظامی)
حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کی جلالت شان اور مرتبہ کی عظمت کا اندازہ اس

امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت سید معین الدین
اجمیری اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ جلیل القدر بزرگوں کے علاوہ حضرت
میاں میر قادری، حضرت حاجی نوشہ گنج بخش قادری بانی سلسلہ نوشاہیہ اور محدث کبیر
حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوری علیہ الرحمۃ نے آپ کے مزار مبارک پر متکف رہ کر فیض
پایا اور منازل سلوک و معرفت طے کیے۔ شہزادہ داراشکوہ نے اپنی مشہور تصنیف سفینۃ الاولیاء
میں یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص چالیس جمعرات بلا ناغہ مزار داتا پر حاضری دے۔ اللہ تعالیٰ اس
کی ہر حاجت پوری فرمادیتا ہے۔ داراشکوہ کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

”خلقے انبوء ہر شب جمعہ بزیارت آں روضہ متودہ مشرف می گردید و مشہور است کہ
ہر کہ چل شب جمعہ یا چل روز پیہم طواف روضہ شریف ایساں بکند ہر حاجتے کہ داشتہ
باشد یابد۔ (سفینۃ الاولیاء)“

اور وصال کے بعد اولیاء کرام کے فیوض و برکات روحانی کا جاری رہنا کتاب و
سنت سے ثابت و واضح ہے۔ حضرت امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز
تفسیر عزیزی میں اکابر اولیاء کا حال بعد وصال بیان کرتے ہوئے تصریح فرماتے ہیں :-
دریں حالت تصرف در دنیا دادہ و استغراق اولیاء اللہ بعد انتقال دنیا میں تصرف

آنها بچتِ محال و سعتِ مدارِ آنها
مانع توجہ بایں سمت نمی گردد
فرماتے ہیں اور ان کے استغراق کا محمل
اور مدارج کی رفعت ان کو اس سمت توجہ
دینے سے مانع نہیں ہے۔

نیز فرماتے ہیں :-

از اولیاء مدفونین و دیگر صلحا مومنین متفاع
و استفادہ جاری است و آنها افادہ
اعانت نیز مقصود (تفسیر عزیزی پارہ نم)
اولیاء کرام اور صالحین عظام کا فیض بعد
وصال بھی جاری رہتا ہے اور ان کی روحانیت
سے افادہ و اعانت مقصود ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کی اسی فیض رسانی خلق سے متاثر ہو کر علامہ ڈاکٹر
محمد اقبال مرحوم نے مرثیہ داتا کو پیر سبغ کے لیے ہمنزلہ حرم قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف
بارگاہِ گنج بخش میں عرض کرتے ہیں :-

سید ہجویر محمد دم اُم
بند ہائے کوہِ آساں گنجت
عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد
پاسبانِ عزت اُم الکتاب
خاکِ پنجاب از دم او زندہ گشت
عاشق و ہم قاصد طیارِ عشق
مرتبہ او پیر سبغ را حرم
در زمین مہند تخم سجدہ ریخت
حق ز عرف او بلند آوازہ شد
از گاہش غائے باطل خراب
صبح ما از مہر او تابندہ گشت
از جبینش آشکار اسرارِ عشق

(۱) ان تمبیدی کلمات کے بعد مجھے نہایت اختصار کے ساتھ صرف دو باتوں کو بیان
کرنا ہے۔ اول یہ کہ ولی کی تعریف کیا ہے اور ولایت کے اجزاء ترکیبی کی کیا کیفیت ہے
دوم، پاک و ہند کے مشاہیر اولیاء کرام کا مسلک و مشرب کیا ہے۔ قرآن مجید میں بڑے
اہتمام کے ساتھ اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اولیاء اللہ کو نہ خوف ہے نہ غم،
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ اس کے بعد ولی کے دو اہم
اجزائے ترکیبی کے متعلق ارشاد ہے :-

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا
يَتَّقُونَ

وہ جو ایمان لائے اور تقویٰ کو اختیار
کیے ہوئے ہیں۔

گویا ایمان اور تقویٰ دل کی دو لازمی شرطیں ہیں۔ ایمان تو یہ ہے کہ تمام ضروریات
دین کی دل سے تصدیق کیجائے اور زبان سے اقرار کیا جائے۔ اہلسنت کا مسلک یہ ہے
کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور ایمان محی و بیشی وقت و ضعف کو قبول نہیں
کرتا اور جن آیات و احادیث میں ایمان میں محی و بیشی کا بیان ہے۔ دلائل شرعیہ کی روشنی
میں اس کا مطلب صحیح ہے کہ ایمان میں محی و بیشی نہیں ہوگی۔ البتہ علامات، ثمرات اور
متعلقات ایمان میں محی و بیشی ہوتی ہے اور متعلقات ایمان میں قوت و ضعف کی بنا پر ایمان
کے جس درجے پر جو پہنچے گا اسی مرتبے کا مومن قرار پائے گا۔ اسی طرح تقویٰ کے بھی متعدد
درجے ہیں۔ بندہ مومن تقویٰ کے جس درجے پر فائز ہوگا اسی درجہ کا متقی قرار پائے گا۔ اسی بنا
پر اولیاء کرام کے بھی مختلف درجات و مقامات ہیں۔

تقویٰ کے معنی پر میزگاری کے ہیں۔ ناجائز اور خلاف شرع امور سے بچنا۔ یہ عوام
کا تقویٰ ہے اور شبہات سے بھی پرہیز کرنا، یہ خواص کا تقویٰ ہے اور ذات باری کی فکر
کامل و مکمل طور پر رجوع، مشاہدہ حق میں استغراق اور ہیران اور ہر لحظہ اللہ عزوجل کے جمال
و جلال کا استحضار یہ اخس الخواص کا تقویٰ ہے۔ تقویٰ کا یہی وہ اعلیٰ و ارفع درجہ ہے
جسے کتاب و سنت میں احسان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے :-

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِندَ
رَبِّهِ

ہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور
اس کے ساتھ احسان کا وصف اس میں
ہوا تو اس کے رب کے پاس اس کے لیے
خاص اجر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

وَمَنْ أَحْسَنَ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ

اس سے اچھا دین میں کون ہو سکتا ہے جس

وَجَهْدُ اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور ساتھ ہی

وہ محسن یعنی صاحب احسان بھی ہے۔

ان دونوں آیتوں سے واضح ہوا کہ ایمان اور اسلام کے بعد احسان بھی ایک خاص دینی و قرآنی اصطلاح ہے اور احسان کی دولت پالینے والا بندہ اللہ تعالیٰ کے خاص اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضور سرورِ عالم نورِ مجتہم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب احسان کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا :-

الاحسانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّكَ تَرَاهُ
احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ اُس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگرچہ تم اُس کو نہیں دیکھتے ہو مگر وہ تو تم کو دیکھتا ہے۔

اگرچہ جمہور شارحین نے اس حدیث کا مطلب یہی لیا ہے کہ اس حدیث میں عبادت کے دو درجوں کا بیان ہے۔ ایک یہ کہ عبادت مشاہدہ حق کے ساتھ ہو۔

کأنك تراه اور مشاہدہ حق کے ساتھ عبادت عرفار و اولیاءِ کاملین کا مقام ہے اور دوسرے یہ کہ عابد عبادت اس تصور کے ساتھ کرے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ فَإِنَّكَ تَرَاهُ، اور یہ مقام ہے عام عبادت گزاروں کا، اس ترجمہ اور مطلب سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ احسان کا تعلق صرف نماز سے ہے اور مفہوم حدیث اس قدر ہے کہ نماز پورے خضوع و خشوع سے پڑھی جائے لیکن علامہ نووی شارح مسلم اور علامہ سندھی نے حواشی بخاری میں حدیث مذکور کا معنی دہ لیا ہے جسے ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا اور جس کی رو سے احسان کا تعلق صرف نماز ہی سے نہیں بلکہ انسان کی پوری زندگی سے قائم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں تعبد کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مطلق عبادت اور بندگی کے ہیں۔ صرف نماز کے نہیں۔ نیز اس مضمون کی دیگر روایتوں میں تعبد کی جگہ تتخشی اور تعمّل کے لفظ بھی آئے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ كَخَافَكَ تَرَاهُ
الاحسان اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنْتَ
تَرَاهُ

کہ تم خدا سے اس طرح ڈرو گویا اس کو
دیکھ رہے ہو۔ احسان یہ ہے کہ تم ہر
کام اللہ کے لیے اس طرح کرو کہ گویا
تم اس کو دیکھ رہے ہو۔

حضور سرور عالم نور مجتہد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے یہ بات اور
بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ احسان کا تعلق صرف نماز ہی سے نہیں بلکہ بندہ کی
پوری زندگی سے ہے اور احسان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور
شریعت اسلامیہ کی ہدایات پر عمل اس طرح کیا جائے اور اس یقین سے زندگی
گزاری جائے کہ گویا خدا ہمارے سامنے ہے اور وہ ہماری ہر حرکت و سکون کو دیکھ
رہا ہے۔ جب بندہ احسان کی اس منزل کو پالیتا ہے اور ہر لحظہ اور ہر آن اپنے خالق
و مالک کے جلال و جمال کے حضور کی سعادت اسے حاصل ہو جاتی ہے۔ نو ایسا شخص
ایمان و تقویٰ کے اعلیٰ مرتبہ پر اور دلائل و قطبیت کے ارفع درجہ پر فائز ہو جاتا ہے
پھر احسان والے بندہ کی وہ شان ہوتی ہے جسے حدیث قدسی میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے تقرب حاصل کرتا ہے تو میں
اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں۔

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ
وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَ
يَدَهُ الَّذِي يُبْعِثُ بِهِمَا وَ رِجْلَهُ
الَّذِي يَمْشِي بِهِمَا وَ اِنْ
سَأَلَنِي لَأَعْطِيَتْهُ (بخاری)

جس سے وہ سنتا ہے میں اس کی آنکھ ہو
جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس
کا پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔
اب اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو اسے عطا
فرما دیتا ہوں۔

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے مقدس بندوں کی عظمت و رفعت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

نَحْبِقُ اللّٰهَ كَبَدْدِمْ فِي اَلَيْسَ يَحْيٰ
كَاگر وہ کسی بات کی قسم کھالیں تو اللہ

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَوَاقِسَمَ

عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّه
ان کی قسم کو پورا فرمادیتا ہے۔

اور بزبانِ حضرت رومی قدس سرہ العزیز اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ

اولیاء را هست قدرت از ازلہ تیر جستہ باز گردانند ز راہ

۱۔ الغرض ایمان، تقویٰ اور احسان، ولی کے اجزائے ترکیبی ہیں اور جو بندگان الہی

ایمان و تقویٰ اور احسان کی دولت پالیتے ہیں وہی اولیاء اللہ ہیں اور قرآن نے احسان

والے بندوں کے لیے بھی تصریح کی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت و قرب خاص کی

سما د حاصل ہوتی ہے۔ سورہ "نحل" میں ارشاد باری ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ

بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو متقی

ہیں اور محسن بھی ہیں۔

اور قرب الہی اور معیت الہی ہی کمالِ انسانیت اور جہرِ انسانیت ہے۔ جسے

یہ حاصل ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔

۲۔ تصوف یا طریقت، شریعتِ اسلامیہ محمدیہ علیٰ صاحبہا التجتہ سے کوئی الگ چیز

نہیں ہے بلکہ تصوف کی حقیقت بھی ایمان و تقویٰ اور احسان ہی ہے۔ تمام اولیاء

کاملین اس بات پر متفق ہیں کہ

طریقت از شریعت نیست بیرون

شریعت را مقدم دار اکنوں

یعنی ہر جگہ اور مقام پر شریعت کو مقدم رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ طریقت شریعت

محمدیہ سے باہر نہیں ہے۔ اہلسنت و جماعت کی کتب عقائد میں اور شیخ محقق عبدالحق

محدث دہلوی قدس سرہ العزیز اشعۃ اللمعات مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:-

ولی وہی شخص ہو سکتا ہے جو بقدر طاقت

ولی کے است کہ عارف باشد نبات و

بشری ذات و صفات باری تعالیٰ کا

صفات حق بہر قدر طاقت بشری و موافق

عارف ہو۔ احکام شرع کا پابند ہو اور

باشد بر اتیان طاعت و ترک مینہات و

لذات و شہوات میں انہماک نہ رکھتا ہو اور

لذات و شہوات و کامل باشد در تقویٰ

و اتباع بر حسب تفاوت و مراتب آں در ع و تقویٰ میں کامل ہو۔
(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۵۹۵)

اس لیے اطاعتِ خدا و اتباعِ رسولؐ کے بغیر کوئی شخص ولایت کے مرتبہ فائز نہیں ہو سکتا۔ یہی اولیاءِ کاملین کا فیصلہ ہے اور حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے بھی کشف المحجوب میں جس بات کو طریقت کا محور و مرکز قرار دیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

خلافتِ پیغمبر کے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید
چنانچہ اسلامی تصوف کی تمام اصطلاحات مثلاً توبہ، صبر، توکل، رجاء، خوف، تقویٰ، فقر، عاسبہ، تزکیۃ اخلاص، امانت، خشیت سب قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں
طریقت شریعت سے علیحدہ چیز نہیں ہے سید الطائفہ
(۱) حضرت جنید بغدادی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

”ایں راہ کسے باید کہ کتاب بردست راست گزرت باشد در
سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بردست چپ و در روشنائی ایں
دو شمع مے رود تانہ درمغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت“

رتذکرۃ الاولیاء ۸۱

یہ راہ تو صرف وہی پاسکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنتِ رسولؐ اور وہ ان دو چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ شبہ کے گڑھے میں گرے نہ بدعت کی تاریکی میں پھنسے۔

(۲) حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

رکن اول از شریعت کتاب است چنانکہ گفت فیہ
محکمات ہن ام الکتاب، و دیگر سنت است چنانچہ گفت
وما اتاکم الرسول فخذوا وما نہاکم عنہ فانتہوا

وسوم اجماع امت چنانکہ رسول علیہ السلام گفت لا تجتمع امتی
على الضلالة علیکم بالسواد الاعظم ،

شریعت کا پہلا رکن کتاب اللہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قرآن میں
آیات عکلمات ہیں، جو اصل کتاب ہیں، دوسرا رکن سنت ہے جیسا کہ فرمایا، جو کچھ
تمہیں رسول عطا فرمائیں اس پر عمل کرو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ، اور
تیسرا رکن اجماع امت ہے، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت
مگر ایسی پر جمع نہیں ہوگی بڑے گروہ کے ساتھ رہو۔

(۳) حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:-

” اے برادر تفاوت، مراتب، فقر اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب
شریعت اور نگاہ کن کہ شریعت معیار است ” رکتوبات کلیمی مکتوب نمبر ۹۵
اے بھائی اگر تم فقراء کے مدارج دیکھنا چاہتے ہو تو شریعت پر ان کے عمل سے
ان کا اندازہ لگاؤ۔ کیونکہ اس بارے میں معیار شریعت ہی ہے۔

(۴) ” حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

” پیر چنان کہ باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد
و چوں این چنین باشد او خود پیچ نامشروع نہ فرماید ” (فوائد الفوائد)

پیر ایسا ہونا چاہیے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام کا عالم ہو اگر
وہ ایسا ہوگا تو خود کسی ناجائز امر کے بارے میں نہیں کہے گا۔

(۵) حضرت قطب ربانی، محبوب یزدانی مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رواب
سلسلہ عالیہ چشتیہ اشرفیہ فرماتے ہیں:-

” خارق عادات اگر از ولی موصوف باوصاف ولایت ظاہر گردد
کرامت گویند و اگر از مخالف شریعت صادر شود استدراج ”

(لطائف اشرفیہ ۲۶)

اگر خرق عادت دل سے ظاہر ہو جو اوصاف ولایت سے موصوف ہو اس کو کرامت کہتے ہیں اور مخالف شریعت سے وہ چیز ظاہر ہو اس کو استدراج کہتے ہیں۔
(۶) حضرت مولانا نور الدین جامی قدس سرہ السای فرماتے ہیں۔

”اگر صد ہزار خرق عادت برایشاں ظاہر شود چوں نہ ظاہر ایشاں موافق احکام شریعت است نہ باطن ایشاں موافق آداب طریقت باشد آں از قبیل مکر و استدراج خواهد بود

”اگر صد ہزار خارق عادات ایسے شخص سے صادر ہوں، جس کا نہ ظاہر احکام شریعت کے مطابق ہو اور نہ باطن آداب طریقت کے موافق ہو تو خارق عادات مکر ہے۔ استدراج ہے کرامت نہیں ہے۔

۲ دوسری بات خصوصی طور پر بطور امر واقعہ مجھے عرض کرنی، وہ یہ ہے کہ پاک و ہند کے جس قدر اولیاء کرام مسند رشد و ہدایت پر متمکن ہوئے ہیں اور جن کے درع و تقویٰ غوثیت، قطبیت اور ولایت کو مسلمانوں کے تمام طبقات نے بلا اختلاف تسلیم کیا ہے ان میں سے ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جو مسائل فقہ میں آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا مقلد اور پیرو نہ ہو۔ حضور غوث پاک سے لے کر حضرت حضور داتا گنج بخش تک تمام اولیاء امت مقلدین آئمہ اربعہ ہی کے دائرہ میں داخل ہیں۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ اولیاء کرام حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت محی الدین ابن عربی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی، حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت داتا گنج بخش یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو علم و فضل اور فقہ و اجتہاد کے آفتاب و منتاب ہیں۔ رموز شریعت اور حقائق طریقت کے جامع اور ماہر ہیں۔ کتاب و سنت کے اسرار کے عارف ہیں۔ فقہی اجتہادی بصیرت کے باوجود ان بزرگان ملت نے براہ راست از خود کتاب و سنت سے مسائل فقہ کو اخذ کرنے کا ارادہ نہ فرمایا اور امور، دعاغیت و فلاح و ہدایت اسی میں سمجھی کہ مسائل

فقہ میں حضرات ائمہ اربعہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک اور سراج امت امام اعظم ابو حنیفہ علیہم الرحمہ والرضوان کی تحقیقات پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ ان اولیاء امت نے نہ صرف یہ کہ خود ائمہ اربعہ کی تقلید کی بلکہ اپنے قول و عمل سے مسلمانوں کو بھی حضرات ائمہ اربعہ کا دامن تھامے رہنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ اسامی کی جلالت علمی سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ مگر باوجود وفور علم و فضل کے آپ حنفی المذہب ہیں۔ اور سیدنا سراج امت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی تقلید پر آپ کو ناز اور فخر ہے۔ مجدد علیہ الرحمہ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں۔

بزرگ ائمہ کے بزرگ امام اجل پیشوائے محل
امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم شان
مرتبے کے بارے میں بھلا میں کیا کہوں۔
جب کہ مجتہدین سے زیادہ علم والے اور
زیادہ ورع و تقویٰ والے ہیں۔ خواہ وہ
امام شافعی و امام مالک ہوں یا امام احمد بن
حنبل۔ امام شافعی فرماتے

ہیں کہ تمام فقہاء ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔

معلوم شد کہ محالات ولایت کوفہ شافعی

سے اور محالات نبوت کوفہ حنفی سے
مناسبت ہے۔ اگر بالفرض اس امت
میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو وہ فقہ حنفی
کے مطابق عمل کرتا۔

۱۔ از علوشان امام بزرگ ترین ابن
بزرگواراں امام اجل پیشوائے محل ابو حنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہ نویسد کہ اعلم و اوسع
و الفاظ مجتہدین است چہ شافعی و مالک
و چہ احمد بن حنبل۔ امام شافعی می فرماید
أَفْقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ
أَبِي حَنِيفَةَ

(مبداء و معاد ص ۵۵)

۲۔ معلوم شد کہ محالات ولایت را

موافقت بفقہ شافعی است و محالات
نبوت را مناسبت بفقہ حنفی اگر فرضاً
دریں امت پیغمبر مبعوث می شد
موافق فقہ حنفی عمل می کرد

(مکتوبات دفتر اول ص ۲۸)

۳۔ خواجه محمد یار سا در فصول ستر نوشته است کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بمذہب امام اعظم ابو حنیفہ عمل خواہد کرد یعنی اجتہاد حضرت روح اللہ مرافق اجتہاد امام اعظم خواہد بود نہ آنکہ تقلید ایں مذہب خواہد کرد کہ شاکہ اد علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام از آن بلند تر است کہ تقلید علماء امت فرماید (مکتوب دفتر دوم ص ۵۵)

۴۔ بے شبانہ تکلف و تعصب گفتہ می شود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریا سہ عظیم می نماید و سائر مذاہب در رنگ حیاض و جدال بنظر می در آید

۵۔ اما چہ حکم کہ دیگران را با وجود و فور علم و بحال تقویٰ در جنب امام ابی حنیفہ در رنگ طفلان می یابم

۶۔ خواجه محمد یار سا قدس سرہ در فصول ستر میفرماید و یحییٰ بزرگی ایشان را کافی است کہ پیغمبر اولو العزم بمذہب او عمل نماید صد بزرگی دیگر را باین بزرگی عدیل نمی توان یافت (مبادر و معاد ص ۵۵)

حضرت خواجه محمد یار سا فصول ستر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ السلام نزول کے بعد مذہب حنفی کے مطابق عمل کریں گے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے مطابق ہر گاہ کہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی مذہب کی تقلید کریں گے۔ کیونکہ نشان اس سے کہیں بالاتر ہے کہ وہ علماء امت میں سے کسی کی تقلید کریں۔

بغیر تکلف کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کشف کی نظر سے اس مذہب حنفی کی نورانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں۔

لیکن میں کیا کروں کہ دوسرے آئمہ مجتہدین کو وافر علم اور بحال تقویٰ کے باوجود امام ابو حنیفہ کے سامنے بچوں کی طرح پاتا ہوں۔ خواجه محمد یار سا قدس سرہ فصول ستر میں فرماتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے لیے یہی بزرگی کافی ہے کہ ایک اولو العزم پیغمبران کے مذہب کے مطابق عمل کرے۔ دوسرے کی سو بزرگی اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔

یہی کیفیت حضرت دانا گنج بخش علیہ الرحمہ کی ہے۔ آپ بھی دیگر اولیاء اللہ کی طرح
حنفی المذہب ہیں اور مسائل فقہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے مقلد اور پیرو
ہیں۔ امام اعظم سے آپ کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ کشف المحجوب میں جب آپ کا ذکر
کرتے ہیں تو آپ کے نام کے ساتھ امام جہاں، مقتدائے خلق، شرف فقہاء، عز علماء
امام اماں، مقتدائے ستیاں کے معزز و مکرم القاب سے یاد فرماتے ہیں اور کشف المحجوب
میں آپ کی جلالت شان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

عز علماء ابو حنیفہ نعمان بن ثابت
الحزب رضی اللہ عنہ وی را اندر عبادت و
و مجاہدت قدمی درست بود دست و در
اصول این طریقت شان عظیم داشته صد
امام اعظم را اندر ورع طرف بسیار
است و مناقب مشہور بیش از آنکہ این
کتاب حمل آں کند

علماء کی عزت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت
الحزب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبادت اور
مجاہدہ میں ثابت قدم اور طریقت کے
اصول میں شان عظیم رکھتے ہیں۔
امام اعظم ابو حنیفہ کا ورع و تقویٰ اور
آپ کے مناقب اس کثرت سے منقول ہیں
کہ ان سب کے بیان کی یہ کتاب تحمل نہیں
امام اعظم علیہ الرحمہ نے عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر کے لیے جب خلق خدا سے
کنارہ کشی اور گوشہ نشینی کا ارادہ کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبا خواب میں
جلوہ فرما ہو کر حضرت امام کو اس ارادہ سے باز رہنے کا حکم دیا۔ حضرت دانا گنج بخش فرماتے ہیں۔
دیگر بار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم راجح اب دید
کہ وہے را گفت یا ابو حنیفہ ترا زندہ گردانید
سنت من کردہ اند قصد عزلت مکن
دوسری مرتبہ رسول کریم علیہ السلام کی زیارت
سے مشرف ہوئے۔ حضور نے فرمایا۔ ابو حنیفہ
تمہیں میری سنت کو زندہ کرنے کے لیے

(کشف المحجوب ص ۱۵۸)

ہاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبہ کا کعبہ دیکھو

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

حضرت ابوالحسن علی ہجویریؒ کی تعلیمات

برصغیر پاک و ہند کے اولیاء کرام سلطان الاولیاء حضرت مخدوم سید ابوالحسن علی ہجویری قدس سرہ العزیز المعروف داتا گنج بخش کی ذات گرامی ان عزیز الوجود رہنما، شریعت و طریقت میں شمار ہوتی ہے جنہوں نے اپنی زندگی کو دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور حق کی نصرت و حمایت کے لیے وقف کیے رکھا۔

آپ نے اپنی پاکیزہ سیرت و کردار اور کتاب و سنت پر مبنی تعلیمات سے ہزاروں بندگانِ خدا کے سینوں کو نورِ اسلام سے روشن و منور فرمایا اور اپنے روحانی فیوض و برکات سے ناقصوں کو کامل اور کاملوں کو رہنماؤں کے مرتبہ و مقام پر پہنچایا۔ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ برصغیر پاک و ہند کے اولین مبلغین اسلام میں سے ہیں اور ان کا مزار گوہر باران کے فیضان کی وجہ سے عرصہ نو سو سال سے مرجع خواص و عوام چلا آرہا ہے اور ان کی کشف المحجوب اطراف و اکنافِ عالم میں شہرت و مقبولیت رکھتی ہے۔ ان کی تعلیمات و ارشادات طالبانِ راہِ خدا کے لیے مُرشدِ طریق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر مرتبہ و استعداد کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق ان سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔

کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے جو آپ نے جناب ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ کی درخواست پر لکھی اور ان کے سوالات کی اساس پر یہ نورانی صحیفہ تیار ہوا۔ اس مبارک کتاب کی وجہ تسمیہ اور رعایت تصنیف خود حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ نے یہ بیان فرمائی ہے۔

”یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس کتاب کو کشف المحجوب (پہاں کو عیاں کرنے والی) کے نام سے موسوم کیا ہے، اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ کتاب کا نام ہی اس کے موضوع

اور مطالب کو عیاں کر دے اور اہل بصیرت اس کا نام سُنتے ہی جان لیں کہ اس میں کیا ہے اور یہ واضح رہے کہ اولیاء اللہ اور عزیزانِ بارگاہِ خداوندی کے سوا تمام عالم (و عالمیاء) رموز و اسرارِ خداوندی کے حقائق کو سمجھنے سے محجوب و مستور ہیں، چونکہ یہ کتاب سیدہی راہ بتانے اور عارفانہ کلمات کی تشریح و توضیح اور بشریت کے حجاب رفع کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ لہذا اسے کسی اور نام سے موسوم کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

کشف المحجوب | شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا
مجمیعہ ہے اور اولیائے متقدمین کے حالاتِ بابرکات اور

ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزانہ ہے۔ فارسی زبان میں تصوف و احسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ کشف المحجوب کا طبع کے لیے رہنا ہے تو عوام کے لیے پیرِ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلاشبہ اس کے مطالعہ سے دولتِ عرفان و ایقان حاصل ہوتی ہے اور نیک و شہادت کی وادی میں بھٹکنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہو جاتے ہیں اور اس کے بار بار مطالعہ سے حجابات اٹھ کر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ اس نادر و بے مثل کتاب کو جو مقبولیت و پذیرائی نصیب ہوئی وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی میں لکھی جانے والی کتاب کے حصے میں نہیں آتی۔ اکابر اولیاء اللہ نے کشف المحجوب سے روشنی حاصل کی ہے۔ چنانچہ شہزادہ محمد داراشکوہ (م ۱۰۶۹ھ) سفینۃ الاولیاء ص ۲۹ پر لکھتے ہیں:-

”حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و بیچ کس را براں سخن نیست و مرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آن در زبان فارسی کتابی تصنیف نہ شدہ۔“

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الہی دہلوی قدس سرہ (م ۷۵۵ھ)

کی نہایت اہم رائے ان کے ملفوظات دُرر نظامی (نحلی) مرتبہ شیخ علی محمود جاناہ
میں لکھا ہے۔

”ومی فرمودند کشف المحجوب از تصنیف علی ہجویری است قدس اللہ
روح العزیز، اگر کے پیرے نہ باشد، چوں ایں را مطالعہ کند اور اپیدا شود.....
من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام۔“

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب میں فقر و غنا، معرفت و شریعت
رضا، مقام، مال، ایثار، حقیقتِ نفس، مجاہدہ نفس، کرامت، معجزہ، فنا و بقا،
تحقیقِ روح، توحید، حقیقتِ ایمان، توبہ، محبتِ الہی، حقیقتِ عشق، جود و سخا، شاہد
الہی، غرضکہ تمام مسائلِ شریعت و طریقت کو نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا
ہے اعلیٰ مجلس میں آپ کے چند ایسے ارشادات پیش کرنے مقصود ہیں جو اپنی اہمیت
کے ساتھ ساتھ آسان بھی ہیں اور عام فہم بھی۔

حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں | **نفس اور خواہشاتِ نفس** | جب تک بندہ اس دنیا میں نفس اور

خواہشاتِ نفس کے جنگل سے نہیں نکلتا معرفت سے سرفراز نہیں ہو سکتا۔

صوفی وہ ہے جو ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ
| **صوفی اور تصوف** | میں سنت لے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ

اس قول کی تائید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے یعنی

۱۔ سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ۲۔ رضا حضرت اسماعیلؑ کی ۳۔ صبر حضرت ایوبؑ کا

۴۔ ارشادات حضرت ذکریاؑ کے ۵۔ غربت حضرت یحییٰؑ کی ۶۔ سیاحت حضرت

عیسیٰؑ کی ۷۔ لباس حضرت موسیٰؑ کا ۸۔ فقر جناب خرم جودات سرور کائنات حضرت

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

سلطان الاصفیاء وانا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ”دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔ توبہ گناہ کو، جھوٹ رزق کو، غیبت عمل کو، عینم عمر کو، صدقہ بلا کو، غصہ عقل کو، پشیمانی سخاوت کو، تکبر علم کو، نیکی بدی کو اور عدل ظلم کو“ داتا صاحب فرماتے ہیں کہ ”نفس کی موافقت باعثِ ہلاکت اور اس کی مخالفت وجہ نجات ہے۔“

علم دین سے بے خبری | حضرت فرماتے ہیں کہ ایک بے علم مدعی فقیر نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت آپ نے سیاد پویشی کیوں اختیار فرمائی ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں چھوڑی ہیں۔ ۱۔ فقر ۲۔ علم ۳۔ شمشیر شمشیر تو سلاطین نے لے لی مگر اس کے محل (اور موقع) پر اسے استعمال نہ کیا۔ علم علماء نے اختیار کیا مگر اسے پڑھنے پڑھانے تک محدود کر دیا۔ فقر کو فقراء نے اختیار کر لیا مگر اسے وسیلہ حصول مال بنالیا۔ میں نے ان تینوں کے غم میں سیاد پویشی اختیار کی ہے۔

کرامت | حضرت فرماتے ہیں ایک دفعہ میں نے دمشق کے درویشوں کے ساتھ ابن المصلا کی زیارت کے لیے جائے کا قصد کیا۔ یہ رملہ کے گاؤں میں رہتے تھے۔ راستے میں ہم نے آپس میں باتیں کیں کہ کچھ دل میں سوچ کر چلو تاکہ وہ حضرت ہمیں ہمارے باطن سے مطلع کریں اور ہماری مشکل حل ہو میں نے دل میں سوچا کہ :-

• مناجات ابن حسین کے اشعار ان سے سنوں۔
• دوسرے نے سوچا۔ مجھے طحال کا مرض ہے اس سے آرام آجائے۔
• تیسرے نے کہا مجھے صلوہ صابونی ان سے لینا ہے۔

جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے کچھ کاغذ جن میں اشعار مناجات

ابنِ حسین لکھے ہوئے تھے میرے آگے رکھ دیئے اور دوسرے کے طحال پر ہاتھ پھیرا وہ جاننا رہا۔ تیسرے سے کہا۔ حلوہ صابونی سپاہیوں کی غذا ہے اور تو اولیاء کا لباس رکھتا ہے اور اولیاء کے لباس والے کو سپاہیوں کا مطالبہ درست نہیں دو باتوں میں۔ سے ایک بات اختیار کرنا بہتر ہے۔

توجہ الی اللہ | شیخ الشانخ حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ بغداد کے ایک محلہ میں سے گزرے۔ راستہ میں پیاس لگی۔ آپ نے ایک دروازے پر دستک دی اور پانی طلب کیا۔ ایک لڑکی اندر سے آئی۔ اور پانی کا کوزہ ہمراہ لائی۔ آپ نے اس سے پانی لے کر پیا۔ آپ کی نظر اس پانی لانے والی لڑکی کے چہرے پر پڑی۔ دل اُس کے جمال پر فریفتہ ہو گیا۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے کُلُّ بَشَرٍ مَشْغُولٌ بِمِثْلِ نَفْسِهِ (میرا کل تیرے کل پر فدا ہے) آپ وہیں بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ صاحبِ خانہ آیا۔ آپ نے فرمایا۔

میاں میرا دل ایک گلاس پانی میں سخت مقید ہو گیا ہے۔ مجھے تیرے گھر والوں نے ایک گلاس پانی دے کر میرا دل لے لیا۔

صاحبِ خانہ نے عرض کی۔ حضور وہ میری لڑکی ہے۔ میں اسے آپ کے عقد میں پیش کرتا ہوں۔ حضرت مرتعشؒ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور عقد فرمایا۔ یہ صاحبِ خانہ بغداد کے متمول گھرانے میں سے تھا۔ اس نے حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کو حمام میں بھیج کر پوشاکِ مکلف سے آراستہ کیا اور خرقة فقر اتار ڈالا۔ جو آپ کے زین تن تھا۔ شب ہوئی تو حضرت مرتعش نماز میں مشغول ہو گئے اور خیال فرمایا کہ اپنے وزان کے اوراد سے فارغ ہو کر دہن کی طرف طہافت ہوں گا کہ یکلخت آپ نے باوازِ بلند فرمایا۔ ہا تو خرقہ "ہمارا خرقة جلدی لاؤ" یہ سن کر میں نے تعجب ہو کر عرض کیا کہ حضور کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے خلوتِ راز سے ابھی آواز آئی کہ مرتعش جو پہلی نظر تو نے ہمارے سوا غیر یہ ڈالی تھی اس کی سزائیں ہم نے تجھ سے لباسِ محبوبیت اتار لیا ہے

اب اگر دوسری نظر پھر ڈال تو ہم لباسِ آشنائی بھی سلب کر لیں گے۔ گویا وہ لباس جس کے پہننے سے دشمنی الہی مقصود ہو اور محبوبانِ الہی کے قبیح میں اسے پہننا ہو تو اپنے رب سے علاقہ رکھنے کے لیے ہمیشہ اس پر راضی رہنا ضروری ہے اور یہ استقامت نہایت مبارک و مسعود ہے۔

حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش
رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان

بَسَّ الْفَقِيرُ عَلَى بَابِ الْمِيرِ

فرمانی کہ ایک درویش کی ملاقات ایک بادشاہ سے ہوئی۔ بادشاہ نے کہا۔ ”کچھ مانگیے؟“
درویش نے کہا۔ ”میں اپنے غلاموں سے کوئی حاجت روائی نہیں چاہتا۔“
بادشاہ نے کہا۔ ”یہ کس طرح؟“

درویش نے جواب دیا۔ ”میرے دو غلام ہیں۔ اور دونوں تیرے مالک اور آقا ہیں۔ ایک حرصِ دنیا، دوسرا طولِ عمل یعنی اُمیدِ غیرِ متناہی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

الْفَقْرُ عِزٌّ لِّأَهْلِهِ

فقر اہل فقر کے لیے موجبِ عزت ہے

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

تین قسم کے لوگوں سے پرہیز کی ہدایت

نے تین قسم کے لوگوں سے دُور رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ غافلِ علماء۔ سے جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ، شریعت کو اپنے گھر کی نوٹھی اور ظالمِ امرار کی بارگاہ کو محض جاہ و ثروت کی خاطر سجدہ گاہ بنا لیا ہے۔ ریاکارِ فقرار سے برفقط اغراضِ نفسانی کے لیے لوگوں سے جاہ و عزت کی طمع رکھتے ہیں اور جاہلِ متصوف سے جس نے نہ تو کسی مُرشد کی صحبت میں رہ کر تربیت پائی ہو نہ کسی اُستاد سے ادب سیکھا ہو۔

حضرت صدیق اکبر کا مرتبہ مقام | صحابہ کرام کے ذکر میں انہوں نے لکھا ہے کہ

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نماز شب میں قرآن آہستہ کیوں پڑھتے ہو تو انہوں نے عرض کی کہ میں جس کے سامنے مناجات کرتا ہوں وہ بہت اچھا سُننے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضور آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہو تو انہوں نے کہا کہ میں سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو دُور کرتا ہوں۔ حضرت داتا صاحب کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کا اشارہ مشاہدہ کی طرف تھا اور حضرت عمر کا مجاہدہ کی طرف۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجاہدہ کا مقام مشاہدہ کے مقابل ایسا ہے جیسا قطرہ سمندر کے مقابلے میں۔

حضرت داتا کی ایک کرامت | حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے لاہور تشریف لاتے ہی

اپنی فرودگاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ دارالٹکودہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں:-

”انھوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جس کی محراب دیگر مساجد کی بہ نسبت جنوب کی طرف مائل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء جو لاہور میں موجود تھے، اس محراب کی سمت کے سلسلے میں حضرت شیخ پر معترض ہوئے۔ چنانچہ ایک روز حضرت نے ان سب علماء کو جمع کیا اور خود امامت کے فرائض انجام دیئے اور بعد اداائے نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔ دیکھو کعبہ شریف کس سمت میں ہے؟ دیکھا تو حجابات اٹھ گئے اور کعبہ شریف محراب کی سیدھ میں نمودار ہو گیا۔ ان کا مزار بھی ان کی مسجد کی سمت کے مطابق ہے۔“

مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور پاکستان

اہلسنت وجماعت کی قدیمی دینی درس گاہ ہے جو کہ شیخ المحدثین حضرت علامہ الحاج ابو محمد محمد سید ویدار علی شاہ صاحب قادری رضوی فضل رحمانی محدث الوری قدس سرہ العزیز اور امام اہلسنت استاذ العلماء حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب قادری رضوی اشرفی مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عظیم و جلیل یادگار ہے۔ اس دارالعلوم کے تعلیم یافتہ علماء و خطباء پاکستان اور بیرون پاکستان دین اسلام کی تبلیغ و تدریس میں مشغول ہیں۔ دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی رہائش، خوراک اور کتابیں اور دیگر ضروریات مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ نیز دارالعلوم کے شعبہ تبلیغ کی طرف سے دینی، مذہبی عنوانات پر مشتمل کتب اور کتابچے اور پوسٹر بھی شائع کیے جاتے ہیں جو ملک میں بغرض تبلیغ شائع ہوتے ہیں۔

دارالعلوم زکوٰۃ و خیرات و چرم قربانی کا بہترین مصرف ہے۔ آپ بھی دارالعلوم سے تعاون فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ دارالعلوم کو دیئے گئے عطیات قانون انکم ٹیکس کی دفعہ ۱۵۔ ڈی کی ذیلی دفعہ (۱) کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ بحوالہ سینٹرل بورڈ ریونیو نوٹیفیکیشن نمبر ۶۱ (ک) ۳/۵۰ SR بمطابق لیٹر نمبر ۴۱/ITP/۶۰/۷۱۔

۶۷۷-۷

نوٹ:- دارالعلوم کی طرف سے کوئی سفیر مقرر نہیں ہے۔ جلد خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر چندہ و چرم قربانی کی رقم مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال کر کے ثواب دارین حاصل کیجئے۔

سید محمود احمد رضوی
ناظم مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف
محکم بخش روڈ، لاہور

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی کی اہم دینی تالیفات

دین و مذہب و مسلک اہلسنت و جماعت سے باخبر ہونا ہر سنی مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی کی مندرجہ ذیل تالیفات کا مطالعہ کیجئے۔ جو دینی، مذہبی، اخلاقی، اصلاحی، فقہی، تفسیری اور تاریخی مضامین کا روح پرور، فکر انگیز ایمان افروز مجموعہ ہیں۔ اہم دینی موضوعات پر کتاب و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں لکھی گئیں یہ کتابیں آپ کی دینی مذہبی، اخلاقی اور روحانی ضرورت کو پورا کرنے میں عمدہ و معاون ہوں گی۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے نہ صرف آپ کی دینی تشنگی دور ہوگی بلکہ دین و مذہب سے متعلق ان الجھنوں کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔ جن کے آپ خواہشمند ہیں۔ معاشرہ کی فلاح و صلاح اور اپنی زندگی کو دین اسلام کی ہدایت کے مطابق بنانے سنوارنے اور گزارنے کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دین کا دور رکھنے والے سنی مسلمان ان گرانقدر دینی کتب کو اپنے حلقہ کے علماء، خطباء و ائمہ مساجد اور اپنے احباب میں اشاعت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ بغرض تبلیغ ان کتابوں کی اشاعت فرمانے والے حضرات کو خصوصی رعایت دی جائے گی۔

نوٹ:- کتابوں کی قیمتیں اپریل ۱۹۸۶ء کی ہیں۔ کاغذ کتابت و طباعت وغیرہ کی گرانی کی وجہ سے قیمت کتب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

فیوض البای فی شرح صحیح البخاری | علامہ سید محمود احمد رضوی کی ایک عظیم تالیف، قرآن

کے بعد سب سے صحیح کتاب صحیح البخاری کا مع عربی متن کے ترجمہ اور مکمل شرح جس کے متعلق مشاہیر علماء و فضلاء و ملک کے موقر جرائد و اخبارات کا یہ فیصلہ ہے کہ اردو زبان میں آج تک بخاری شریف کی ایسی جامع شرح اس سے قبل وجود میں نہیں آئی۔ اس عظیم کتاب کے مطالعہ سے آپ ہر معاملہ میں سنت نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ (زیر طبع ہے)

دینِ مصطفیٰ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت سے متعلق قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کا قابل مطالعہ مجموعہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور زندگی میں پیش آنے والے نئے مسائل سے متعلق احکام شرعیہ کا بے نظیر گنجینہ، بچوں، جوانوں، مستورات، کالج و سکول کے طلبہ و طالبات کے لیے دینیات کی آسان اور عام فہم کتاب ایک ایسی کتاب جو زندگی کے ہر موڑ پر آپ کی رہنمائی کرے گی۔ اس کتاب میں حضور علیہ السلام و خلفائے راشدین و ازواجِ مطہرات کی مکمل سوانح حیات بھی درج ہے۔ کتابت و طباعت آفٹ کاغذ ولایتی، صفحات ۵۰۰ قیمت ۵۴/- روپے

روشنی حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۴۹۲ احادیث کا مجموعہ، مع عربی متن اور عام فہم سلیس ترجمہ کے ساتھ۔ جو حضرات مختصر وقت میں ہدایات نبوت کے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے یہ مجموعہ ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگا۔ علماء، خطباء، طلباء اور عام مسلمانوں اور مستورات کے لیے دینی معلومات کی ایک اہم اور مفید کتاب ہے۔ اس کتاب میں دین و مذہب، عقائد و عبادات، اخلاق و معاشرت سے متعلق ایسی جامع احادیث جمع کر دی گئیں۔ جن کا کافی زمانہ معاشرہ کی اصلاح و فلاح اور اپنی زندگی کو دین اسلام کی ہدایت کے مطابق بنانا سنوارنے اور گزارنے کے لیے آپ کے علم میں آنا نہایت ضروری ہے۔

کتابت آفٹ صفحات ۳۰۴ قیمت ۳۶ روپے

بصیرت علامہ سیّد محمد احمد رضوی کے تحریر کردہ دینی، مذہبی، اخلاقی، اصلاحی، فقہی، تفسیری اور تاریخی مقالات کا رُوح پرور، فکر انگیز، ایمان افروز مجموعہ مختلف اہم موضوعات پر کتاب و سنت

کی روشنی میں لکھے گئے مقالات کا یہ مجموعہ آپ کے دینی و مذہبی معلومات میں
گراں قدر اضافہ کا باعث ہوگا۔ صفحات قیمت ۳۹ روپے

اس کتاب میں حج و زیارت، سوانح ابراہیمی، عید الفطر
اور اس کے مسائل، ماہِ محرم کے مسائل و احکام، واقعہ

اسلامی تقریبات

کربلا، سیرت حسن و حسین، عید میلاد النبی، ماہِ رجب کے برکات، معراج نبوی،
شعبان کے فضائل اور طیبِ برات کے احکام، رمضان، مسائل، روزہ و تراویح،
عید الفطر کے مسائل، لیلة القدر، یوم القرآن، قرآن کے فضائل، وحی کی حقیقت، غزہ
اسلامی تقریبات کو کتاب و سنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلے
میں خلفاء اربعہ، سیدنا صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی و علی مرتضیٰ اور امام حسن
و حسین، خدیجۃ الکبریٰ، امام المؤمنین عاقلہ صدیقہ، سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، حضور
غوثِ پاک، مجدد الف ثانی ایسے مشاہیر اسلام و بزرگانِ دین کے فضائل و مناقب و
سوانح حیات اور ان کے قومی و ملی کارناموں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ کتاب علماء و
خطباء اور عام مسلمانوں کے مطالعہ کی چیز ہے۔

صفحات ۲۰۸۔ کتابت و طباعت آفٹ قیمت ۲۱ روپے

ایک مقبول عام، ایمان افروز، باطل سوز تالیف جس
میں حضور سید عالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل

جامع الصفات

و مناقب، معجزات و کرامات کو کتاب و سنت کی روشنی میں ایک اچھوتے انداز و نواز
سے پیش کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اولین و آخرین کے کمالات
کے جامع ہیں۔ صفحات قیمت ۱۸ روپے

اس کتاب میں حضور سید المرسلین خاتم النبیین، سید
عالم، نور مجسم، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء کا

خصائص مصطفیٰ

علیہ مبارک، سیرت و صورت، میرا قدس سے لے کر قدم پاک تک کے خصائص، فضائل، برکات و حسنات، حضور کا حسین و جمیل سراپا بر مقدس، معتبر روایات و احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور حضور کے اعضاءِ کرمیہ کے اوصافِ حمید و معجزاتِ جمیلہ کی تصویر کھینچ دی گئی ہے۔ یہ کتاب واعظین کے لیے سرمایہ عاشقان کے لیے سکونِ قلب ہے۔ ایک ایسی حسین و جمیل تالیف ہے جسے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور جس کے مطالعہ سے ایمان تازہ اور حضور علیہ السلام کے جلال و جمال کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ صفحات قیمت ۵ روپے

مقامِ مصطفیٰ | قرآن مجید کی ۱۸۶ آیات کی روشنی میں حضور سید المرسلین محبوب رب العالمین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ السلام

والثنا رک جلالِ شان و منصب و مقام کے بیان کا ایمان افروز باطل سوز مجموعہ

صفحات ۱۴۴، قیمت ۸ روپے

معراجِ نبوی | حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کا تذکرہ ہے۔ کتاب وسنت کی روشنی میں معراج کے اسرار و

معارف اور اس کے مختلف پہلوؤں، معراج جسمانی و روحانی اور حضور کے مرتبہ و مقام کی بلندی کا رُوح پرور بیان ہے۔ معراجِ نبوی کے موضوع پر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ ایک ایسی ایمان افروز کتاب ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ صفحات قیمت ۸ روپے

روحِ ایمان | حضور سرورِ عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام اور آپ کے فضائل و مناقب کو کتاب وسنت کی

روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں حضور کی ذاتِ اقدس سے متعلق تمام امور کو مدلل طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ صفحات قیمت ۸ روپے

شانِ صحابہ | اس کتاب میں صحابہ کرام، خلفاء اربعہ صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و راتب، مرتبہ و مقام کو قرآن و حدیث اور فریقین کی معتبر مذہبی و تاریخی کتب کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور صحابہ کرام کے مخلص مومن مسلمان ہونے کے متعلق مدلل بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں صحابہ کرام و خلفاء ثلاثہ پر جس قدر اعتراضات کیے جاتے اور الزامات لگائے جاتے ہیں۔ ان سب کا مدلل و مفصل جواب دیا گیا ہے۔

صفحات قیمت ۳۰ روپے

المباح والمحظور | کھانے، پینے، رہنے، سہنے، غرضیکہ تمدن و تہذیب و اخلاق و معاشرت اور اعمال سے متعلق احکام اسلامیہ، مسائل شرعیہ کا لاجواب مجموعہ، ہر بات کتاب و سنت و فقہ حنفی کے حوالوں سے مزین۔ علامہ رضوی کی معرکتہ الآراء تصنیف، ہر مسلمان کے مطالعہ کی چیز۔

(زیر طبع ہے)

مسائل نماز | اس کتاب میں وضو، غسل، اذان، اقامت، نماز، جمعہ، فرائض، مسافر کی نماز، جمعہ، اس کے مسائل، جمعہ کی شرائط، دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں، واجبات، مفادات، مکروہات، نمازِ مریض، غرضیکہ نماز کے متعلق بہت ہی اہم احکام و مسائل آسان اُردو زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب امان مساجد اور عام مسلمانوں کے مطالعہ کی چیز ہے۔

قیمت ۱۵ روپے

سیدی ابوالبرکات | امام اہلسنت استاذ العلماء حضرت علامہ ابوالبرکات سیّد احمد صاحب قدس سرہ العزیز بانی دارالعلوم حزب الاحناف کی سوانح حیات، آپ کے مختصر ملفوظات، آپ کے دینی و

ملی کارناموں کا بیان، اس ضمن میں متعدد اہم تاریخی واقعات اور اہلسنت کے مشاہیر علیٰ
و مشائخ کا تذکرہ قیمت ۷ روپے

اس کتاب میں بیعتِ رضوان کا واقعہ اور آیت
بیعتِ رضوان قرآنہ لَعَدَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

اذیبا یعونک تحت الشجرہ کی مکمل تفسیر اور اس کے نکات کا بیان ہے
اور ان آیاتِ قرآنیہ کی صحیح تفسیر پیش کی گئی ہے جنہیں صحابہ کرام خصوصاً خلفاء
ثلاثہ کے خلاف پیش کیا جاتا ہے۔ قیمت ۵ روپے

اس کتاب میں ایمانِ صحابہ وعدالتِ صحابہ
رضوی گوجروی مکالمہ کے عنوان پر علامہ رضوی اور مشہور شیعہ

مبلغ اسماعیل گوجروی کے درمیان نہایت ہی دلچسپ مکالمہ کی روداد درج ہے
اور صحابہ کرام پر اعتراضات کا مدلل بیان ہے۔ قیمت ۵ روپے

جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضور کی نماز جنازہ
حضور کی نماز جنازہ میں تمام صحابہ کرام نے شرکت کی اور آخر میں دفن

نبوی کا مختصر تذکرہ اور الزامات کے جواب درج ہیں۔ قیمت ایک روپیہ

مسند فذک کے متعلق نہایت مدلل اور لا جواب کتاب،
باغ فذک اس کتاب میں صحابہ کرام اور خصوصاً امیر المومنین سیدنا

صدیق اکبر پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں۔ ان کا مکمل جواب درج ہے۔

قیمت - ۶ روپے

نیاز کیش

سید مصطفیٰ اشرف رضوی

فون نمبر:- ۳۲۳۵۶۳

ملنے کا پتہ: **مکتبہ رضوان** - گنج بخش روڈ - لاہور

کڑواہ آزاد کشمیر

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>



تمام علماء اہلسنت کی تصانیف

پاک و ہند کے تمام علماء اہلسنت کی تصانیف درس نظامی کی کتابیں،
قرآن مجید ہر قسم، کنز الایمان ترجمہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز اور
تفسیر حضرت مولینا نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ غرضیکہ ہر موضوع پر
مشتمل کتب بازار سے ہر عایت خریدنے کے لیے مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ
لاہور کو یاد رکھیے۔

مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ، لاہور

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>